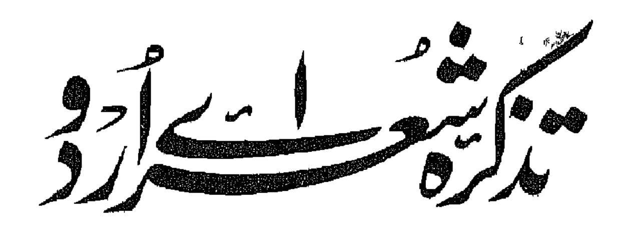
سلسلۂ انجمن ترقی اردو نمبر ۳۴



مؤلفہ

میر حسن دہلوی مصنف مثنوی "بدر منیر"

تصحیح و تنقید

جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی

باہتمام

محمد مقتدی خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں طبع ہوا
۱۳۴ھ ۱۹۲۲ء

تذکرہ شعرائے اردو

مؤلفہ

میر حسن دہلوی

مع مقدمہ نوشتہ

مولوی محمد حبیب الرحمن خاں شروانی

فہرست مطبوعات انجمن ترقی اردو

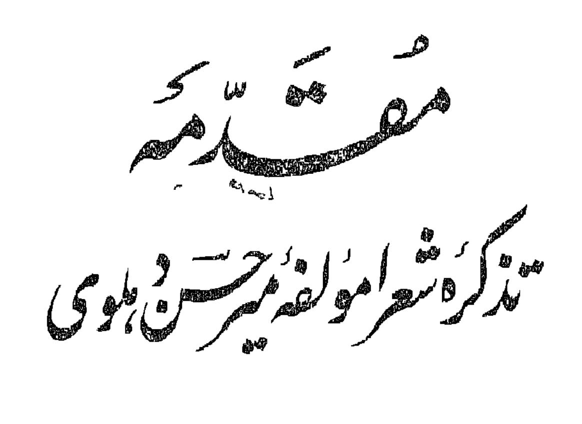
فلسفۂ تعلیم ۔ ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف رسالۂ تعلیم کی اُردو کتاب ہے جو حکمت و فلسفہ کا بہترین کارنامہ اور والدین و معلم کے لئے ضروری ہدایت ہے ترجمہ ایسا بامحاورہ اس کو ایک قدر صحت کے ساتھ ترجمہ کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے قیمت [illegible]

القول الاظہر ۔ سر سید مرحوم کی مشہور کتاب القول الاظہر کا اردو ترجمہ ہے اس میں نہایت آسان علم و فصل کا آفتاب تھا یہ کتاب فلسفہ اخلاق کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے ان کو مفتی انوار الحق نے سرکاری کمیشن کے لیے تحریر کیا ہے قیمت عمر

نپولین اعظم ۔ اسٹاک کی مستند کتاب کا اردو ترجمہ ہے کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ نپولین کی زندگی کس قدر جدوجہد کا آخری باب ہے واقعات کی دلربائی تو سکندر کی زبان ادا کر سکتی ہے یا مصور کی زبان ۔ ترجمہ آسان اور زبان فہم مکمل پانچ جلدوں میں قیمت ایک روپیہ

رہنمایان ہند ۔ مشہور کتاب پروفٹس آف انڈیا کا ترجمہ ہے شروع میں ہندو مذہب کے سربرآوردہ عقائد کا بیان فلسفیانہ نگرول کس پیرایہ میں لکھا ہے اس کے بعد سری کرشن جی مہاراج کی سوانح عمری اور گوتم بدھ کے تبرکات رسالات دیئے ہیں آخری حصہ میں سکھ مذہب کا ارکان راجہ اور ویرانند کا ذکر ہے قیمت عہ/۸

امرائے ہنود ۔ پانسو سے زیادہ ہندو امراء کے حالات قلمبند ہیں جو امراء سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز تھے کتاب گویا ان متعصب اور ناواقف مورخوں کا جواب ہے جو اسلامی حکومت پر تعصب کا الزام لگاتے ہیں قیمت حصہ اول عہ حصہ دوم عہ

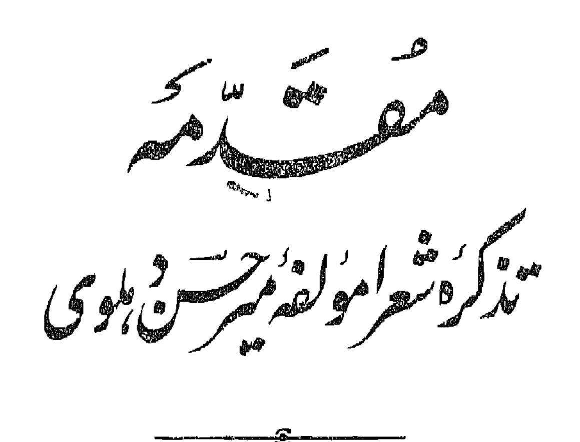


”بدر منیر“ نے میر حسن دہلوی کے نام کو آسمان شہرت پر مہر منیر بنا کر پیش کیا روشنی طبع نے میر صاحب کو یہ مضمون پہلے ہی سجھا دیا تھا مثنوی مذکور کی نسبت کہتے ہیں ؎

رہیگا جہاں میں مرا اس سے نام
کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام

”مثنوی میر حسن“ کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اُردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو جو پڑھ سکتے تھے اُنھوں نے پڑھی۔ جو نہ پڑھ سکتے تھے اُنھوں نے پڑھوا کر سُنی جاہلوں کا بھی یہ عالم رہا کہ جو دو چار شعر یاد تھے اُن کو پڑھتے تھے اور سر دُھنتے تھے چاندنی رات میں ماہ کامل کی روشنی بہت سے ستاروں کو نگاہ سے اوجھل کر دیتی ہے یہی حال ”بدر منیر“ کی آب و تاب کے سامنے میر حسن کے باقی کلام کا ہُوا آب حیات میں آزاد نے لکھا ہے دیوان اب نہیں ملتا۔ ”تذکرہ“ بھی طاق نسیاں کی نذر ہو چکا تھا بالآخر وقت آیا کہ کلام حسن کا حسن سادہ رو نمائے عالم ہوا اہل ادب کو مژدہ کہ ”انجمن ترقی اُردو“ کلیات اور تذکرہ دونوں کی اشاعت پر آمادہ ہے اوّل تذکرے کی یاد ہوئی ہے۔

تذکرۂ شعرا یہ تذکرہ میر حسن نے اُس زمانہ میں لکھا ہے جب کہ دلی کو خیرباد کہکر فیض آباد میں



''بدر منیر'' نے میر حسن دہلوی کے نام کو آسمان شہرت پر مہر منیر بنا کر روشن کیا۔ روشنی طبع نے میر صاحب کو یہ مضمون پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔ مثنوی مذکور کی نسبت کہتے ہیں ؎

رہیگا جہاں میں مرا اس سے نام
کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام

''مثنوی میر حسن'' کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو۔ جو پڑھ سکتے تھے انھوں نے پڑھی۔ جو پڑھ نہیں سکتے تھے انھوں نے پڑھوا کر سنی۔ جاہلوں کا بھی یہ عالم رہا کہ جو دو چار شعر یاد تھے ان کو پڑھتے تھے اور سر دھنتے تھے۔ چاندنی رات میں ماہ کامل کی روشنی بہت سے ستاروں کو نگاہ سے اوجھل کر دیتی ہے یہی حال ''بدر منیر'' کی آب و تاب کے سامنے میر حسن کے باقی کلام کا ہوا۔ آب حیات میں آزاد نے لکھا ہے دیوان اب نہیں ملتا۔ ''تذکرہ'' بھی طاق نسیاں کی نذر ہو چکا تھا۔ بالآخر وقت آیا کہ کلام حسن کا عکس سادہ رونمائے عالم ہوا۔ اہل ادب کو مژدہ کہ ''انجمن ترقی اردو'' کلیات اور تذکرہ دونوں کی اشاعت پر آمادہ ہے۔ اوّل تذکرے کی یاد ہوئی ہے۔

تذکرۂ شعرا | یہ تذکرہ میر حسن نے اس زمانہ میں لکھا ہے جب کہ دلی کو خیرباد کہہ کر فیض آباد میں

یا کرد نداق استاد کا قلم نکتہ سنجی کے ساتھ انصاف کی داد دے رہا ہے اس لئے اہلِ کمال کے خط و خال اس آئینہ میں ہو بہو ہویدا ہیں۔

اگرچہ عبارت کا بیشتر حصہ رنگ آمیزی کی نذر ہو جاتا ہے تاہم معاصرانہ قیمتی معلومات ی قلم سے نکلتی جاتی ہیں جن سے شاعر کے اندازِ کلام طرزِ زندگی اور صورت شکل پر بھی آورس روشنی پڑ جاتی ہے مثلاً میر تقی کے حسب ذیل ضروری حالات زیرِ نظر آجاتے ہیں ان کا حال آرزو کا بھانجا اور شاگرد ہونا وطن اکبرآباد۔ اس تذکرہ کی تحریر کے وقت میر تقی کا سن ساٹھ برس کا تھا اور دلی میں مقیم تھے جوان محمد شاہی تھے میر تقی کا تذکرہ متقدمین و معاصرین؛ یادگار زمانہ تھا۔ رباعی غزل۔ قصیدہ ہجو مدح سب پر قدرت ہے گرم بازاری کمال غزل کی وجہ سے تھی جس کی شان یہ تھی کہ "بسیار نامدار در طرز اردو می تراود" میر صاحب کا صاحب دماغ ہونا "بسیار صاحب دماغ است و دماغ او بچرخ رسید" عبارت آرائی میں یہ فقرہ بھی ہے "در شعر چون دُرِ خوشاب و اندازِ سخن بے حساب"۔ سودا۔ حالات و صفات مولد شاہجہاں آباد۔ تحریر تذکرہ کے وقت سن کا اندازہ ستر برس کا تھا نوکری پیشہ۔ سرکار نواب شجاع الدولہ میں سلسلہ شاعری سرفراز تھے علم موسیقی میں مہارت تھی میر حسن اکثر اُن کی خدمت میں جاتے تھے۔ اور وہ بہت کرم فرماتے تھے خوش خلق نیک خو یار باش تھے شاعری کی زندگی اُن کی ذات سے وابستہ تھی طرزِ سخن "میدانِ بیان او وسیع طرز معانی او بدیع در قصیدہ و ہجو ید بیضا دارد قصائد غرّا دلاویز و بیانِ ہجو بلند۔ ظلمت طرب انگیز"

سوز۔ حالات و صفات سید ضیاء الدین بخاری کے بیٹے۔ قطب عالم گجراتی کے خاندان سے تھے۔ درویش منش۔ خوش نویس۔ دانشمند۔ فطرت نہایت بلند علوم تیراندازی میں ایک رسالہ زور دار لکھا تھا رنگِ زمانہ سے بددل ہو کر گوشہ نشین تھے۔ اشعار اس خوبی سے پڑھتے تھے کہ بیان میں نہیں آسکتے۔ طرزِ سخن "در عہدِ خود از جملۂ استادان ممتاز۔ طرز ادا بہ ملک اوست"۔

سکوت پذیر تھے چنانچہ خود اپنے حال میں لکھتے ہیں "شروع جوانی از گردش روزگار شہر لکھنؤ و فیض آباد رسیدم" تذکرہ ہذا میں مرتب نے جو فہرست اپنی تصانیف کی لکھی ہے اس میں "مثنوی رموز العارفین" ہے "گلزار ارم" نہیں ہے رموز العارفین کا سال تصنیف ۱۱۸۰ھ ہے اور گلزار ارم کا ۱۱۹۲ھ رموز العارفین کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مشہور ہو چکی ہے واضح ہے کہ تذکرہ ۱۱۸۰ھ اور ۱۱۹۲ھ کے مابین لکھا گیا اور آج اس کی تالیف کو ڈیڑھ سو برس کا زمانہ گزر چکا۔ رسم قدیم کے مطابق یہ تذکرہ فارسی زبان میں بہ رعایت حروف تہجی لکھا گیا ہے ہر ردیف میں تین دور قائم کئے ہیں متقدمین[1] متوسطین[2] متاخرین[3] "دور متقدمین" فرخ سیر سے پہلے اس دور میں زبان ریختہ کا رواج زبان دکن سے ہوا دور متوسطین آخر عہد فرخ سیر سے ابتدائے عہد محمد شاہ تک "متاخرین" اس کے بعد سے زمانۂ تالیف تذکرہ تک اب سب متقدمین ہیں رہے نام اللہ کا۔

یہ تذکرہ شاہد ہے کہ مؤلف کو عبارت آرائی و رنگین بیانی میں عمدہ دستگاہ حاصل تھی وہ سادہ و پرکار طرز عبارت جو میر تقی میر کے تذکرہ کی ہے اس میں نہیں۔ میر کی یہ ادبی قوت خان آرزو کی تربیت کا ثمرہ تھی ایک مثال سن لو۔ میر تقی ایک موقع پر لکھتے ہیں "خوش تقریر مرتبہ ایست کہ در تحریر نگنجد" میر حسن اسی موقع پر کہتے ہیں "خوش تقریر مرتبہ ایست کہ در تحریر و تقریر نگنجد" ارباب ذوق سلیم نے محسوس کیا ہوگا کہ لفظ کے اضافے نے زور کلام کم کر دیا۔

اس تذکرہ کے زمانہ تصنیف کی ایک خاص خوبی ہے اور وہ یہ کہ وہ ایسے زمانہ میں تصنیف ہوا ہے کہ دور سوم ختم اور دور چہارم شروع ہو رہا تھا اس طرح مؤلف نے دونوں دور کے شعرا کے چشم دید حالات قلمبند کئے ہیں میر سودا۔ خواجہ میر درد اور حضرت مرزا مظہر کو دیکھا اسی کے ساتھ مصحفی انشا اور جرأت کو دور سوم اور دور چہارم کے طرز کلام کا ڈانڈا جہاں ملا ہے وہ اس تذکرہ کے انتخابی اشعار سے بخوبی واضح ہے خوبی خاص یہ ہے کہ ایک

آمدم بر سر مطلب۔ میر حسن کا نام غلام حسن تھا۔ اُن کے والد میر غلام حسین ضاحک نے دلی میں نشو و نما پایا۔ آخر زمانہ میں فیض آباد میں جا کر سکونت اختیار کی تحریر تذکرہ کے وقت زندہ تھے اور دس برس سے ترک روزگار کرکے آزادانہ زندگی بسر کر رہے تھے عالم فاضل تھے ناظم و ناثر ہزل دوست مزاج لسن۔ غزل چالیس پچاس شعر سے کم نہ ہوتی تھی فن موسیقی میں بھی دخل تھا قد میانہ رنگ گورا داڑھی اوسط ریش بچہ منڈا ہوا سر پر عمامہ بطرز عرب باندھتے تھے بڑا سا جُبّہ پہنتے تھے فارسی اور ریختہ دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے قصائد فارسی کی تعریف تذکرۂ شعرائے ہند کے مؤلف نے کی ہے میں کلام کا نمونہ یہ ہے

در پیش اگر روزِ اجل آہ نہ ہوتا　　قصۂ قباحت کا یہ کوتاہ نہ ہوتا
اُس آن تھے آنسو جس آن کہ دل ڈوبا　　سب جان سی ہم اٹھے جب دیدۂ نم سے تھے

رباعی در منقبت

کشاف حقائق و بیان توحید　　آں راکب دوش احمدی شاہ شہید
خود معنی آیاتِ کلام الٰہی ست　　تفسیر حسینی ست بقرآن مجید

تذکرۂ میر حسن میں یہ رباعی اُن کے نام سے درج ہے حالانکہ وہ مولانا لطف اللہ نیشاپوری کی مشہور رُباعی ہے اور فارسی تذکروں میں اُن کے نام سے درج ہے۔

رُباعی

افسوس دلا کہ غمگساراں رفتند　　سیمیں بدناں و گلعذاراں رفتند
چوں بوئے گل آمدند بر باد سوار　　در خاک چو قطرہائے باراں رفتند

میر حسن دہلی میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی تعلیم پائی عربی سے واقف نہ تھے۔ ابتدا سے شعر و سخن اس سلسلے میں حضرت خواجہ میر دردؔ کی خدمت میں رہکر پختگی حاصل کی میر ضیا کے شاگرد تھے مگر خود لکھتے ہیں کہ مجھ سے اُن کی طرز کا نباہ نہ ہو سکا۔ اس لئے میر دردؔ کی طرز کی پیروی کی تلمذ کی بابت آبحیات میں لکھا ہے "میرزا رفیع کو بھی غزل دکھائی"۔ میر حسنؔ کے بیان سے

حزیںؔ حالات و صفات وطن اصلی شاہجہان آباد۔ مقام لکھنؤ و عظیم آباد۔ میاں حسرتؔ کے شاگرد جوانِ خلیق رو۔ خوش خلق نیک ذہن نوجوانی بسیار حلیم و حیا سری رُخ فن موسیقی اور ستار نوازی میں ایک حد تک قدرت طبیعت بہت دردمند اور گداز۔ شوق شعر حد جنون تک پہنچا ہوا کہ کسی وقت فکر سخن سے خالی نہیں طرز سخن: کلام نمکین بیان شیریں گلزار معانی چوں میوۂ آرزو شاخ در شاخ" اس تذکرہ کا نام مؤلف نے نہیں لکھا

مؤلف تذکرہ کے حالات | مسلمانوں کے عہدِ حکومت نے جن شہروں کو بارونق کا مخزن اور علم و کمال کا معدن بنایا تھا اُن میں خراسان کا دار السلطنت ہرات بھی تھا۔ یہی مرحوم شہر میر حسن کے خاندان کا بھی وطن تھا۔ میر امامی وہاں سے سنہ ۔۔۔ و سال میں آئے جو میر حسن کے پردادا تھے ہفت قلم تھے اور فاضل متبحر۔ بلحاظ علم و فضل دلی میں آکر ہمسروں میں امتیاز حاصل کیا شعر بھی کہتے تھے یہ لکھ کر میر حسن کہتے ہیں کہ میری شاعری آبائی ہے نہ آج کی ہر چند کہ میر انیس نے اپنے لئے پانچویں پشت مداحی کا دعویٰ کیا ہے ع

پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

مگر میر حسن کی شہادت کی بنیاد پر چھٹی پشت تھی میر نفیس نے کس صفائی سے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے ع

شمشیر فصاحت پہ ہے یہ ساتواں صیقل

سات پشتیں ملاحظہ ہوں۔

۱- میر امامی
۲- خواجہ عزیز اللہ
۳- میر ضاحک
۴- میر حسن
۵- میر خلیق
۶- میر انیس
۷- میر نفیس

آخر ماہ ذی الحجہ میں علیل ہوئے غرہ محرم ۱۲۰۱ھ میں انتقال کیا (یعنی مثنوی "سحر البیان"
کے ختم ہونے کے دو سال بعد) مرزا قاسم علی خاں کے باغچہ کی پشت پر مدفون ہوئے
مصحفی نے تاریخ وفات کہی۔

چوں حسن آں بلبل خوش داستاں　　　رُو ازیں گلزار رنگ و بو بتافت
بسکہ شیریں بود نطقش مصحفی　　　شاعرِ شیریں زباں - تاریخ یافت

چار بیٹے تھے اُن میں سے تین محسن خلیق اور خلق شاعر ہوئے شاید ہی اس کی نظیر تاریخ عالم میں ملے کہ شاعری ایک خاندان میں آٹھ پشت تک مسلسل رہی ہو یہ طرۂ امتیاز میر حسن کے خاندان کی دستار پر کھلا کبھی علوم سات آٹھ پشت تک شاذ و نادر چلے ہیں چہ جائیکہ شاعری جو وہبی ہے۔ پھر قدرت نے اس فراوانی سے یہ نعمت اس خاندان کو بخشی کہ میر حسن کے تین صاحبزادے شاعر ہوئے اور تین پوتے میر انیس مونس اُنس ایک میر انیس تنہا ایک ملک کے فخر کے لئے کافی ہیں

میر حسن کا کلام | میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں اب تک فقیر نے قریب سات آٹھ ہزار کے شعر کہے ہیں ایک ترکیب بند کہا ہے اور ایک مثنوی رموز العارفین" جو قبولِ خاطر" شہرت عام حاصل کر چکی ہے۔

آبِ حیات میں آزاد لکھتے ہیں " دیوان اب نہیں ملتا" اسی کے ساتھ قدرت اللہ خاں قاسم کا یہ قول دیوان کی نسبت نقل کیا ہے "انواع سخن سے پر ہے" ایک اور موقع پر لکھتے ہیں "آج یہ نوبت ہے کہ پانچ غزلیں بھی پوری نہیں ملیں جو کتاب میں درج کرتا" مثنوی گلزار ارم کی نسبت لکھتے ہیں میں نے یہ مثنوی دلی کی تباہی سے پہلے دیکھی تھی تذکرۂ آبِ حیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "آزاد" کو مثنوی رموز العارفین کی خبر بھی تذکرہ شعرائے ہند میں منشی کریم الدین نے میر حسن کی تصانیف کی نسبت عجب خلط مبحث کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "حسن مذکور کی تصنیفات یہ ہیں ایک دیوان اقسام سخن کا جس میں تخمیناً آٹھ ہزار شعر ہیں دوسرا تذکرہ

اُس کی تائید نہیں ہوتی۔ وہ ایسا تلمذ صرف میر ضیا سے ظاہر کرتے ہیں البتہ یہ لکھتے ہیں کہ چوں کہ میں اُن کی طرز سادہ نہ سکا اس لئے میر درد اور سودا کی طرز کی پیروی کی یہاں بھی سودا کی تخصیص نہیں۔ آزاد نے جو خط میر حسن کا قدرت اللہ خاں قاسم کے نام نقل کیا ہے اُس میں بھی یہی لکھا ہے۔ "اصلاح سخن از میر ضیا گرفتہ ام" سودا کا نام نہیں۔ آغاز شباب میں دلی کی تباہی سے پریشان ہوکر اپنے والد کے ساتھ فیض آباد گئے۔ وہاں سے بالآخر لکھنؤ جاکر بود و باش اختیار کرلی۔ اس سفر میں دلی سے چل کر اوّل چند مہینے ڈیگ میں رہے وہاں سے حضرت شاہ مدار کی چھڑیوں کے ساتھ مکن پور گئے۔ اسی سفر کی کیفیت سے مثنوی گلزار ارم کی بہاریں دکھائیں۔ فیض آباد اور لکھنؤ میں نواب سالار جنگ اور ان کے بیٹے میرزا نوازش علی خاں کی مصاحبت میں رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گزر یہاں بھی تنگی سے ہوتی رہی خود لکھتے ہیں "چنانچہ با حال بہ نوع گزران نمایم"

حلیہ۔ داڑھی منڈی ہوئی رنگ گورا۔ قد اچھا بڑا (میر حسن تک یہ قد و قامت قائم تھا) پرانی وضع کی پگڑی سر پر (اب سرے سے پگڑی ہی نہ ارد ہے پرانی وضع کون سمجھے گا) اپنے والد کی طرح بڑا ساجامہ پہنتے تھے یہ حلیہ "تذکرۂ شعرائے ہند" میں لکھا ہے "آبِ حیات" میں اس کے خلاف یوں لکھا ہے "میانہ قد خوش اندام۔ گورا رنگ۔ جملہ خواص شرافت آئین خاندان میں اپنے والد کے مانند تھے اتنا تھا کہ داڑھی منڈاتے تھے سر پہ بانکی ٹوپی تن میں شربتی کا انگرکھا پھنسی ہوئی آستینیں کمر سے دوپٹہ بندھا" اہل نظر فیصلہ کریں کہ کون سا بیان قابل قبول ہے "تذکرۂ شعرائے ہند" کی قدامت اور تحقیقات کے موقع کا زیادہ حاصل ہونا غالباً تذکرۂ شعرائے ہند کو زیادہ مستند قرار دے۔

میر حسن کے اخلاق کی بابت "تذکرۂ شعرائے ہند" میں لکھا ہے "وہ ظریف اور خوش خلق آدمی تھا۔ مگر بیہودہ اور کلام معیوب کبھی زبان سے نہیں نکالتا تھا سوا اس کے شیریں مزاج خوش خلق پسندیدہ تعلیم یافتہ تھا۔ کسی شخص سے اُس کو بُرا نہیں لکھا۔ اور نہ کچھ الزام لگایا ہے"

چار ہزار ہیں۔ چھوٹی بڑی گیارہ مثنویاں ہیں سات قصیدے ہیں مخمس مسدس مثلث رباعی بھی ہیں وہ ترکیب بند بھی (واسوخت کے نام سے) موجود ہے جس کا ذکر تذکرہ میں میر حسن نے کیا ہے۔ مرثیے نہیں ہیں حالاں کہ میر حسن نے مرثیوں کا لکھنا تذکرہ میں لکھا ہے۔ اس مجموعے کی دستیابی سے آزاد کا وہ تاسف آمیز شکوہ رفع ہو جاتا ہے جو ان کو اخلاف میر حسن سے کلیات مرتب نہ کرنے کی بات تھا

جوش عقیدت | سے اول شاہ عالم بادشاہ کا ذکر لکھا ہے اس ادب کے ساتھ "ذکر اوّل بادشاہ جمجاہ سکندر سپاہ ظل اللہ شاہ عالم بادشاہ خلد اللہ ملکہ و افاض اللہ برہ و احسانہ" اس ذکر کے بعد تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چند کہ اُس عہد میں سلاطین مغلیہ کے ہاتھ سے سلطنت ظاہری جا چکی تھی مگر دلوں پر حکومت قایم تھی۔

ادبی نکتے | جس طرح میر صاحب نے "نکات الشعرا" کو جا بجا ادبی نکتے اور فائدے بیان کر کے زینت دی ہے اسی طرح میر حسن نے اپنے تذکرہ کو آراستہ کیا ہے ریختہ کی تعریف "ریختہ اول از زبان دکن رواج یافتہ" اس لحاظ سے یہ گراں جنس تھا یعنی اُردو بازار کی دُکانوں کی ملکیت نہ تھی (میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے اپنے تذکرہ میں اُس زبان کا نام یا ہندی لکھا ہے یا ریختہ اُردو جہاں تک میرا خیال ہے کہیں نہیں لکھا۔ منشی کریم الدین نے اُردو کے ساتھ ہندوستانی بھی لکھا ہے) طرز متقدمین و متاخرین کا فرق "طرز متقدمین بطور ایہام طرز متاخرین بزبان حال ارائیہ" میر تقی نے خاکسار کے اس شعر میں سے

خاکسار اُس کی تو آنکھوں سے گئے مت لگیو
مجھکو ان جادو بھرا اوں ہی نے بیمار کیا

یہ اصلاح دی تھی "در مصرع ایں جا پوشیدہ نیست کہ بجائے 'بیمار کیا'، 'گرفتار کیا'، می بایست"

ہندی مضمون کا ریختہ میں لکھا ہے تیسری مثنوی بدرِ منیر اس مثنوی کی برابر کسی سے آج تک اچھی مثنوی نہیں ہوئی چوتھی سحر البیان یہ سب سے بڑی کتاب میر حسن کی ہے اس میں عورتوں کی پوشاک و حلیہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور طوائف کا بھی اس میں ذکر ہے اور مسلمانوں کی رسوماتِ شادی کا بھی حال اس میں مندرج ہے" ظاہر ہے کہ "سحر البیان" مثنوی بدر منیر کا نام ہے چنانچہ میر حسن نے مثنوی مذکور کے خاتمہ میں لکھا ہے ع

نئی مثنوی ہے یہ سحر البیان

منشی صاحب جس مثنوی کو سحر البیان کہتے ہیں وہ گلزار ارم ہے۔ لیکن وہ مثنوی بدرِ منیر سے بڑی نہیں "تذکرہ" ریختہ میں نہیں لکھا بلکہ فارسی میں لکھا ہے۔ رموز العارفین کا یہ منشی کریم الدین کو بھی شبہ لگا اور چونکہ ان کا تذکرہ ڈی ٹاسی کے تذکرہ سے ماخوذ ہے اس لئے ماننا چاہیئے کہ ڈی ٹاسی بھی اس سے بے خبر تھا تذکرہ بھی دیکھا نہیں۔ سماعی خبر لکھدی ورنہ ان کی زبان کی بات ایسی فاحش غلطی ہوتی یہاں ایک دقت اور ہے۔ آزاد نے آبحیات میں جو خط خود میر حسن کا قدرت اللہ خاں قاسم کے نام کا نقل کیا ہے اس میں یہ عبارت ہے۔ "تذکرہ در ریختہ ہم نوشتہ" اس عبارت کے معنی خلاف ظاہر یہ لیے ہوں گے "در شانِ شعرائے ریختہ نوشتہ" ورنہ یہ تو بعید از قیاس ہے کہ شعرائے ریختہ کے دو تذکرے میر حسن نے لکھے ہوں ایک زبانِ ریختہ میں دوسرا فارسی میں غالباً اسی خط کی عبارت سے منشی کریم الدین کو لغزش ہوئی۔

خدا کا شکر ہے کہ جو نعمت مؤلف آبحیات کے لئے پردۂ ظلمات میں رہی وہ مجھکو مل گئی لکھنؤ سے کلیاتِ میر حسن کا نسخہ ہاتھ آیا۔ جو ۱۲۲۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔ مطلا اور مذہب ہے اور اس اہتمام سے لکھا گیا ہے جس اہتمام سے فارسی شعرا کے دواوین لکھے جاتے تھے نعمت بالائے نعمت یہ ہے کہ صحیح ہے قدرت اللہ خاں قاسم کا قول بھی اس پر صادق ہے اول سحر سے لبریز ہے۔ چار سو صفحہ کا حجم ہے تقریباً سات ہزار شعر ہیں غزل کے اشعار قریباً

ہمیں شعرائے نامدار یادگار زمانہ ذرا اس شعر کو مکرر پڑھو اور اس کے درد کا اندازہ کرو اور یہ بھی غور کرو کہ ایک "آشنا پرست" ناشخ کے دل کے واردات کا نقشہ ہی کیا اس کے بعد مجھ کو یہ کہنے کی اجازت ملے گی کہ تاریخ کے سیاہ کار ملک ہوں کے داغدار سراج الدولہ تیرے دل میں تو محبت و ہمدردی کا چراغ روشن نظر آتا ہے اُن کے اُستاد میر ضیا نے اپنے یہ شعر اُن کو سنائے تھے ؎

رب ضیا کی دیکھی کل رات ڈورسے میں | آئے نظر مجھے واں شمع و چراغ کتنے
جاکر جو آج دن کو دیکھا میں کر تفحص | اک دل جلے ہی اُس میں حسرت کے داغ کتنے

سلام اللہ خاں تسلیم ایک فارسی گو شاعر نے ترجمہ کر کے یہی مضمون اپنے نام مشہور کر دیا ؎

دوش رفتم بر مزار کشتۂ تسلیم خویش | می نمود از دور صد شمع و چراغ حسرتے
چوں شدم نزدیک دیدم از تفحص بسے | یک دلے بسوخت با صد داغ حسرتے

میر حسن خفا ہیں (اور خفگی بجا ہے) "تسلیم در فارسی ترجمہ کردہ بنام خود شہرت داد۔ ایں ندانست کہ در نظر صورت شناساں معانی مثلے و فرید پوشیدہ نمی ماند مثل ہندی مشہور "ہاتھی پھرے گاؤں گاؤں جس کا ہاتھی اُس کا ناؤں" پھر بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تسلیم کے شعر زبان فارسی کی قوت و صفائی کی بدولت ضیا کے اشعار سے زیادہ نمایاں ہیں خصوصاً اس صورت میں کہ ضیا کی زبان بوجہ قدامت ماند پڑ چکی ہے مصرع اول میں "کشتۂ تسلیم" نے جان ڈال دی ہے

میر حسن صرف ادب اُردو کے نقاد ہی نہیں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ فارسی شعرا کے کلام کی انفرادی پرکھ پوری قوت تھی اور ہر ایک کے طرز کا جداگانہ اندازہ حاصل تھا چنانچہ اساتذۂ اُردو کے کلام کی طرز کو اساتذۂ فارسی کی طرز سے تشبیہ دیتے جاتے ہیں میر ضیا "طرزش ما بہ طرز مرزا ناسمی" میر تقی "طرزش ما نا بطرز شفائی" خواجہ میر درد "دیوانش

میر حسن کہتے ہیں "در عقل فقیر چنین گزرد کہ اگر چشم جو دمی بود گرفتار مناسب بود چون اینجا چشم معشوق ست بیماری صحت دارد" دیکھو کیسی بات سمجھا گئے۔ راقم کا ایک شعر نقل کیا ہے

کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں
کہنے کو ہے یہ بات کہ معذور ہی نہیں

لکھتے ہیں کہ اس شعر میں (عاشقوں کا) تقطیع سے گرتا ہے اور یہ عیب خطا ہے مصرع یوں ہوتا تو بہتر تھا ع

میرا تو کام کچھ تجھے منظور ہی نہیں

معین بداؤنی کا ایک شعر ہے

جوش ہم عریانی سے آتے ہیں برنگ بوئے گل   نکلے جاتے ہیں ٹھہرتے ہیں پوشاک سے ہم

میر حسن کہتے ہیں "جوش ہم عریانی ناموزون ست چرا کہ "ہم" با "را" چنان چسپیدہ است کہ "جان" چون چشم غزال از میان رم کردہ و این سخت عیب است"

سجاد کا شعر ہے

تجھے غیر سے صحبت اب آئی
اسی دوستی ہم سے ہی دشمنی

میر حسن کہتے ہیں "اسی دوستی" زبان قدیم ست یعنی برائے ہمیں" فی البدیہہ۔ راجہ رام نراین موزوں تخلص نواب سراج الدولہ کی طرف سے عظیم آباد کے صوبہ دار تھے شیخ علی حزیں کے شاگرد "آشنا پرست" یا دوست۔ فارسی کا ذوق تھا ریختہ کا صرف ایک شعر کہا جو مشہور ہو گیا۔ اس کا واقعہ خود میر حسن کے الفاظ میں "شعر ریختہ کم گفتہ بلکہ نگفتہ۔ مگر وقتیکہ خبر شہید شدن سراج الدولہ در شہر اشتہار یافت ہمان وقت فی البدیہہ این شعر میخواند و از خبر داران خبری پرسید و می گریست ؎

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی   دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری؟

ٹیک چند بہار بھی ہیں موسطین میں سدراس رائے ستم ہیں۔ میر حسن کے تذکرہ میں بھی بہت سے ہندو شعرا کا ذکر ہے جن میں سے بعض حکمت استاد تھے مثلاً رائے سرب سنگھ دیوانہ تخلص اُن کی نسبت لکھا ہے "شاعر بر دوست فارسی ست شعر بسیار گفتہ است استاد ریختہ گویان لکھنؤ چنانچہ میاں حسرت و میر حیدر علی حیران و اکثر دیگران شاگرد اوئید در آنجا مشہور و معروف است"۔ حسرت مذکور اساتذہ لکھنؤ میں سے ہیں۔ جرأت کے استاد شاگردوں کی یہ کثرت تھی کہ پہچان نہیں سکتے تھے۔ ایک اور معتبر شہادت منشی کریم الدین نے تذکرۂ شعرائے ہند میں (جو ڈی ٹاسی کے تذکرہ سے ماخوذ ہے) طبقہ دوم۔ اُن شعرا کے ذکر میں لکھا ہے جو مصلح اُردو اور مروج اس زبان کے تھے اور انھوں نے الفاظ کریہ کا استعمال یک قلم زبان ریختہ سے موقوف کر دیا۔ اس طبقے میں سب سے اوّل راجہ جسونت سنگھ متخلص بہ پروانہ کا ذکر ہے یہ نواب شجاع الدولہ بہادر کے نائب راجہ بینی بہادر کے بیٹے اور رائے سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے۔ جرأت کی وفات کی تاریخ کیا خوب کہی ہے۔

"کہو جنت نصیب جرأت ہے"
۱۲۲۴ھ

پروانہ کے دیوان کی بابت یہ رائے ظاہر کی ہے "دیوان اس شاعر کا دیکھنے میں آیا بہت اچھا پاکیزہ اشعار اُس کے ہیں۔" "اسپرنگر بہادر کے پاس وہ دیوان موجود تھا میر حسن نے اپنے تذکرہ میں حسب ذیل ہندو شعرا کا ذکر لکھا ہے۔ رائے پریم[1] ناتھ ٹیک چند بہار[2] سنتو کھ رائے[3] بیوا۔ سپاہ اتھ[4] سنگھ۔ لالہ سرب[5] سنگھ دیوانہ۔ گھاسی رام[6] جوشدل سدراس[7] رائے ستم لالہ بلاس[8] رائے رنگیں۔ لالہ جسونت[9] رائے شاداب رائے[10] بھکاری داس عزیز۔ فارغ[11] بدھ سنگھ[12] قلندر۔ لالہ کاشی ناتھ[13]۔ اسد رام[14] مخلص راجہ رام نرائن[15] موزوں۔ عجائب رام مسی۔ لالہ لول رائے[16] وفا ان حالات کے ہوتے ہوئے مذکورۂ بالا مصنوعی تفریق کو دیکھکر چارہ کار یہی ہے کہ ملک اور اہل ملک کے حال پر افسوس کیا جائے۔

اگرچہ مختصر است لیکن چوں کلام حافظ سراپا انتخاب" میر دردؔ کا ایک شعر سُن لو۔ حافظ کے بہت سے شعر یاد آجائیں گے ؎

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

قائم چاندپوری "طرزش بہ طرز طالب آملی می ماند" زبان کی ٹکسال دلّی تھی۔ قائم مذکور کے حال میں "موطن چاندپور است۔ چوں از ابتدائے حوالی در شاہجہاں آباد آمدہ بسر بُردہ بنا برآں محاورۂ او درست گشت" معیّن بداؤنی کا ایک مصرع ہے۔ ع

نہ آیا یار دوپہری بھی اب ڈھلی افسوس

میر صاحب لکھتے ہیں "این محاورہ درست نیست۔ مردم شاہجہاں آباد دوپہر ڈھلی میگویند دوپہری مگر مردم پورب" ایک شعر میں شاعر موصوف نے "چُٹ جائیگی" باندھا ہے میر حسن کہتے ہیں "چُٹ جائیگی نامانوس است غیر در ریختہ حالتے نہ"

سرمایۂ مشترک | یہ زمانہ صنعت و حرفت کی ترقی کا ہے گوناگوں مصنوعات سے نہ صرف بازار بلکہ گھروں کے در و دیوار معمور ہیں اسی سلسلے میں بہت سے مصنوعی مسائل کا انبار ہے جو ہماری زندگی پر مؤثر ہیں۔ انھیں مسئلوں میں سے ایک مسئلہ ملکی زبان کا ہے۔ ایک زبان صرف مسلمانوں کی ہے اُس کا نام اردو ہے۔ دوسری ہندوؤں کی ہے اُس کو ہندی کہتے ہیں ہندوستان کے چاروں کونوں کو دیکھا شہر۔ دیہات۔ پہاڑ اور جنگل دیکھے مگر زبان کی یہ تقسیم کہیں عمل پیرا نہ دیکھی۔ تذکرۂ میر تقی میرؔ اور تذکرۂ میر حسن کے مطالعہ سے صاف واضح ہے کہ ریختہ کہو اُردو کہو ہندی کہو جو نام چاہو رکھو مگر واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کی عام رائج زبان ہندو اور مسلمان اہلِ ادب کی محنتِ مشترکہ کا ثمرہ ہے۔ ابتدائے شاعری سے لے کر انتہا تک یہ اشتراکِ محنت عیاں ہے نکات الشعرا میں جہاں متقدمین شعرا میں خان آرزو اور قزلباش خاں امیدؔ ہیں وہاں رائے انند رام مخلص اور

انسان کی قدردانی بھی اُس زمانہ میں فن تھے جو اُستادوں سے حاصل کئے جاتے تھے۔ اس
بیان سے خود میر حسن کے کمالات کی بزرگی معلوم ہوتی ہے۔ میر مظہر علی "پاکیزہ سرشت
و نیک شعار۔ جوانے ست بعلم و عمل آراستہ و بصلاح و تقویٰ پیراستہ" سجاد "موصوف
باوصاف حمیدہ۔ مخلوق باخلاق سعیدہ   در لطیفہ گویان   ۔طاق۔ در ہر امور
کہ دخل کرد بکمال رسانیدہ علم طب ہم حاصل نمودہ ۔ ۔ ۔ طلسمات والا و خوشنویسی
و شعر فہمی بمراتب اعلیٰ رسانیدہ" شوق "مرد سپاہی پیشہ۔ صاحب دیوان۔ از شاگردانِ
سراج الدین علی خان آرزو۔ مدتے در سرکار نواب عماد الملک غازی الدین خان بوسیلۂ
سپہ گری بسر بردہ" شاعر "جوانے ست بکمال صلاحیت آراستہ و بعلم و عمل پیراستہ۔
اہل دل منصف متواضع مؤدب بزرگ و بزرگ زادہ" نواب عماد الملک غازی الدین
خان را ایک اور امیر "در جمیع علوم قادر و در فنون سخن ماہر از وزرائے ہندوستان ۔ ۔
بود   ہفت قلم ہفت زبان" فغان "جوانِ ظریف طبع و خوش اختلاط۔ اہر
کس خوش طبعی داشت ۔   ۔ لطائف و ظرائف او مشہور ست" گریان "جوانے ست
شائستہ   سپاہی پیشہ" وحشت "سید زادہ خوش اوقات و نیک صفات۔ جوانِ
وضع دار و در فن سپہ گری استوار" لالہ نور ائے وفا "از تذکرۂ محمد قایم جیان ظاہر ست
کہ جوانے ست نوخاستہ۔ بزیور علم و عمل آراستہ۔ ۔   صاحب حلم و حیا لطافت مزاج از
گل زیادہ ۔   ۔ برادر خورد بخش راجہ گلاب رائے دیوان مدار المہام امیر الدولہ نواب
نجیب خان مرحوم بود لیکن این عزیز مصروف اکتساب و غریق مطالعہ کتاب طلب ہر کمال
دامن گیر حال طبع دردمند داشت"

یہ نہ خیال کرنا کہ میر حسن صاحب کے یہاں حسن بیان حسن وطن کا دفتر کھلا ہوا ہے اور
ہر شخص سندِ تعریف سے سرفراز ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ وہی لکھا ہے جو خود دیکھا یا دوستانِ
حقیقت داں سے سنا چنانچہ دیباچہ میں لکھ دیا ہے "پس از دریافت حال خیر مآلِ صاحبِ سخن

اس عہد کی معاشرت | عموماً شعرا کی نسبت یہ خیال ہے کہ وہ ایک بیکار گروہ ہے جو خیالی دنیا کی سیر میں مصروف ہے کلام کی شوخی و رندی سے قیاس کیا جاتا ہے کہ قائل اپنی حالت کا مرقع کھینچ رہا ہے واقعات اس خیال کا ساتھ نہیں دیتے۔ طبقۂ شعرا میں کثیر حصہ ایسے کاروباری آدمیوں کا تھا جن کا معیارِ اخلاق بلند تھا۔ اور جو شعرگوئی اور ریختہ دلی کا سامان اور ادب کی خدمت تصور کرتے تھے اسی کے ساتھ اور کمالاتِ انسانی میں قدرت و کمال پیدا کرتے تھے ذیل کے شعرا کے اخلاق و مشاغل پر نظر ڈالیے امید ہے کہ آپ بھی میرے ہمنوا ہوں گے میر اثر "خوش اوقات و نیک سیرت درویشے ست موقر۔ وصاحب سخنے ست موقر۔ عالم فاضل" عاصمی "در علمِ تاریخ و تمیز شناسی و لطیفہ گوئی دستے ہم رسانیدہ" رائے برہم ماتھ "خطاطے نظر کمال دارد۔ دل پذیر غزل فارسی خوب می گوید" آگاہ "بوسیلۂ قصہ خوانی بسر می برد۔ دریں فن شاگردِ میر احمد مرحوم ست کہ بقصہ خوانی مشہور بود" میر اعلیٰ علی "خلیق و متواضع" میر شبیر علی افسوس "داروغۂ توپ خانۂ عالیجاہ جوانے ست ظاہر و باطن آراستہ۔ بحلم و حیا پیراستہ" سید آرزو "بزیورِ حلم و حیا آراستہ" حشمت "سپاہی پیشہ فہمیدہ و سنجیدہ متواضع و مودّت" رنگین "سپاہی پیشہ خوش اوقات و نیک ذات جوان" محمد شاہی "خطِ نستعلیق خوب می نویسد" مہربان خاں رند (اس عہد کے امرا کا ایک نمونہ) نواب عالی جنگ بہادر والیِ فرخ آباد کے وزیر "مجلسے رنگین و بزمے ارم تزئین داشت" ہر صادر و وارد کی فراخ حوصلگی سے خدمت کرتے تھے اہلِ سخن اور ہنر کے اہلِ کمال سے ربط تھا موسیقی اور ہندی شاعری میں جو گیتوں سے عبارت ہے مشاق تھے مرتبۂ امارت اتنا بلند تھا کہ خود امرا ان کی صحبت میں تھے میرؔ اور سوداؔ کے شاگرد تھے موسیقی میں بہت سے راگ تصنیف کئے تھے فن تیراندازی میں بھی میر سوز کے شاگرد تھے۔ اور اس فن میں امتیاز حاصل کیا تھا تمیز شناسی۔ ادب شناسی اور مردم شناسی بھی میر موصوف کی صحبت میں حاصل کی تھی دیکھو ادب شناسی اور

ہی سنا کہ مرزا جانِ جاناں۔ سودا۔ میر۔ خواجہ میر درد۔ یہ چار شخص تھے جنہوں نے زبانِ اردو کو خراد پر اتارا ہے۔ آخر الذکر دونوں حضرات نے گوناگوں اسلوبوں سے ادبِ اردو کو ترقی بخشی۔ خود استادانہ کلام کہا۔ اپنے فیضِ اثر سے اُس کو مقبول بنایا شاگردوں کی تربیت کی۔ حضرت خواجہ میر درد کو دیکھو خود قادر الکلام استاد ہیں چھوٹے بھائی اثر ہیں۔ صاحبزادہ الم۔ قائم چاندپوری اور رمکاری داس عزیز زمرۂ تلامذہ میں ہیں۔ میر حسن نے حضرت ہی کی خدمت میں ذوقِ سخن کی پختگی حاصل کی۔ حضرت میرزا صاحب خود استادِ فن یقین و حزیں زمرۂ تلامذہ میں۔ ان حضرات کے علاوہ الہ آباد کے دائرے بھی اس وقت سے مرصد تھے۔ حضرت شاہ اجمل سجادہ نشین حضرت شاہ خوب اللہ اور ان کے برادر بزرگوار شاہ غلام قطب الدین مصیبت بھی شعرائے اردو میں شامل ہیں۔

ایک لطیف بحث میر تقی میر نے اپنے کلام کا انتخاب نکات الشعراء میں درج کیا ہے۔ میر صاحب کا کلام اُس پر اُن کا انتخاب سونے میں سہاگہ۔ مگر آفریں میر حسن کے انتخاب کو کہ میر کے کلام کا انتخاب خود میر سے بہتر کیا۔ مثلاً نمونہ ازخروارے اشعار ذیل میر حسن کے انتخاب میں ہیں میر صاحب کے انتخاب میں نہیں ہیں ؎

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات — کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا — جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک اٹھے — ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا — کیا جدائی کو منہ دکھاؤں گا

ان اشعار کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ ان اشعار کے ہم طرح اشعار میر کے تذکرہ میں نہیں ہیں اس لئے ممکن ہے کہ ترتیبِ تذکرہ کے بعد کہے ہوں اس لئے انتخاب میں نہ آئے ہوں۔ معرکہ یہ ہے کہ جن غزلوں کے اشعار منتخب کرکے خود میر صاحب نے لکھے ہیں اُنہی

سمہ کار دو ساں حقیقت داں ممنوع نمود در ذیلِ اشعارِ ہر یک نوشت" ایسے شعرا بھی ہیں جن کی اخلاقی حالت معلوم نہ ہوئی اُن کی نسبت کچھ نہیں لکھا مثلاً مصحفی۔ اُن کے کلام کی فصاحت اور بلاغت کی تعریف کی ہے مگر اخلاقی حالت چوں کہ معلوم نہ تھی اس لئے صرف اس قدر لکھا ہے "از تخلص معلوم می شود کہ مرد صالح ست"

مذکورۂ بالا اقتباس اہلِ انصاف کو اس امر کا معترف کرنے میں کامیاب ہوگا کہ شعرائے ماضی نکوہیدہ حال نہ تھے۔ بلکہ علم و اخلاق سے آراستہ انسان تھے۔ کیا اس سوال کا موقع ہے کہ آج کل کے مدعیانِ کمال کہاں تک علم و ادب کی خدمت کر رہے ہیں ؟

بزرگانِ دین کی توجہ ادبِ اُردو پر

عام خیال یہ ہے کہ بزرگانِ دین و عُلمانے اُردو ادب کی جانب توجہ نہیں فرمائی اس خیال کو واقعات سے مطابق کیجئے واقعہ یہ ہے کہ اُردو ادب نے شروع سے حضرات اولیائے کرام کی آغوشِ شفقت میں تربیت پائی ہے ریختہ کے اُستادِ اوّل (بقولِ میر حسن) ولی دکنی ہیں میر تقی میر اور حسن دونوں کی شہادت ہے کہ دلی میں آکر حضرت شاہ گلشن قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر رہے اور فیض حاصل کیا ریختہ میں فارسی کے مضامین رنگین استعمال کرنے کا مشورہ حضرت ہی نے دیا۔ میر حسن کی اصل عبارت "ولی ۔۔ از خاکِ گجرات در وقتِ عالمگیر بہ ہندوستان جنت نشان آمدہ در خدمت شاہ گلشن قدس اللہ سرہٗ استفادہ حاصل نمود از توجہ آں بزرگوار مقبولِ اعلیٰ و ادنیٰ گردید" اُردو شاعری کے تیسرے دَور کے ارکانِ چہارگانہ میں سے دو رکن وہ عالی مرتبہ بزرگ ہیں جن کی تعلیم سے ہزاروں انسان زندگی کے مقصد سے واقف اور ساحلِ مقصود کے حصول میں کامیاب ہوئے یعنی حضرت خواجہ میر دردؔ اور حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں قدس سرہما یہ حسنِ اتفاق ہے کہ یہ شوق حضرات نقشبندی سلسلے میں اس طرح اُردو ادب کا نقشِ اوّل و ثالث حضرات نقشبندیہ کی توجہ کا منت پذیر ہے آزاد آبِ حیات میں لکھتے ہیں " ایسے اُستادوں اور بزرگوں سے

ایک تیسری طرح ہے۔ بار افسوس ہزار افسوس انتخابِ میر سے

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس — آہ افسوس صد ہزار افسوس
یوں گنوایا ہے دل کوئی مجھ کو — گہے آتا ہے بار بار افسوس

انتخابِ میر حسن سے

رخصتِ سیرِ باغ نہیں۔ ہوئی — یوں ہی خالی رہی بہار افسوس

ایک چوتھی طرح۔ وفائے بلبل جائے بلبل۔ انتخابِ میر سے

گل کی جفا بھی دیکھی۔ دیکھی وفائے بلبل
یک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

انتخابِ میر حسن سے

کی سیرِ حدتِ اُلفت گلچیں نے گل چمن میں
توڑا تھا شاخِ گل کو نکلی صدائے بلبل

یہ شعر ایک دیوان پر بھاری ہے میر صاحب کا اس کو سمجھ کر یا سراپا حیرت ہوں۔ میر حسن کے اس حسنِ انتخاب سے یقین ہے کہ طبائع کو ان کے انتخاب کا مشتاق کر دیا ہوگا اس لئے دل چاہتا ہے کہ اور انتخاب بھی ناظرینِ مقدمہ کی ضیافتِ طبع کے لئے یہاں لکھ دوں۔

میر حسن نے اپنے تذکرہ میں زندہ و مُردہ دونوں کو عنایتِ شفقت کے ساتھ دُعائے خیر سے یاد کیا ہے اور دیباچہ میں غرضِ تالیفِ تذکرہ بھی یہی لکھی ہے کہ اس کو پڑھ کر شاید کوئی مجھ کو دعائے خیر سے یاد کرے۔ لہذا خاتمۂ مقدمہ پر دُعا کرتا ہوں ناظرین آمین کہیں۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَامْحُ سَیِّاٰتِہٖ

غزلوں سے بعض ایسے اشعار میر حسن نے انتخاب کر لیے ہیں جو میر کے انتخاب سے زیادہ ادق ہیں اور یہ ایک انسانی کمزوری کا پہلو ہے کہ بعض اوقات جو داد کے کمال پر وہ قلم پھیر دیتا ہے۔ تذکروں میں لکھا ہے کہ زلالی جو انصاری کی معرکۃ الآرا مثنوی محمود ایاز کا مسودہ دیکھا گیا تو اس میں بعض ایسے نادر اشعار زلالی نے کاٹ دیے تھے جو فارسی ادب کے لئے مایۂ ناز ہیں مثلاً۔ شب تاریک کی تشبیہ میں یہ بے نظیر شعر ہے ؎

ستارہ ای بود سے در مشامہ
چو چشم گرسنہ در تار رنگ شامہ

لیکن یہ اور اشعار اہل نظر احباب نے مثنوی مذکور میں بعد کو شامل کر دیئے ہیں
خلاصۂ کلام۔ نمونہ کلام مذکور ملاحظہ ہو۔ ایک غزل ہے جو مدار دیکھا گلزار دیکھا
اس غزل کے یہ اشعار میر نے انتخاب کئے ہیں ؎

آنکھوں میں جو مرا ہے اِدھر یار دیکھا — عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھا
ہوتا ہے چار چشم دل اس ظلم پیشہ سے — ہشیار زینہار خبردار دیکھنا

میر حسن اسی غزل کے یہ شعر انتخاب کرتے ہیں ؎

صیاد دل ہے داغ جدائی سے رشک باغ
تجھ کو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا

دوسری طرح۔ روتا رہیگا۔ سوتا رہیگا اس غزل کے یہ شعر انتخاب میر میں ہیں ؎

جو اس شور سے میر روتا رہیگا — تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہیگا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دو — ہمیں کچھ کہیگا تو ہوتا رہیگا

میر حسن کے انتخاب میں یہ شعر ہے ؎

بس اے رونے والا چلا یوں جہاں سے — سے اب ہر سال روتا رہیگا

قیامت کی عقوبت ساری ہجر یار میں گزری — وہاں تھا دیکھا جو کچھ سو سب ہم نے یہاں دیکھا

انشا

ہوئے ہیں خاک سر راہ اُس کے ہم اب — بڑا عجب ہی جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

افسوس

اُس کے اُٹھتے ہی جی یہ آں سی — دیکھئے آگے آگے کیا ہو گا

بیاں

اب ہجر میں کہا ہی کہ تھا وصل میں آرام — نالاں ہی بیاں میں نے تو دیکھا تجھے جب بھی
یوسف اب جو انو کہ موسم گل ہی — ہمیں کہی یاد وہ عہد نشاط آباد
جاتا ہی یار کچھ تو بیاں منہ سے یوں لے — ای بے نصیب مانع گفتار کوں ہی
ہوویگا دود حسرت دیدار میں خلل — شیریں گزر نہ کیجیو فرہاد کی طرف

رباعی

سو طرح سے یہ عشق لبھاتا ہی مجھے — ہر چیز میں آ جلوہ دکھاتا ہی مجھے
کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہی یارب — ہر چاہ میں یوسف نظر آتا ہی مجھے

رباعی

دنیا سی ساں چلا ہر روتے روتے — گزری شب سفر اپنی سوتے سوتے
ملتا ... ہیں جا آب تھا اور ہیں — روشن یہ ہوا انجم کے ہوتے ہوتے

نہال

دل چھین لیا مرا بنارس کے بتوں نے — اس وقت میں تو ارے مرے اللہ کہاں ہی

بسمل

اُن کی مسند کی کیا کریں تعریف — نقش ہیں ہوئے خاک پر تصویر

تاباں

عجب احوال ہی تاباں کا تیرے — کہ رو مارا تو دل اور کچھ نہ کہا

انتخاب اشعار

آبرو

دُور خاموش بیٹھا رہتا ہوں
اس طرح حالِ دل کا کہتا ہوں

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
خاک اگر ہو گیا بگولا ہے

شوق سے حسن گھر میں ہو تو جلوہ گر
آئینے ہو جائیں دیواروں میں دل

اثر

بس رنج اب خیالِ مے و جام ہو گیا
ساقی بس ایک نگاہ مرا کام ہو گیا

دردِ دل چھوڑ جائیے سو کہاں
لیے باہر تو یاں گر رہی ہیں

کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے
اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں

اثر ایسے کیا کدھر جائیے
مگر آپ ہی سے گزر جائیے

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر
مجھکو میری وفا ہی راس نہیں

یوں خدا کی خدائی برحق ہے
پر اثر کی نہیں تو آس نہیں

عاشقی اور عشق کی باتیں
سب جہاں سے اثر کے ساتھ گئیں

اسد

جوں توں اسد کو لائے تھے اُس کی گلی سے ہم
خانہ خراب راہ میں پر پھر مچل گیا

آزاد

پوچھتے کیا ہو کہ بیداد کروں یا نہ کروں
یہ تو فرماؤ کہ فریاد کروں یا نہ کروں

وعدۂ وصل تو کرتے ہو مگر سچ کہیو
دل کو اس وعدے میں شاد کروں یا نہ کروں

عاصی

مثالِ آئینہ ہم نے سبھی نقش جہاں دیکھا
جہاں دیکھا ہر صورت تجھی قالب میں جاں دیکھا

قطعہ

تم جو کہتے ہو کہ دو حسرت کو | آہ وہ فریادیاں کیا نہ کرے
آپ کا اس میں کیا بگڑتا ہے | دردِ دل کی کوئی دوا نہ کرے

مؤلف تذکرہ میر حسن متخلص بہ حسن

عشق کیا اک آگ سینے میں مرے بھڑکا گیا | راکھ ہو میں رہ گیا کیا خاک اب سلگائیگا
ہو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد مت | لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا
قیامت مختصر تب اُس کا ترحم اور تظلم تھا | کبھی تھیں گالیاں منہ پر کبھی لب پر تبسم تھا
ایسی ہی آہ باتیں اُس بے وفا نے چھیڑیں | ڈرتے ہی روتے جس میں روزِ وصال گزرا
اُس موج کے جانے سے عجب حال ہے میرا | جانے کوئی کھولے ہوئے پھرتا ہے کچھ ایسا
چھوڑ دے کوئی کسی کے لئے کس طرح سے کچھ | ہم نے مدت سے تری کون مکاں چھوڑ دیا
کرتے تو مجھکو قتل کیا ہو برا اے حسن | کیا کیا نہ اپنے جی سے نہیں سائیگا
جز اتنک بلبل اب نہیں گل شاخسار پر | کیا اوس پڑ گئی ہے چمن میں بہار پر
اب جو چھوٹے بھی ہم قفس سے تو کیا | ہو چکی واں بہار ہی آخر
مردم چشم سے پلکوں کی جدا کیسی | ایک جا ان کو لطف نہ کیا پڑے ہیں
ہر ارمان کچھ ایسی نہیں حسرت ہوئی | تا سحر تلملی نہ جو ہم پر بسر ہوئی
شب فراق میں درد کی مر گئے آخر | یہ رات ایسی تھی ایسی ہی سحر ہوئی
جان و دل ہاں آہ اس یار سے بیر کے | اُٹھ گیا کون پاس سے میرے
جب قفس میں تھی ہوئی یاد چمن ہم کو حسن | اب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آتی ہے
کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے | دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے
کبھی کی ہیں یہ باتیں کس سے نہیں گزرتی | اک جان ہو حسن سے نہیں گزرتی
کچھ ہو نہ ہو ٹلے ہو تیرا خیال ہر دم | اس بن نہیں گزرتی اس بن نہیں گزرتی

سید محمد تقی (عرف میر گھاسی)

تو ہو اور باغ ہو اور زمزمہ کر بلبل — مری فریاد سے جیتا ہوں تو مر بلبل

جرأت

آنے کی خبر ہی اُس کے لیکن — آتا نہیں اعتبار دل کو
آپ کا حال کے سب مجھ پہ کرم کرتے ہیں — ہے عبث ہجر ہی میں منتظرِ وصال رقیب
بات میں کس کی سنوں آہ کہ اے مرغ چمن — شور میں اپنے ہی نالوں کے سدا رہتا ہوں
اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں — تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں
کچھ تو نکلے آرزو دشنام دے تلوار کھینچ — چشمِ حسرت سے کہاں تک دمبدم دیکھا کریں
چین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا — دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا

حاتم

حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہے — کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا

حزیں

ویراں ہوا ہے باغ خزاں سے یہاں تلک — چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

حسن

تھی نہیں سیر کوئی دن اُسی میخانے کی — اب خبر ہے نہ صراحی کی نہ پیمانے کی
تیغ ابرو نے تو مارا ہی تھا جو زلف ہو — غیر زنجیر خبر کون لے دیوانے کی
اے حسن آپ کو سمجھیگا تو کیا بس چپ رہ — سرِ حق ہے یہ نہیں بات ترے پائے کی

حیراں

دل ستم زدہ کا آج پوچھتے ہو حال — غم فراق سے کب کا ہوا ہست نصیب

حسرت

کہو وہ اپنے منہ سے قتل حسرت کو کیا میں نے — جو مرنے کی عالم میں خبر یوں ہو تو بہتر ہے

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس دل گھبرا گیا

تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا
پر وہ کیا کچھ تھا کہ دل کو بھا گیا

کسی سے کیا بیاں کیجے اس اپنے حال ابتر کا
دل اُس کے ہاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا

درد دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو
ورنہ کچھ طاعت کی خاطر کم نہ تھے کرّوبیاں

ہم کس ہوس کی تجھ سے فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک دم میں یہ کثرت نمائیاں
گر آئینہ کے سامنے ہم ایک ہو کریں

میرے سوا نہیں کوئی دونوں جہاں میں
موجود ہم جو ہیں بھی تو اپنے گماں میں

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

اپنے   دل سے جو کچھ چاہو سو پیدا کرو
پر نہ آجائے کبھی جی میں کہ آزاد کرو

اس ہستی خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

رہتا ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

نہ وہ نالوں کی شورش ہے نہ وہ آہوں کی ہے دھولی
ہوا کیا درد کو یا رب گلی کیوں آج ہے سولی

کر پیار ہی وہ کرتا تھا صرف سجا لیکن
میں نے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

رباعی

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم
تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم
جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی
ساتھ اپنے دوچار ہو گئے ہم

رباعی

اے درد یہ درد جی سے کھونا معلوم
جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
گلزار جہاں ہزار پھولے لیکن
میرے جی کا شگفتہ ہونا معلوم

رہی جس میں حسرت سدا میسی کا ۔۔۔ بس لے زندگی ایسی ہستی سے گزرے

رباعی

دنیا داری میں اور نہ دین داری میں ۔۔۔ چاہت میں کسی کی ہیں نہ سرداری میں
حیرت کدۂ دہر میں تصویر کی طرح ۔۔۔ سویا کرتے ہیں ہم بیداری میں
پہنچے نہ حسن منزل مقصود کو ہم اور ۔۔۔ آخر ہوئے سب زیست کے ایام سفر میں

کرم اللہ خاں درد

اگر وحدت کسی صورت سے میرا رام ہو جائے ۔۔۔ تو توڑوں اس عقیدت سے کہ کفر اسلام ہو جائے
تری ترچھی نگاہوں نے رکھا ہے نیم بسمل کر ۔۔۔ اگر پھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہو جائے
تحمل آتش غم میں دل بیتاب کیا جانے ۔۔۔ ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے
کنارے سے کنارہ کب ملا ہے بحر کا یارو ۔۔۔ پلک لگنے کی لذت دیدۂ پر آب کیا جانے

حضرت خواجہ میر درد

خواب عدم سے چونکے تھے ہم تیری واسطے ۔۔۔ آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
یاری مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا ۔۔۔ پھر مجھ پہ مہرباں ہوا تو غضب ہوا
کی تو بھی تا بہ آہ آتش نے اُس کو بھی ۔۔۔ جب تلک پہنچے ہی پہنچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا
مدرسہ یا دیر یا کعبہ تھا یا بتخانہ تھا ۔۔۔ ہم سب ہی مہماں تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا
وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا ۔۔۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
ہو گیا مہماں سرائے کثرت موہوم آہ ۔۔۔ وہ دل خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا
جاں سے ہو گئے بدن خالی ۔۔۔ جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری ۔۔۔ آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی ۔۔۔ ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا ۔۔۔ برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

زار

چھوٹ جاویں غم سے ہر دم کے جو نکلے دم کہیں — خاک ہے یہ زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں
ایک دن آگے ہی دنیا سے اٹھانا ہم کو — شب فرقت تو الٰہی نہ دکھانا ہم کو
ہمیں تو عرش سے اور تکیۂ مخمل سے بہتر ہے — گلی میں اُس کی پڑے رہنا سرہانے ہاتھ کو دھر کے

سراج

نہیں ہے تاب مجھے تیرے سامنے جانا — کہاں سراج کہاں آفتاب عالم تاب
دن بس مجھ آنسوؤں کے تاروں کی کیا کمی — جس رات چاند نہیں ہے ستاروں کی کیا کمی
شعلہ جو جب سے نظر آتا نہیں — لوٹتا ہے تب سے انگاروں پہ دل
وہ ظالم مجھ کو جلتا دیکھ کر ایسا نہیں کہتا — کہ کیا تاب عدم ہے کیوں ہوا آخر سراج ایسا

سعادت

زاہد جو سر لوح ترا نام نہ ہوتا — ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا

سجاد

عاشق دل سب قبول ہے جانا — ہر گلی میں تری مجھے آنا
اس فصل گل میں جوش جنوں کا ہوا ہے زور — جنگل میں آ بسے ہیں نکل کر تمام شہر
اس زمانے میں دوستی کا رنگ — آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

سودا

سودا کا بولے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا — آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز
غیر کے پاس نہ ایسا ہی گماں ہے کہ نہیں — جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں
فکر معاش ذکر بتاں یاد رفتگاں — اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
گر ہو شراب و خلوت و معشوق خوب رو — زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے
عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے — تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

رباعی

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی
اے درد کہاں ہے زندگانی اپنی
کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو
کہتے ہیں ہم آپ اب کہانی اپنی

درخشاں

تھی درائے ناقۂ لیلیٰ کی ہر دم یہ صدا
آہ مجنوں پاشکستہ رہ گیا محمل سے دور

رُسوا

رُسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے
ایسی نگاہِ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے
وصل میں بے چین رہے اور ہجر میں بیتاب ہو
اس دیوانے دل کو رُسوا کس طرح سمجھائیے
وہ کون سی زمیں جو اشکوں سے نم نہیں
رُسوا بھی اس زمانہ میں مجنوں سے کم نہیں
دیگرے را در گرفتاری شریکِ ما مکن
مدعا گر شہرتِ رسوائی است یک رُسوا بس است

رند

سینے سے داغِ عشق مٹایا نہ جائیگا
ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

راقم

پہنچا نہ آہ درد کو میری کوئی طبیب
یارب کسی طرح کا کچھ آزار ہو مجھے
سنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہے جگ میں دوامِ صبح
ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

قطعہ

اے باغباں نہیں تری گلشن سے کچھ غرض
ہم کو قسم جو توڑیں ترے برگ و بر کہیں
اتنا ہی چاہتے ہیں کہ ہم اور عندلیب
آپس میں دردِ دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں
کہے کیا درد دل بلبل گلوں سے
اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر

رضا

دنیا میں کوئی تجھ سا ستمگار نہیں ہے
بے رحم جفا پیشہ و خونخوار نہیں ہے

ہم نہ سمجھے ہم نہاں ہوئے — اُگتے ہی ہم تو پائمال ہوئے

دل کے جلے پر نہ کی رقت کسی نے رحم کی — جو دسجو دھل مل یہ انگارا دہک کر رہ گیا

کعبہ میں چھپ رہا ہے یا دیر میں نہاں ہے — جانا حرات جلدی تو بول اٹھا نہاں ہے

کیا کہا قاصد صبا سنتے ہی جس کے مر گیا — بات تھی کچھ یاس کی یا ہجر کا پیغام تھا

طہور

چشم گریاں جس سے معمور ہے — چاندنی برسات کی مشہور ہے

مرزا عسکری

بات اب امتحان پر آئی — قصہ کوتاہ جان پر آئی

عشق

کعبے کو ادھر اُدھر گئے ہم — تجھ تیری طرف جدھر گئے ہم

تھا کعبہ و دیر سے کسے کام — مقصود تھا وہ جدھر گئے ہم

فراق

اُڑیں کی نسیم سحر کو صبا سچ کہہ کہ گلشن میں — کوئی اُن ہمنواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہے

فقیر

رہ گئی موج آب ہی گویا — دم کا آنا حباب ہی گویا

فغاں

دل لگی جس سے یہاں تک ہوئی مجھے — گویا کبھی چمن میں مرا آشیاں نہ تھا

یہ امتحاں نہ کرے میرے مہرباں عزیز — جہاں میں کوئی تجھ سے رکھیگا جان عزیز

فغاں کو وصل میں آرام کیا ہو — جدائی کا تصور بندھ رہا ہے

[illegible]

[illegible] اس طرح — رکھتا ہوا تھام تھام دل بے قرار کو

ناوک سے ترے صید نہ چھوٹا زمانے میں — تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

منظور گر حاتم اپنی حق میں کیوں گل بوٹوں کو بوتے ہو — یہ عارض گل ہو دیں عکس سرو بھی کھوتے ہو

صورت میں تو کہتا نہیں ایسا کوئی کب ہے — اک وضع ہے کہ وہ قہر ہے آفت ہے غضب ہے

پوچھے ہے پھول پھل کی خبر اب تو عندلیب — لوٹے جھڑے خزاں ہوئی پھولے پھلے گئے

گل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی — اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

نہ تلطف نہ مروت نہ محبت نہ وفا — سادگی دیکھ کے اس پر بھی لگا جاتا ہوں

* محمد امیر شورؔ

یاریوں دور جا ہے اللہ — کیا زمانے کا انقلاب ہوا

شورؔ کچھ منہ سے آتا ہے — آج مجرے کا پھر جواب ہوا

اہل ایماں شورؔ کو کہتے ہیں کافر ہو گیا — آہ یا رب راز دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا

بغیر از عاشقی کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا — تڑپنے کے سوا کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا

دل سے ہر استخواں میں درد کی آواز ہے — کچھ نہیں معلوم یا رب شور ہے یا ساز ہے

ساغرؔ

اپنی مطلب کی کہہ جائیں گے ہم — گرچہ سو بار نہیں کیجئے گا

صباؔ

گل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے سنگ خلق — اس کے کوچہ میں صباؔ تو آج پھر جانے لگا

مجھ سا سادہ نہیں جدائی میں — ہاتھ سے اپنے صنم نہ کھو مجھ کو

آہستہ پاؤں رکھیو لے تو اے گل چیں یہ — سوتے ہیں اس زمیں میں نازک دماغ کتنے

اک تبسم میں کیا خلق کو ساری تسخیر — مسکرانا ہے ترا یا کہ کوئی افسوں ہے

کون سے رحم کا کھلا ٹانکا — آج پھر دل میں درد ہوتا ہے

کبھی جا گل کو دیکھی ہیں کبھی دیکھے ہیں نرگس کو — جدا ہو کے یہ چشم اپنی پھرے ہے ڈھونڈتی کس کو

ناز و ادا کہیں کہیں عجز و نیاز ہے
کس کس طرح سے یار مرا جلوہ ساز ہے

حسرتِ دل کو مری سمجھے وہی خستہ جسے
پیارے نے آ کے دمِ بازپسیں دیکھا ہے

گو کہیں یار نے کہلا بھیجا ہے وہ اب آتا ہے
پر اُسے میں تو سمجھتا ہوں وہ کب آتا ہے

شام ہوتی نہیں اک دل پہ بلا ہوتی ہے
صبح ہوتی نہیں اک جی پہ غضب آتا ہے

مر جائیے کسی سے پر الفت نہ کیجیے
جی دیجیے تو دیجیے پر دل نہ دیجیے

شب گریہ سے وابستہ مری دل شکنی تھی
جو بوند تھی آنسو کی سو ہیرے کی کنی تھی

مردِ رہِ دشوار نہیں یہ جانِ بے تقصیر ہے
حسرتِ دل سو طرف سے اس کی دامنگیر ہے

فلک رلائے تو ہی ہم کو لیک یہ ڈر ہے
کہ تلملا کے کہیں آپ ہی بہانہ بھرے

مجھ سا کوئی جہان میں آشفتہ سر نہیں
ہے یوں تو زلفِ یار بھی پر اس قدر نہیں

قائم میں عندلیبِ خوش آہنگ تھا ولے
زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہم قفس مجھے

آج اے گریہ حسرت مرے دیوانے کی
کچھ رکا جاتا ہے دل گرد سے ویرانے کی

آج کی رات جو اس گل کا میسر ہو وصال
شمع روشن کروں میں خاک پہ پروانے کی

قدرت

اہلِ عدم کو رمزِ فنا کا تھا کب شعور
سرِ مشق رفتگاں مرا لوحِ مزار تھا

مٹیوں ہوں خاک جوں میں پڑا جس کی راہ سے
قدرت میں کیا کہوں یہ وہی شہسوار تھا

دل کی بیرنگی یہ شمعِ پردۂ فانوس ہے
جو شرر دل سے اٹھا سو جلوۂ طاؤس ہے

جوں نقشِ قدم ہیں ترے وہ خاک نشیں ہم
تا مٹ نہ سکیں آپ سے چھوڑیں نہ زمیں ہم

سینہ اُس کا ہے دل اُس کا ہے جگر اُس کا ہے
تیر سیدھا جدھر رُو کرے گھر اُس کا ہے

قربان

یوں بندِ قبا کھل گئے جو آن میں گل کے
کیا پھونک دیا تو نے صبا کان میں گل کے

کیا کچھ دلِ بلبل پہ کرے دیکھیے یہ عشق
سو چاک دیئے جس نے گریبان میں گل کے

فارغ

اشک آنکھوں سے جو نکلا سو وہ گوہر نکلا — بعد مدت کے مری چشم کا جوہر نکلا

افصح

کر یاد تجھے جدھر گئے ہم — ہم تو نہ رہے کدھر گئے ہم

سرمۂ چشم جہاں میں ہونا — خاکساری کی کرامت دیکھی

قایم

اِن دنوں گرچہ پر ہیں یہ بہر — گود میں کا ٹکڑی لئے ہے سپہر

دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات — کالے کمّل میں رات کاٹے رات

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا — آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

ہر دم آنے سے ہیں بھی تا دم لب — کیا کہوں پر رہا نہیں جاتا

یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا — پر دیکھیو لینا نہ کہیں نام کسی کا

ہم نے ہر طرح شب ہجر میں دل شاد کیا — ہچکی آئی تو یہ سمجھے کہ ہمیں یاد کیا

کوہ اور دشت میں بھی ہم نہ رہے آسودہ — ماتم قیس کیا یا غم فرہاد کیا

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر — روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

خوب نکلے ہم اُس کے کوچہ سے — ورنہ آئے تھے اک عذاب میں رات

آہ اے مرے مسیح قایم نام — ہاں جو رہتا تھا اک جواں ہے یاد

بے شغل زندگی بسر کر — گر اشک نہیں تو آہ سر کر

کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی — اس سے جو کوئی جیا تو مر کر

وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ — جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

ہوش رہ لے دل اگر تو شاد نہیں — یاں کی شادی پہ اعتماد نہیں

میں کہا عہد کیا کیا تھا رات — ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا — بے چارہ گریہ ناک و گریباں دریدہ تھا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم — عمر گذری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن — نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانہ ہی گیا

کہاں آتے میسر تجھ کو مجھ سے جو دماغ تے — یہ حسن اتفاق آئینہ میری رو برو ٹوٹا

کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات — کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

صیاد دل ہے داغ جدائی سے رشک باغ — تجھ کو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا

میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے — جسے ابر ہر سال روتا رہیگا

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا — جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

لیتے ہی نام اس کا سوتے سے چونک اٹھے — ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

گزرا بنائے چرخ سے نالہ پگاہ کا — خانہ خراب ہو جیو اس دل کی چاہ کا

وصل میں رنگ اڑ گیا میرا — کیا جدائی کو منہ دکھاؤں گا

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کے میر — سمند ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

مانند شمع آتش غم سے پگھل گیا — بزم جہاں میں روتے ہی روتے میں گل گیا

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر — تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا

یہ چھیڑ دیکھ ہنس کے رخ زرد پر مرے — کہتا ہے میر رنگ تو کچھ اب نکھر چلا

رخصت سیر باغ ہمیں نہ ہوئی — یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس

گل کی جفا بھی دیکھی دیکھی وفائے بلبل — اک مشت پر پڑے تھے گلشن میں جائے بلبل

اے میر جذب الفت گلچیں نے کل چمن میں — توڑا تھا شاخ گل کو نکلی صدائے بلبل

رباعی

کاوؔ

کیا پھرتی ہے میکدے میں مٹکی مٹکی راہد عابد سے دور بھٹکی بھٹکی
واصی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کاوؔ یہ دختر رز رہی جس سے اٹکی اٹکی

کلیمؔ

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست شے دل گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

گماںؔ

مدت سے ہو رہا تھا مرا باغ داغ دل اس گل کے دیکھتے ہی ہوا باغ باغ دل
پس گل سے بھی ہوا اب گرم بازار چمن تب پڑے گرمی کی بلبل خریدار چمن
مجھے تو زیست بھی دشوار ہو گئی ہے اب جدا کرے کہ گماں دل مرا سنبھل جائے
قتل کر مجھکو مری نعش پہ بولا قاتل ہائے یارو یہ گماں تھا نہ مجھے معلوم نہ تھا

گریاںؔ

دیکھے تو جسے نگاہ بھر کر مرجاوے وہیں وہ آہ بھر کر
شک سے جی یہ پروانے کی جی کو داغ کرتی ہے کہ دوستی شمع پہ رکھتا ہے یار کس ایسا

مضموںؔ

ہم نے کیا کیا نہ نری سحر میں محسوب کیا صبر ایوب کیا گریہ یعقوب کیا

میر مدد اللہ رندؔ

اشک آنکھ سے دل ہاتھ سے جی تن سے چلا جائے اے وائے مصیبت کو ... کہاں

معصمؔ

بھولی نہیں ہے مجھکو سجوں کی ادا ہنوز دل کے نگیں پہ نقش ہے ناز ... ہنوز
تصویر اس کی کھینچ کے ناز و ادا کے ساتھ ماراں ہیں ایسے آپ یہ دست قضا ہنوز

محمد تقی میرؔ

کیا دن تھے وہ کہ یاں بھی دل آرمیدہ تھا رو آشیاں طائر رنگ پریدہ تھا

بےبسی سے تو تری بزم میں ہم بہرے ہیں
بیک ہر کوئی کہے بیٹھے سنا کرتے ہیں

اس کے کوچے میں نہ کر شورِ قیامت کا ذکر
ایسے ہنگامے تو یاں روز ہوا کرتے ہیں

اس جہاں آفتاب میں ہم ہیں
یاں کبھی سرو و گل کے ما ؤتھے

ڈھلے ڈھلے ہیں آفتاب ہور
کبھی دیکھا تھا تجھکو دریا پر

اِن دنوں یاروں کی نظروں سے نہاں رہتے ہو
خوش رہو میر مری جاں جہاں رہتے ہو

رباعی

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے
خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے

یہ مہلتِ کم جس کو کہتے ہیں عمر
مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

مِنت

مِنّت ایسے کو دل دیا تو نے
اے مری جاں کیا کیا تو نے

محبت

عارض اُس کے تھے عرق سے یوں سحر بھیگے ہوئے
جس طرح شبنم سے دو گلبرگ تر بھیگے ہوئے

اشک سے مژگاں ہیں ہم تجھ تک پہنچی نہیں نگاہ
مانع پرواز ہیں طائر کے پر بھیگے ہوئے

تمنا

ذروں میں کس لئے رحمت سے پیار میں کیا تھا
میں اس جہاں کو ہو روؤں بہار میں کیا تھا

جفائے یار نے کس طرح کر دیا مایوس
اور ابھی خاطر امیدوار میں کیا تھا

تیرے ہی واسطے آئے عدم سے ہم یاں تک
وگرنہ ہستی ناپائدار میں کیا تھا

عشق میں عرض تمنا مانع دیدار ہے
میرا ہی دستِ تمنا سہ پر مری دیوار ہے

ہم ہوا اسیر کنج قفس ہو کے مر چلے ۔ اے اشتیاق سیر چمن تیری کیا خبر

مطرب نے پڑھی تھی غزل اک میر کی شب کو ۔ مجلس میں بہت وجد کی حالت رہی سب کو

ہو گا کسی دیوار کے سایہ میں پڑا میر ۔ کیا ربط محبت سے اُس آرام طلب کو

مرتے ہیں تیری نرگس بیمار دیکھ کر ۔ جاتے ہیں جی سے کس قدر آزار دیکھ کر

جاتا ہے آسماں لئے کوچہ سے یار کے ۔ آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

رہی نہ گفتہ مرے دل میں داستاں میری ۔ نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

آتا ہے جی میں حال بد اپنا بھلا کہوں ۔ پھر آپ ہی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں

بار چمن وہی ہے کہ بلبل سے گو گراں ہے ۔ ٹہنی جو زرد بھی ہے سو شاخ زعفراں ہے

از خویش رفتہ اکثر رہتا ہے میر اُس میں ۔ کہتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے ۔ اِس طرح کے رونے کو کہاں سے جگر آوے

کوئی کشتہ سر رہ کا ہماری خاک پرس ہے ۔ گُل و گلزار کیا درکار ہے گور غریباں کو

کام تھے عشق میں بہت پر میر ۔ ہم ہیں فارغ ہوئے شتابی سے

دم نزع دشوار دی جاں اُس نے ۔ مگر میر کو آرزو تھی کسی کی

مرگیا کوہکن اِسی غم سے ۔ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

کتنا خلاف وعدہ ہوا ہوگا وہ کہ یاں ۔ نومیدی اور اُمید مساوات ہو گئی

وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے ۔ ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے

دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا ۔ ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

کوئی نا اُمیدانہ کرتے نگاہ ۔ سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے

ولی

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا
شاید کہ اُسے حال مرا یاد نہ آیا

صنم کے لعل پر وقت تکلّم
رگِ یاقوت ہی موجِ تبسّم

زندگی جامِ عیش ہی لیکن
فائدہ کیا اگر مدام نہیں

عجب کچھ لطف رکھتا ہی شبِ خلوت میں گلرو سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

اے جانِ ولی وعدۂ دیدار کو اپنے
ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

ہے حسن ترا ہمیشہ یکساں
جنّت سے بہار کیوں کہ جاوے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہی اُس کو
کرتی ہی نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی

وحشت

لگتا ہی مجھکو آج یہ سارا جہاں خراب
شاید کہ مر گیا ہی کوئی خانماں خراب

وفا

حُسنِ عمل پہ اپنے نہ پھول اس قدر کہ شیخ
واں کے معاملے کی کسی کو خبر نہیں

دکھ نہ دے اس قدر وفا کے تئیں
آخرش وہ بھی جان رکھتا ہی

بس کہ اپنے انقلابِ بخت سے ڈرتے ہیں ہم
بسترِ گل پر بھی لرزاں ہی قدم دھرتے ہیں ہم

کل کا وعدہ کر لیا ہی اُس نے اے محرم تو کیا
یاں تو بیتابی سے دل کی آج ہی مرتے ہیں ہم

نہ کشتی پار ہی نہ کر گئی اپنی نہ وار آئی
ہوئی ہیں غرقِ دریا اُس گھڑی جب عین دھار آئی

شب و روزِ وصل کو روئیے کہ عجب دلیل بہار تھا
کبھی ہم سے یار کو لطف تھا کبھی یار تھا کسی یار کا

یک رنگ

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہی
صبر اور قرار جاتا ہی

یاد اُس شوخ کی اس دل میں بھری رہتی ہے　　　لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں پری رہتی ہے

محترم

محترم کیا بیاں کروں تجھ سے　　　اس دل داغدار کی صورت

مستمند

مرے تک وصل کی ہی یار اُمید　　　ہے مثل ایک دم ہزار اُمید

مائل

کہتا یہ تھا کہ مار آہ ہر دم کی اس ہنسی سے　　　آخر گیا یہ ظالم اک بے گناہی سے

مصحفی

جہاں کا گل ہے وہ شوخ یار　　　مجھے تو اُس چمن کا خار جس کر

وقفہ

اے بیک نگہ۔ دیدۂ تر ہے در پیش　　　دل ہیں برسات کے اور رد میں خطر ہی در پیش
دل حیراں کی مری دیکھئے صورت کیا ہو　　　اب تو واں آئینہ ہی آٹھ پہر ہے در پیش
وہاں داغ جگر رحم نمایاں کے تلے　　　جس طرح لالہ کہیں ہو گل خنداں کے تلے
شیاں بندی کی تکلیف نہ کر ہم کو ہیں　　　گر رہیں گے کسی دیوار گلستاں کے تلے

مجذوب

چھوٹے اگر قفس سے تو خاموش ہے صفیر　　　صیاد نے سنا یہ ترانہ تو ہم رہی
قسمت ہی لیے دل کی ماہ رخ محبت میں　　　جو کوئی صبح اُس کو لے گیا تو شام لے آیا

تمی

اُس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں　　　عارضی میری زندگانی ہے

بسم الله الرحمن الرحیم

سخن سنجانِ مضمون پرور را حمدِ قادرے که زبانِ لالِ قلم را از سرمهٔ دودهٔ هیچم مقدار
ملالان بوده محال، و نکته پیشه‌ورانِ معنی گستر را تماشائے صانعے که حسنِ شاهدِ مضمون را در آئینهٔ
الفاظ جلوهٔ عروسی داده به نظرِ صاحب نظران در آورده اند وهم ست و خیال، سبحان الله شسته
راهوس هرزه در سر آید لا حول و لا قوة الا بالله، چه حمدے که سزاوار محمدت او ست زبانِ
محجوب خود فرموده، الحمد لله رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین، و غریقِ بحرِ معصیت از
زبانِ زیان‌کار نعتِ معجز بیانی که ستاد والی کلامش سبعهٔ معلقه را از عرقِ خجالت فصحائے
بطحا را شسته بحیرو گویا به محض جرأت ست و محال، چه نعتے که در خورِ لیاقت و ست محبّت او
فرموده و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین، و ایاک نعبد و ایاک نستعین، اوصیائے او که بتریک
صراط المستقیم اندر رهروندگانِ طریقِ هدایت را او حصر راهبند گمگشتگانِ بادیهٔ ضلالت را از متابعت
ایشان از خود چه است کسے غیر از یں مناجات که اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم
غیر المغضوب علیهم و لا الضالین، آمین - اما بعد این پژمردهٔ آغوشِ رنج و محن اسیرِ دار الحزن میر
غلام حسن ابن میر غلام حسین ابن میر عزیز الله رانمائے آن سند که تذکرهٔ سخن آفرینانِ هندی
زبان را که چمن چمن گلهائے رنگین معانی و گلشن گلشن بهارِ کج خیالی در گریبان دیوانها ریخته اند
دسته بسته صفحهٔ اوراق نماید تا هر صاحب نظرے از تماشائے آن محمدِ صانعِ حقیقی ذاکر شود

حال چشم وا رو کرے تیرا — کوئی مسجد گیا کوئی خرابات

زخمی برنگِ گل ہیں شہیدانِ کربلا — گلزار کی نمط ہے بیابانِ کربلا

اندھیر ہے جہاں میں کہ اشقیوں کے ہاتھ — ہے سر بریدہ شمعِ شبستانِ کربلا

یار

جائے سنگِ لوحِ تربت نصب کیجو آئینہ — تا کوئی جانے کہ یہ حسرت کشِ دیدار تھا

آفریں اے دستِ گستاخِ محبت آفریں — یہ گریباں ایک مدت سے گلے کا ہار تھا

١٦/١٠/١٩٢١ء
حیدرآباد (دکن)

محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی

کوئی کسی ہی فن میں مجھ ساتھ نہ آیا[1] — پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

احمد گجراتی از قدیم ست دیگر احوالش معلوم نیست ؎

ہوئے دیدار کے طالب جو کئی سو جو دگر نکلے — نہ پائی راہ دانش میں جو دستاں لے جو نکلے

محمد افضل "افضل" تخلص از قدیم ست از کدام ہندو بچہ گوپال نام بود کہ برو عاشق شدہ حسب حال خود بارہ ماسہ عرف بکٹ کہانی گفتہ کہ اکثر کھتریان و گائیان مشتاق آن می باشند بعضے فارسی و بعضے ہندی دارد لیکن قبولیت خداداد الٰہی ست، بر دلہا اثر می کند، از وست

پڑی ہے گل میں میرے پیم پھانسی — مرن اپنا ہے اور لوگوں کو ہانسی

تمہارے حسن لے دل لگایا — انھوں لے سب جسم رشتے گنوایا

اوحی تخلص از سیر زادہائے حیدرآباد بود اوّل در شعر و شاعری و آخر بعبادت گذرانید عفا اللہ

درین سیتی نگاہ کو مائل نکو کرو — یہ دکھ ایس کے واسطے حاصل نکو کرو

احمد گجراتی دیگر در زبان سنسکرت و بھاکھا می گویند کہ تصانیف بسیار دارد، چون معاصر شاہ ولی اللہ ولی بود و سہ ریختہ نیز گفتہ، چنانچہ این یادگار ازو ؎

تب چھوٹے دو عددوں پر جو ترے ہم بہک گئے — کوئی لاکھ بار گھر سے اٹھے در تلک گئے

دیکھی تھی کل تماں سے کہیں دل کی میں خبر — سو آج لا کے سر سے وہ میرے پٹک گئے

احمد بتا میں کیا کروں اب راہِ عشق میں — سر پر تو سانجھ پڑ گئی اور پا تو تھک گئے

امجد تخلص نیز شخصے از قدیم ست، اکثر قوالان این غزل او را می خوانند ؎

سنتا تھا جسے کعبہ و بت خانہ میں آخر — امجد میں اسے حضرتِ انسان میں دیکھا

ازحروف الف ذکر احوال متوسطین

اواخر عہد سیر و ابتدائے سلطنت محمد شاہ بادشاہ خان معرفت نشان سرگروہِ سخن سنجان استاد استادان ہندوستان حقیقت نشان چراغ دودمانِ گفتگو سراج الدین علی

---

[1] تذکرہ شعرائے ہند مؤلفہ ڈاکٹر فیلن و مولوی کریم الدین میں پہلا مصرعہ اس طرح لکھا ہے ؎
سب صنعتیں جہاں کی آرا دیکھو آئیں

که مصرع او یک عروس را به هزاران هزار لوشے معانی پیچیده، اگر عاشقانه است بیابان بیابان وحشت در دوست، و گر محبوبانه است جفا جفا غمزه با وست، اگر بزمیه است محفل محفل طیاری ست و گر رزمیه است میدان میدان جانبازی ست، اگر تعریف خوش خرام ست قمری سرو قالی شان خنده کبک بر کوهسار دارد، و گر تعریف تیغ خون آشام ست دم او چشمک بر برق خاطف می زند، غرض ازین جا ثابت می شود معنی الحمد که جمیع محمدت محمود حقیقی ست، و ما توفیقی الا بالله علیه توکلت و الیه انیب، پس از دریافت حال خیر مآل هر صاحب سخن تتمه که از دوستان حقیقت دان مسموع بوده در ذیل اشعار هر یک نوشت و مطابق حروف تہجی نام هر یک را ضبط نمود تا جویائے را تردد نه افتد، و دعائے خیر خلف و سلف باید، مدعائے فقیر از ذکر جمع کثیر همین ست و بس، شاید بطفیل این بزرگان کسے را توفیق در حق این جامع آید، بالله التوفیق و الیه التکلان۔

ذکر اول، بادشاه جمجاه سکندر سپاه ظل الله شاه عالم بادشاه، باوجود شغل جهانبانی و فرمان روائی گاه گاه بحسب اتفاق زبان الهام بیان را بگفتن رباعی و بیتے که عبارت از فارسی و ریختہ نیز باشد گلفشان می نماید و آفتاب تخلص او درین زمان اظهر من الشمس ست خلد الله ملکه و افاض الله بره و احسانه، من غزل

صبح تو جام سے گزرتی ہے — شب دلارام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے — اب تو آرام سے گزرتی ہے

بعضے از احوال متقدمین
حروف الف سلک متقدمین

باید دانست که ریختہ اول از زبان دکھن رواج یافته

فقیر الله "آزاد" تخلص از حیدرآباد، بود در صغر سن یتیم شد، اهل محلّه عزیزش می داشتند، چون بحدّ بلوغ رسید عشق گل رخے در ربوده بامید عندلیب نالان به آه و فغان بسر می برد و برنگ صبا سراسیمه می گشت، یک جا قرار نمی گرفت، بیا بچه همراه فراقی دکھنی در شاه جهان آباد آمده بود، طبع دردمندی داشت و بسیار به صفا حرف می زد، خدائش بیامرزد، از وست

"انکار" تخلص ہے

چاہیئے گریت کو یو جو دل کو تجا یہ کرو　　رام ہو سرجن تمہارا گھٹ میں بچایا کرو

خواجہ زین العابدین آزاد، تخلص، جوان محمد شاہی بود، ازوست ہے

جھی بلبل نے چھوٹتے شعلۂ آوار کے چیکلے　　تھی گلشن کے سارے جل اٹھے گل اور کیول دیکھے

آبرو، غنچۂ گلزار گفتگو ارشاد گرداں سراج الدین علی خان آرزو میاں نجم الدین عرف

شاہ مبارک المتخلص بہ آبرو، نبیرۂ حضرت محمد غوث گوالیاری نور اللہ مرقدہٗ از ابتدائے

جوانی مشق سخن می کرد شاعر خوش گوے در وقت خود بود، خدا لیس بیامرزد ہے

دل تو دیکھو آدم سے باک کا　　عشق سے تیلا بھرا ہے خاک کا

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہو گی　　اس دل بے قرار کی صورت

کریں جو سدگی ہو دیں گنہ گار　　تاں کی کھیرا لی ہی جدائی

تو سلسلاں سو دینے کہا کہہ کے پھر گیا　　پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اس گلی　　ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا

مشتاق عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہے　　یہ روٹھ روٹھ چلیا چل چل کے پھر ٹھٹھکنا

دُور خاموش بیٹھ رہتا ہوں　　اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

اُٹھ جیت کیوں جوں سیتی خاطر تحیت کی　　آئی بہار تجکو خبر ہے سمت کی

لٹک چلنا سجن کا بھولتا اتنک نہیں مجھ کوں　　طرح وہ یا تو سکھے کی مری آنکھوں میں پھر پی ہے

آبرو سے قتل کو حاضر ہوا کس کر کمر　　حوں کرے کو چلا عاشق یہ تہمت باندھ کر

کیوں ملامت اس قدر کرتے ہو بیحاصل ہے یہ　　لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل ہے یہ

کہتا ہوں میں پکار سنو کان دھر سخن　　جو اور سے ملو گے تو دیکھو گے ہم سیں

میاں کے لوگ کہتے ہیں کمر ہے　　کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

زلف کی شان تم اوپر دیکھو　　کہ گویا عرش پر لٹکتی ہے

خان آرزو، بعد امیر خسرو دہلوی چنین صاحبِ کمال پُرگو و خوش‌گو مسامعِ عالمیان نرسیدہ
ہشت دیوان دارد کہ ہر یکے پہلو بہ ظہوری و فغانی می زند و دیگر چند تصنیفات دارد
فکرِ صائبِ او تزلزل در ارکانِ مضامینِ متبذلہ انداختہ شاعرِ فارسی و عالمِ فاضل شہرۂ آفاق
در سخن فہمی طاق، اُستادانِ ریختہ نیز شاگردِ اویند، برائے تفننِ طبع دو سہ ریختہ خود ہم فرمودہ
نور اللہ مرقدہٗ ؎

جان کچھ تجھ پہ اعتماد نہیں — زندگانی کا کیا بھروسا ہے
میخانے بیچ جا کر شیشے تمام توڑے — زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے
رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے — چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے
آتا ہے صبح اُٹھ کر تیری برابری کو — کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

اسد یار خان المتخلص بہ "انسان" مردے بود بکمال انسانیت و قابلیت، دران زمان بہ پایۂ
امارت رسیدہ بسیار بکرّ و فر معاش می نمود، خدایش بیامرزد ؎

نہ دیکھی اک جھلک بھی آن کر تجھ بن اندھوں نے — اگرچہ ہر بُنِ مو سے بدن سارا تکتا ہے
زمین اور آسمان اور مہر و مہ سب تجھ میں ہیں انساں — نظر بھر دیکھ مُشتِ خاک میں کیا کیا چمکتا ہے
سودا جہان جان کا سر سوں گزر گیا — تل باندھتے تھے جس میں وہ کملی نہیں رہی

باید دانست کہ سخن سنجانِ آن زمان دلدادۂ صنعتِ ایہام می بودند و تلاشِ لفظِ تازہ می نمودند
چون طرزِ تازہ بود خوش می آمد لیکن اکثرے ازین بحر گوہرِ شہوار بر آوردند و بعضے بسبب تلاش
لفظ خزف ریزہ بہ کف آوردند، چار و ناچار برائے یادگاری می نماید معدودے را باید داشت۔

محمد اشرف ہمعصرِ میان آبرو تخلصے بود ؎

لے دل میں ہم جو آئے ڈر پڑے گا لیا — اس غم سے خاک عاشقاں سلیونے ڈالیا

مرزا اکبر قلی اکبرآبادی ؎

جا کہہ نسیم گُل سے سرما کا خوف مت کر — بُلبُل کے بال و پر سے تو سی بنا دوشالا

میاں احسن اللہ احسن تخلص در ہماں عصر مرد بود کمال خوبی طبعش بسار مائل ایہام بود چنانچہ ایں سا مردا روست ؎

یہی مضموں خط ہے احسن اللہ ۔۔۔ کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

لام مستعلق کا ہو اس سب خوش خط کی زلف ۔۔۔ ہم تو کافر ہوں اگر بندی ہوں اسلام کے

علی احسن خان، خان ساماں عمدۃ الملک امیر خان احسن تخلص چنانچہ ایں سا مردا ازوست

مدت ہوئی ہو دل کو وہ دلبر کے ساتھ ہے ۔۔۔ دل تو ہمارے ہاتھ میں اس کے ہاتھ ہے

الف خان بہ لباس فقیری بسر مبرد، ازوست ؎

پہلے قدم میں عشق کے میرا تو جی گیا ۔۔۔ مجنوں یہ چند روز بھلا کیوں کہ جی گیا

بیگی خان متخلص بہ افغان نوہٴ سرکار امت الحبیب بود موافق نام و نسبت خود میگفت ؎

خسرو سے ملی شیریں جب شیر و شکر ہو کر ۔۔۔ پتھر سے پٹک سر کو فرہاد بہت رویا

نواب امیر خان از امرائے عظام و ظرفائے عالی مقام نواب عمدۃ الملک خوش طبع و شیریں کلام از مصرعاں درگاہ فردوس آرامگاہ بود، لطائف و ظرائف او مشہور و معروف ست گاہ گاہ اشہب فکر را حسب اتفاق در میدان نظم سیر جولان می نمود، نمک حرامی او را مشورۂ دشمنانش سر سواری اندرون قلعہ شاہجہاں آباد شہید کرد، عفا اللہ لہٗ ازوست ؎

ٹک نہ فرصت دی کہ رخصت ہو چلیں صیاد ہم ۔۔۔ مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آباد ہم

بیں تلائی پڑی ہیں یہ مجھ سے نادانی ہوئی ۔۔۔ دختر رز بزم میں آ شرم سے پانی ہوئی

سید عالی نسب والا حسب عجب گلشن افکار میر جیون المتخلص بہ افکار از شاہجہاں آباد است مشتر فکر معقت مسکر دارد تے برائے زیارت مشہد مقدس رفت از انکہ عقیدہ درست داشت بر مزار مقدس بہ قرآن خوانی جا یافت، نقل است

کیا ہوا گو کہ مر گیا فرہاد   روح تیشہ سے سر پٹکتی ہے
پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے   وے عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے
چھوڑیگا یار سے جی کسی کا   ہمارا نہیں کے یہ کہنا اجی کا
زندگی ہے سراب کی سی طرح   ما وسدی حباب کی سی طرح
کون چاہے گا گھر بسی تجھ کو   مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح
تب سیتی دل کو بے قراری ہے   جب سے ملنے کا کر گیا ہے قرار
جلتا ہے اب تلک ترے مکھڑے کے رشک سے   ہر چند ہو گیا ہے چمن کا چراغ گل
نالہ ہمارے دل کے غم کا گواہ بس ہے   دیوے گے تئیں شہادت انگشت آہ بس ہے
دل کب آوارگی کو بھولا ہے   خاک گر ہو گیا بگولا ہے
شوق سے حسن گھر میں ہو تو جلوہ گر   آئینے ہو جائیں دیواروں میں ڈل

شاہ ولی اللہ درویشے بود بکمال خوبی و اخلاق المتخلص بہ اشتیاقؔ از اولاد مجدد الف ثانی نبیرۂ شاہ محمد گل مولدا و سرہند بود در کوٹلۂ فیروز شاہ کہ در شاہ جہان آباد مشہور ست مسکن داشت از جملۂ اوستادان ایہام بندان بود، الحق کہ بسے خوش فکر و خوش تلاش، ازوست ؎

چھوڑ کر تجھ کو ہمیں اور سے جو لاگ لگی   ہے یہ مہندی ترے تلووں سے ہی آگ لگی
شاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں   کچھ ان کا دوش نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں
دوبالا ہوسکے مخموری عشق آنکھوں کی ملتا ہے   پیالا اور بھی پی لے سجن یہ دور چلتا ہے

در وقتیکہ نواب روشن الدولہ مغفور از شاہ جہان آباد تا درگاہ قطب صاحب کہ مرحلۂ ہشت گروہ خواہد بود چراغاں کردہ بود دراں باب گفتہ بود ؎

ایسا مرید کیوں نہ دو عالم میں سترے
پیروں کی راہ میں جو کرد روشنیا کرے

کلیجا یک گیا میں کیا کہوں اس دل کے ہاتھوں سے
ہمیشہ کچھ نہ کچھ اس میں خیالِ خام رہتا ہے

بیاں میں کیا کروں اب اس سے آگے اپنی ناکامی
سنے یہ طور اور مجھکو تجھی سے کام رہتا ہے

تجھ سوا کوئی جلوہ گر ہی نہیں
پر نہیں آہ کچھ نظر ہی نہیں

درد دل چھوڑ جایئے سو کہاں
اپنے باہر تو یہاں گزر ہی نہیں

تیری امید چھٹ نہیں امید
تیرے در کے سوائے در ہی نہیں

حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے
بات میری تو معتبر ہی نہیں

کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے
اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں

جو سزا دیجے ہے بجا مجھکو
تم سے کر لی نہ کیوں وفا مجھکو

وہی میں ہوں اور وہی دل ہے
اب خدا جانے کیا ہوا مجھکو

کیا کیجے اختیار نہیں دل کی چاہ میں
ہیں سب وگرنہ تیری یہ باتیں نگاہ میں

ایسے کے خیر خواہ ہوئے ہم کہ جس کو آہ
بدخواہ ہی میں فرق نہ کچھ خیر خواہ میں

اثر کیجئے کیا کدھر جایئے
مگر آپ ہی سے گزر جایئے

کبھو دوستی ہے کبھو دشمنی
بری کونسی بات پر جایئے

بس ہو یارب یہ امتحاں کہیں
یا نکل جائے اب یہ جاں کہیں

وائے غفلت کہ ایک ہی دم میں
میں کہیں اور کارواں کہیں

صرفِ غم ہم نے نوجوانی کی
واہ کیا خوب زندگانی کی

بیوفا تجھ سے اب گلا ہی نہیں
تو تو گویا کہ آشنا ہی نہیں

یا خدا پاس یا بتاں کے پاس
دل کبھی اپنا یہاں رہا ہی نہیں

دل سے جو چاہئے سو مانگئے آپ
میں نے واللہ کچھ کہا ہی نہیں

ہم ہیں بیدل دل اپنے پاس نہیں
آہ اس کا بھی تجھکو پاس نہیں

پوچھ مت حالِ دل مرا مجھ سے
مضطرب ہوں مجھے حواس نہیں

روزے خادم او سحا مثل دیگر فقرا از لنگرخانہ بہ میر موصوف شولہ تقسیم کردہ بود در خواب
بشارت یافت کہ این عزیز از برائے ما از ہند آمدہ است این را از طعمہٴ خاص میدادہ
باشند، خوشا حال شخصے کہ امام زمان سفارش او نماید یک شعر درین ولا در مدح او بجا
گفتہ فرستادہ است الحق کہ مضمون تازہ یافتہ است خدایش سلامت دارد ؎

علی کا سایہ ایسا جگمگا تھا　　　شب معراج حق کا رتجگا تھا

فقیر حسن مطلع رسانیدہ اگر قبول افتد زہے طالع ؎

وہ شعلہ طور کا جو تھا سو اس رات　　　مثال شمع تختوں پر لگا تھا

قزلباش خان اُمید تخلص مرتے بود تازہ ولایت، دیوان فارسی ازو مشہور
بسیار خوش معاش و یار باش بود با مردم ہندوستان بسیار اختلاط داشت و از صحبت
این مردم علی الرغم قوم خود خوش بود خدایش بیامرزد، ازوست ؎

در و دیوار سے اب حسرت ہی　　　یار بن گھر میں عجب صحبت ہی

از حروف الف بعضے از احوال متاخرین

گوہر سلک شاعرین ابرار فصحائے بلا روصلحائے کامگار خوش
اوقات و نیک سیرت محمد میر المتخلص
بہ اثر، درویشے است موقر و صاحب
نسخے است مؤثر عالم و فاضل رتبہٴ قدرش بغایت بلند گوہر صدرش نہایت ارجمند
برادر خورد خواجہ میر درد دام افضالہ شرح رسالہ دارد و از مثنوی تواردہ کمال خوش تر روے
بوقتہ در خدمت برادر بزرگوار خود گوشہ نشینی اختیار کردہ و قدم بر جادہٴ بزرگان
خود نہادہ بسر می برد، حق تعالیٰ سلامت دارد ؎

بس رخ اس خیال ہی و جام ہو گیا　　　ساقی بیک نگاہ مرا کام ہو گیا
میرے تئیں تو کام نہ تھا کچھ ہوس سے آہ　　　پر دل کے ساتھ مفت میں بدنام ہو گیا
کچھ ان دنوں دل ایسا سخت بے آرام رہتا ہی　　　اسی حالت میں لیکر صبح سے تا شام رہتا ہی

ہو گیا تھا کہتے کہتے ان دنوں میں ہوشیار　　پھر جو کل دیکھا ہیں اکمل کو وہی دیوانہ تھا

خان عالی شان محمد یار خاں المتخلص بہ امیر ولد علی محمد خان روہیلہ بسیار خلیق
وجوہر شناس طبع موزوں دارد از محمد قایم مشورہ شعر دارد، خدا قایم دارد ازوست

اس منہ سے الا کچھ نہ نکلا　　جز نالہ و آہ کچھ نہ نکلا
دیکھی جو میں سرنوشت اپنی　　جز روز سیاہ کچھ نہ نکلا

میر اسد علی اسد تخلص، سید عالی نسب در کمال وجاہت از شاگردان مرزا رفیع سودا
اصل از شاہجہان آباد داشت الحال از سبب پریشانی روزگار طرف مرشد آباد رفتہ
صداقت سلامت دارد ہیچو گنجھ جوت گفتہ وسے دُرہائے معانی سُفتہ طبع رسائے
دارد، ازوست

کس جگہوں کی صبح کو باتیں نکالیاں　　باہم صبائیں میں اُلجھتی ہیں ڈالیاں

جیوں توں اسد کو لائے تھے اس کی گلی سے ہم　　جانا جراب راہ میں یہ پھر مچل گیا

میر ظفر علی آزاد، تخلص درد مند و عاشق مزاج اصل شے شاہجہان آباد داشت در
مرشد آباد مقیم است متیر فکر فارسی می نماید نقل است کہ یکے از کنیزان شخصی بنام
نزاکت نام برا و عاشق شد ہر چند کہ عدم ملاقات او ولیکن ہمان ہمان ازان شعلۂ
آتش دل داشت از اتر آہش طرف تابی را بیرگرمی ہم رسید روزے صاحبہ او پرسید
کہ چرا چنین حال داری آں دل مردانہ گفت ہر چہ خواہی کن بر ملا سے عاشقم صاحبہ در
غصب شدہ بر پر چوب کشید و قید کرد، میر مذکور این خبر شنیدہ بسیار گریست و گفت

معشوق ز رسوائی من عار نہ شستی تا　　این لود سرائے نگہ لے ادب ما

غرض کہ شخص میر خالی از نزاکت نیست سلامت باشد

پوچھتے کیا ہو کہ سیدا کروں یا نہ کروں　　یہ تو فرماؤ کہ فریاد کروں یا نہ کروں
وعدۂ وصل تو کرتے ہو مگر سچ کہیو　　دل کو اس وعدے سے میں شاد کروں یا نہ کروں

سو فا تیری کچھ نہیں تقصیر — مجھکو میری وفا ہی راس نہیں
یوں جدائی کی ہر حق ہے — پر اثر کی نہیں تو آس نہیں
میں کہاں تو کہاں یہ کہتے ہیں — کہ بہ آپس میں دونوں رہتے ہیں
عاشقی اور عشق کی باتیں — سب جہاں سے اثر کے ساتھ گئیں
آہ کے ساتھ جی نکل نہ گیا — آہ اسے آہ یہ خلل نہ گیا

"الم" مع اشفاق وکرم میاں صاحب میر المتخلص بہ الم بزرگ بزرگ زادۂ عالی نسب والا حسب خلف حضرت خواجہ میر درد جیدے بہ فیض آبا و تشریف آوردہ لو الحال ہیں پا بزرگوار استقامت دارد گاہ گاہی فکر دو سہ بیت ہم می نماید خدا سلامت دارد دار دوست ؎

نہ دل کو قرار بیقراری کے سبب — نہ چشم کو خواب اشکباری کے سبب
راتیں نہ تھی ہم تو ان بلاؤں سی کبھی — یہ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

محمد اجمل اجمل تخلص الہ آبادی است، از فرزندان شاہ خوب اللہ بکمال فضیلت و آدمیت تحصیل علم و تربیت در خدمت برادر بزرگوار خود شاہ غلام قطب الدین المتخلص بہ مصیبت یافتہ شاعر فارسی است چند کتاب تصنیف نمودہ بندہ با وے دو سہ ملاقات کردہ و کلامش شنیدہ الحق کہ کمست فکرش در عین خوالی و رشتۂ سخن چون لف گلرخان طولانی، گاہ گاہ ریختہ ہم میگوید چون محاورۂ این زبان جدا است خود را کم مشق خود اظہار عجز وار دلیار منصف مزاج است الحال مسندنشین حضرت شاہ خوب اللہ اوست حق تعالیٰ بسیار سلامت دارد دار دوست ؎

ہو گیا خون بات آنکھوں میں — تھا جہاں تک کہ آب آنکھوں میں
شب فرقت میں تیری اے ظالم — وگیا خواب خواب آنکھوں میں
تا تھا دل سے طرف سے ریں جب عانا نہ تھا — ہائے گئی اب تھی جس رات وہ ہمجانہ تھا

مجھے بھا دھیان زلفوں کا جو وہ خورشید رو آیا   خدا نے غم کی راتوں میں خوشی کا دن دکھایا ہے

میر امانی ولد میر عاصمی، جوانے بود بکمال خوبی طبع موزونے داشت، با فقیر بسیار آشنا بود، بیشتر فکر مرثیه می نمود، از بسکه پریشانی روزگار بطرف مرشد آباد رفت نقل وفات او عجیب و غریب است، روزے در خانه شخصے مجلس امامؑ مقرر بود، میر مذکور بعادت خود بر منبر رفته مرثیه بر خواند نصفے خوانده بود که بر مردم رقت گردید، چنانچه خود هم گریه کنان سر بر دیوار منبر داده مانند تصویر ساکت گردید، مردم گمان بردند که حالا بند دیگر خواهد خواند، چون خاموشی بطول انجامید اکثر اشخاص برخاسته دیدند که جان بجان آفرین سپرد، خوشا بحال کسے که در غم امام علیه السّلام جان بحق تسلیم کرد، و مشق شعرش به پختگی نرسیده از بسکه مصروف مرثیه بود خدایش بیامرزد ؎

شور بر کوه و بام کرتا ہے   دل بڑی دھوم دھام کرتا ہے
نہ وہ سنتا ہے نہ امانی حال   نہ تو قصہ تمام کرتا ہے

رائے پریم ناتھ خلف رائے کشن ناتھ از قوم کھتری است قایم در بدکرهٔ خود نوشته که ظاهر حالش چون طبع خویش موزون و موزونی طبعش از خوبی ظاهر افزون، حظ بے نظیر و کمال بیدار دلیر، بر غزل فارسی بسیار خوبی میگوید گاه گاهی فکر ریخته هم میکند ازوست ؎

خاموشی اُن لبوں کی گپ چپ کی ہے مٹھائی   اَن بولا سخن کا میٹھا لگے ہے دل کو

آشنا تخلص شخصے شنیده ام بفقیر آشنا نیست از کلامش معلوم بشود که فی الجمله آشنائی با سخن دارد، معلوم نشد که کجاست هر جا که باشد سلامت باشد، ازوست ؎

جو کوئی چشم تر نہیں رکھتا   درد دل سے خبر نہیں رکھتا
کس طرح دل میں جا کروں اُس کے   نالہ میرا اثر نہیں رکھتا
کبھو تو مہرباں ہو ہم پہ اے بت   کہ آخر ہم بھی ہیں بندے خدا کے
آشنا کیا بنے گی آخر کو   تجھ سے خانہ خراب کی صورت

جانِ اکرم کے لئے سل یہ مانندِ حباب　　متحیّر ہوں کہ پیدا کروں یا نہ کروں
مرغِ دل تیری جدائی سے پڑا تڑپے ہے　　اس کو کیا حکم ہے آزاد کروں یا نہ کروں

خواجہ امین الدین امینؔ تخلص ساکن مرشدآباد است ذکر احوالش معلوم نیست سلامت باشد از دوست ؎

عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی　　دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی

میر غلام علی اظہرؔ تخلص متوطن شاہجہان آباد ارشد گردانِ میر شمس الدین فقیر طالب علم در فن شاعری مربوط دیوان فارسی پُرمضامین دارد الحال مائل ریختہ سرگردیدہ چون سررشتۂ سخن معلوم است خوب خواہد گفت طبعش دقت پسند افتادہ است خدایش سلامت داراد از دوست ؎

ساقی بہار آئی میرا ایاغ خالی　　انصاف بھی ہے ظالم مت کر دماغ خالی
استو ہر یک سے طلب کرنے لگے چاہ ہی　　ہے یہ آئینِ وفا میں تجھی سے راہ ہی
نہیں یہ مردمکِ چشم ساتھ آنسو کے　　نکل کے داغِ جگر جم رہا ہے آنکھوں میں

میر عاصیؔ آب جوئبار شرافت و سروِ بوستانِ سیادت گل گلزار ہاشمی میر برہان الدین عاصیؔ شاعر ریختہ گو و مرثیہ گو بود متوطن شاہجہان آباد و در بہادر پورہ استقامت داشت در علم تاریخ و تمسخر شناسی و لطیفہ گوئی دستے ہم رسانیدہ بود از چندے بہ رحمت الٰہی پیوست خدایش بیامرزد ؎

چمن کے تخت پر جس دن شہِ گل کا تجمّل تھا　　ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں　　بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا
مثالِ آئینہ ہم نے سبھی نقشِ جہاں دیکھا　　جہاں دیکھا ہر صورت تجھی قالب میں جاں دیکھا
قیامت کی عقوبت ساری ہجرِ یار میں گزری　　وہاں تھا دیکھنا جو کچھ سو سب ہم نے یہاں دیکھا
پتے سے میکشوں کے کیا فلک پر سر اٹھایا ہے　　کہ بادل بھی سیہ مست ہو چمن پر جھوم آیا ہے

محروم ہم ہوں محرم اسرار ہو کوئی
خلوت میں ہو کوئی پس دیوار ہو کوئی

راتوں کو اس کے کوچے میں جاتا تو ہوں ولے
دھڑکے ہے دل پڑا کہ نہ بیدار ہو کوئی

عشق کی آتش جلے ہے یوں دل مایوس میں
جس طرح شعلہ ہو روشن شمع کا فانوس میں

سجدہ گہ ہے خاک احسن اتو ساری خلق کی
جان دی تھی اس نے کس کی حسرت پابوس میں

بھیجی جس وقت مجھے اس کی خبر آنے کی
سدھ رہی مجھکو نہ اپنے کی نہ بیگانے کی

تم تو دل مانگو ہو یہاں جان ملک حاضر ہے
بات ہے یہ بھی کوئی آپ کے فرمانے کی

دل کو نہ رکھوں سینے میں تو کیا کروں احسن
جس جس کا خواہاں ہو ما جسا ر بغل میں

خواب میں جو روح تن سے غم سے یوں میں خستہ ہوں
گو دل وارستہ ہوں پر جا بجا میں بستہ ہوں

دل ہو دیدار سے مایوس تو مسرور ہو
چشم میں روشنی طور سے بھی نور ہو

کس طرح سے ملے آپس میں لب رحم جگر
یہ تو وہ در ہے کہ تجھ سے کبھی معمور ہو

بزم میں اس کی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی
دل دھڑکتا ہے کہ میرا کبھی مذکور ہو

ہجر میں کیوں کر ہوئے آہ و زاری منتشر
ہے قرار اس دل میں کم اور بیقراری منتشر

رو رہے ہجراں ہی میں تنہا کچھ نہیں روتے ہیں ہم
وصل کی راتیں کٹیں یوں ہیں ہماری منتشر

نہ رو مارتے مرتے تک بھی تیری خوف سے احسن
گئی ساتھ خاک میں افسوس اس کی حسرت گریہ

کل ملک میں ہو کی یوں ہم یار منہ کھولے رہے
برج میں پالی کو جوں بیمار منہ کھولے رہے

دل کو خواہش ہے یہ کس کی تیر کی یارب کہ آپ
شکل پیکاں ہو کے جوں سوفار منہ کھولے رہے

سخت مشکل ہے وہ جو گر منہ نہ رکھے سے نقاب
اور جا ہیں چشم یہ دلدار منہ کھولے رہے

ق

جام مے ساقی کے آگے لائے جوں مجلس کے بیچ
غیر دل کو سہم سے اور یار منہ کھولے رہے

اکثر دل لے پی اور اکثر قطرہ کو ترسا کیے
لڑھ گئے دو چار اور دو چار منہ کھولے رہے

جوں لحن کا نہ جائے جب تلک کب ہو سیام
اژدہا کی طرح وہ تلوار منہ کھولے رہے

آشنا وہ ہووے گا میرا یاد رکھیو تو عاشقوں کی بات

خواجہ اکرم مرد خوبے بود در شاہجہان آباد، معلوم نیست کہ الحال کجاست در گفتن ریختہ مہارت داشت، ہر حرفے و سخنے کہ میگفت و آمد کے تامل میکرد ریختہ برمی آمد۔ **از وست** ؎

ایکبار مرے دیر میں زاہد اگر آوے
میں جاؤں جو مسجد کی طرف پھر نظر آوے

مرزا حسن علی چراغ بزم سخن مظہر اخلاق حسن مرزا حسن علی المتخلص بہ احسن اختر فکرش در اوج و اخضر طبعش پرموج، جوانیست خوش خلق و نیکو اصل از عرب است نشو و نما در اینجا یافتہ از متوسلان محمد یونس خان اوائل استفادہ از میر ضیا حاصل کردہ الحال شعر خود را پیش مرزا رفیع میگذراند، قصیدہ و غزل خوب میگوید بوسیلہ شاعری در سرکار **نواب شجاع الدولہ** سرفراز است، طالب علم است و دستخط ہم خوب مینویسد خدا سلامت دارد۔ **از وست** ؎

خاک چمن میں کس کی ملی آرزوئے دل
جو غنچہ یہاں کھلے ہے تو آتی ہے بوئے دل

جو دل ادھر گیا سو وہ ماٹی میں مل گیا
تیری گلی میں خاک کریں جستجوئے دل

ہے مجھ میں رمق دیدہ تجھے ناگراں ہے
جوں شمع مرا بار نگہ رشتۂ جاں ہے

کیوں کر نہ کروں نالہ و فریاد میں احسن
مانند جرس دل مرا لبریز فغاں ہے

یارو وہ صنم کیونکے کرے کام خدا کا
رام اس کا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا

صبح کا نکلا وہ گھر سے جب نہ آیا شام کو
تنگ پایا جی نے میں کیا عرصۂ آرام کو

سر اپنے کو جوں لے گئے ہم اس کے قدم تک
پہنچا دیا ٹھوکر سے وہیں ملک عدم تک

لطف سے کچھ ادھر بھی تو نگاہے گاہے
شاد ہر لحظہ نہیں کرتے تو گاہے گاہے

دل بھرے اپنے کو کس طرح سے کیجے خالی
اس کی غیرت نہ دی رخصت آہ کی گاہے

اشک باروں نے وہ بات بھی کھو دی یارو
گھیر کر بیٹھتے تھے جو سر راہے گاہے

جب اُس کے آگے تھک جاتا ہوں میں جواب کہہ کہہ کے　　تو کہتا ہے ہمیں سمجھائیں پھر کہیو ذرا رک کے
اسی مُنہ سے تمہیں دعوی ہواداری ہے اے حسرت　　ہوا ظرف آپ کا معلوم وہیں جام میں چھلکے

ولہ

ہوس لے آئی تھی اُس شوخ کے پاس مجھے　　نگہ لڑی تو رہے پھر نہ کچھ حواس مجھے

میرزا انشاء اللہ از جوانان جہان و خوش فکران زمان سخن آگاہ میر الت اللہ طبع تازہ و ذوق بے اندازہ شراب معانی و ذوق جوانی فرح بخش و مسرت افزاست خلف حکیم الحکما میر ماشاء اللہ دام افضالہ انشا تخلص می نماید، جوانیست خوش ظاہر خوش طبع، با قبلہ گاہی دوست دلی است بوثوق است اکثر طرز او نظر، ہمیشہ سعد زمیاند اصلش از نجف است و تولدش در طرف بنگالہ خدایش سلامت دارد، از وست

گالی سہی جفا سہی چینِ جبیں سہی　　یہ سب سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی
منظور ہم کو دل کا لگانا ہی جب ہوا　　کیا آپ کا اجارہ ہے اس میں کہیں سہی

ہنس کر اُسے جب نظر پڑا ہے　　بولا یہی چل اُٹھ کدھر پڑا ہے
مالا ہی تجھے تو کھینچ لایا　　رونے کا اثر ابھی پڑا ہے
یوں سن کے جو دل کہا تو بولا　　بہرا ہی تو تجھکو ڈر پڑا ہے
جی دیں یہی جان کے صدقے　　یعنی اس نوجواں کے صدقے
کھا قسم جھوٹ بولے ہی کہتا　　جیتے ہو بیٹیاں قرآں کے صدقے

ہوئی ہیں خاک سرِ راہ اُس کے ہم انشا　　بڑا غضب ہے سو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

نور خان جوانیست از شاگردان شاہ واقف آگاہ تخلص مسکین چندے از میر ضیا بیر اصلاح گرفتہ است بوسیلۂ قصہ خوانی بسر می برد، درین فن شاگرد میر احمد مرحوم است کہ بہ قصہ خوانی مشہور بود غرض جوان خوش ظاہر است خدایش سلامت دارد، از وست

سن دیکھو ایسا سکھوایا ہے ہم جیسا دکی　　باتیں بنا سکے نہ کسے ساہ کی

ہاتھ سے تیرے اے فلک جان و جگر کباب ہے
عشق جو کل نصیب تھا آج خیال و خواب ہے

جھڑی سے اُس کی مشعل روئے زمیں کی ماہرو
جلوے کو اُس کے دیکھ کر چرخ میں آفتاب ہے

رحم لگا کے سیکڑوں کرنے لگا شمار وہ
جو ہوئی سو ہوئی دلا اب تو سرِ حساب ہے

ملے ترا جگر دلا ہو وے ہی سمجھ اُس کی تو
تیغِ نگہ سے حسن کے اب زہرۂ برق آب ہے

کیجئے ٹک تبسم جو دیپرِ دل پر آ ملہ
یار اس ایک شیشے میں سیکڑوں ہی حباب ہے

خونِ جگر سے روز و شب کیجی رقم جہاں تلک
نامۂ شوق کی مرے شرح تو اک کتاب ہے

اس لئے کر کے مختصر تھوڑا سا کچھ لکھا تھا میں
یہ ہی لکھا نصیب کا اس پہ بھی یہ عتاب ہے

نامہ پتنگ کے ہاتھ سے آئینہ دیکھنے لگا
اس سے یہ ہم پہ کھل گیا صاف ہمیں جواب ہے

یاد سے احسن ان دنوں کس نے ہمیں بھلا دیا
سینے میں دل کو اپنے کچھ جو دیکھو تو اضطراب ہے

ولہ

دھمکائیے جا اُن کو جو مرگ سے ڈرتے ہیں
ہم ہیں ترے پروانے جی دینے پہ مرتے ہیں

ہم غیر کے ہاتھوں سے واں جام چڑھاتے ہو [1]
یاں حلق میں لوہو کے سو گھونٹ اُترتے ہیں

ہو دست رسِ ظالم کب لیں ہمیں میسر
سو بار سے ہاتھ اپنا ٹک سینے پہ دھرتے ہیں

چھٹتا ہے کوئی نالہ ہم سے دمِ آخر تک
دم جب تئیں ہے دم میں دم آپ کا بھرتے ہیں

کھلتے ہیں اسیروں کے صد عقدۂ غم دل سے
کچھ بکھڑے پہ زلفوں کی جب بال بکھرتے ہیں

پھر فصل بہار آئی جو ہووے سو ہو احسن
ہم پاس گرو ہم بھی دستار کو دھرتے ہیں

ولہ

کہا جو میں نے کہ رخ کو ترے مہ سہ لگا
بگڑ کے بولا کہ چل لے اُدھر لطر لگا

ابھی جو تن میں مری جان اک رمق باقی
لگا کے رحم کہا حیف کارگر نہ لگا

اسی لئے تو میں تجھ سے جدا ہوں اے احسن
گھڑی گھڑی مرے پاؤں کو چشمِ تر نہ لگا

---

[1] یہ شعر اصل نسخہ میں اسی طرح لکھا ہے رامپور کے نسخہ میں یہ شعر نہیں ہے۔

رباعی

ہر چند کہ ہم حسرت کے چالاک ہوئے یا وحشت ریز کے سارے بیباک ہوئے
موقوف ہی زیست تک ہے سب کچھ زاہد جب خاک ہوئے تو سب طرح پاک ہوئے

میر شیر علی المتخلص بہ افسوس ابن میر علی مظفر خاں داروغہ توپخانہ عالیجاہ ارسلا گردلہ
محمد علی حیراں، در بنگالہ بسیار دولت داشت المال در سرکار آصف الدولہ بہادر سرفراز است
سوائے است طالع موزوں آراستہ بحلیہ حیا پیراستہ، وہم طرح ... میر سوز سر فائز
مروت ما عیار است ... صحبت ... اکثر ... ہر شخصے کہ ... رحمت
فکر او اثر راتمام ... الحال ... وطن ... یاروں ... باشد

جب تلک یہ عشق یارو نہ دل کا کام تھا ایسے بیکس کیا ... دل کو کیا آرام تھا
سخت ... تجھے لوٹا ہی میں نے بھول کر دردِ دل تیری ... ہم وہ بڑا ہی سام تھا
وہ پری یا تو مجھ سے تک ایک آج مل گیا پر اپنے اختیار سے افسوس دل گیا
اس قصے کو تو ہمدم کا ہیکو سناتا ہے وہ بھولی ہوئی باتیں کیوں یاد دلاتا ہے
کوئی دل سے مرے پوچھے جیسا ہی وہ ای ناصح گو تجھکو یہ خوش آیا پر مجھکو تو بھاتا ہے
تھا میرا اطلاق نہیں مانتا ہے تو جیسا بتاتا ہے جی جانتا ہے
جس کو تیر نگہ لگا ہوگا ایک دم میں وہ مر گیا ہوگا
اس کے اٹھتے ہی جی یہ آن ہی دیکھئے آگے آگے کیا ہوگا
ایک ہم ہی نہیں اس کوچے میں جو جاتے ہیں واں کی ہو رہتے ہیں گھر اپنے سے جو جاتے ہیں
کوچۂ یار میں رہتے تو نہیں اب لیکن بھولے بھٹکے کبھی اس راہ سے ہو جاتے ہیں
بزم میں اس کی نہ ہنستے ہیں نہ رو سکتے ہیں چپکے بیٹھے ہوئے ایک ایک کا منہ تکتے ہیں
اس شعلہ رو کو دیکھ کے بیتاب ہو گیا یارو یہ تھا تو دل ہی ... آب ہو گیا
پھر اکثر سے وہی دل ہے پہاڑ سا وصل صنم تو رات کو اک خواب ہو گیا
صبح سے کرتا ہے یہ دل انتظاری مشتہر جو سحر کو جانا تھا تم نے یاری مشتہر

بے اختیار سیکڑوں دستار گر پڑیں — جب میری کج کلاہ نے ٹک کج کلاہ کی
عبادت گاہ ہے محراب کعبہ ہر مسلماں کی — ہماری سجدہ گہ محراب ہے اپنے گریباں کی

غزل میاں حسرت بمشورۂ شاہ واقف گفتہ۔

جاں پاویں جو تجھے ایک نظر دیکھیں تو — تو بھی پردے سے نکل ٹک جو نظر دیکھیں تو

«دیکھیں تو» در مصرع ثانی بعضے میگویند کہ حشو است البتہ جائے تامل است

حلقۂ چشم میں کیوں آج ہے دم پا بہ رکاب — ہے کہاں کا ہمیں درپیش سفر دیکھیں تو
ہیں ملک کہ ملیں مفت یہ سب عاشق سے — قطعہ — اپنے کوچے میں بھی کر خاک بسر دیکھیں تو
زر اگر بر سر فولاد نہی نرم شود — آپ سے آتے ہیں گر ہاتھ میں زر دیکھیں تو

آشنائی جی خلف میر اعلیٰ علی از سادات عالیشان سپہر مکان میر ولایت اللہ جان نور اللہ مرقدہ امیریست خلیق و متواضع در مجلس بودن غزل دستے بہم رسانیدہ است تصنیف خوب دارد مستغنی مرتبہ پیر میگوید و مصرعات ہم از فکر او در صفت مشہور است چنانچہ اکثر گدایان و لقشندان میخوانند مولد او در شاہجہان آباد است وطن آبا و اجداد بطرف توران زمین است حق تعالیٰ سلامت دارد این چند بیت از ان بزرگوار است ؎

کیا ہے تیری آنکھوں نے یہ کچھ مجھ پر ستم خالی — ہوئی ہیں جان سی نرگس کے قالب یک قلم خالی
چمکنا برق کا مینہ کا برسنا کیا کرے دیکھیں — نہ جیسے سی وہ چپ رہتا ہے رونے سے یہ ہم خالی
تو اللہ کی سوں دل مرا جب تک نہ حاضر ہو — نظر آتا ہے آنکھوں میں مری دیر و حرم خالی
لگا دیں منہ نہ ہرگز دیکھ لے کیفیت اس کو — فلک گردش میں ہے یعنی ہمیں دے جام جم خالی
بجاوے دل ستی اعلیٰ علی کے الفت ساقی — ہوا اس کی سے یہ شیشہ اٹھی ایک دم خالی
کوئی ہاں کی صداقت ہو کوئی ہزار کے صدقے — تری صورت لکھی جس ہم اس استاد کے صدقے
توڑ دست زاہد لے کیوں مسجد یہ بچا ناگیا — تب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ڈھایا گیا
نہ چھوڑا میں جھنجھلا کے تارِ گریباں — رہے تا نہ گردن میں بار گریباں
جو ہاتھ اس کے بند قبا کھولتے تھے — سو مشغول ہیں اب بکارِ گریباں

حرف الباء

اوّل ازمتقدمین | بیچارہ تخلص تخلص بود از سلک دکھیاں بیتی عالمگیر سدالیش سیامرد، ازوست ؎

جی سے جدا ہو نا نہ تھا چاہا جدا کایوں ہوا
عمر صرکچھ چارہ نہیں بیچارہ ہو رہا پڑا

میرزا عبدالقادر بیدل، شاعر زبردست وصاحب طرز فارسی، تعریف او در تذکرہ ہائے فارسی مسطور است چہ را چہ یارا کہ شمۂ از احوال آں عارف باللہ رقم کند، و شعر ہندی از اں بزرگوار مسموع شدہ نوراللہ مرقدہ

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم ہیں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم ہیں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں

بسمل، تخلص تخلص بود، احوالش معلوم نیست لیکن ایں قدر میدانم کہ از متقدمیں است از وست ؎

لہو پی رہ گیا بسمل وگرنہ
ملاتا اسے میں وہ خاک وخوں میں

ذکر متوسطین | دلاور خاں تخلص بود از شاگرداں میاں یکرنگ، در عہد محمد شاہ عمر اسد لہٗ اول بیرنگ تخلص داشت بعدہٗ از بیرنگ بود حالش سیامرد، ازوست ؎

خط مرا اس نگارسے پڑ ہا
کیا لکھا تھا کہ مارے سر پڑ ہا

محمد اسمٰعیل بیتاب، تخلص درویش، درو مسدس بود شاگرد میاں یکرنگ از لیشت سبب اقتدا بمیاری دست داو، آخر جاں بحق تسلیم ساد، حال شش سامرد، ؎

ہوتا اگر کسی سے آشنا دل
تو کیا آرام سے رہتا دل
سرجا دل کس پہ پڑی کی بلا ہوئی
ابھی تو تھا مرا چنگا بھلا دل

بینوا تخلص دراوائل سلطنت محمد شاہ در شاہجہاں آباد آمد، ظریف طبع بود، ساکن

دل تری بھی آشنائی کا نہیں کچھ اعتبار　　　بیوفاؤں سے رہی ہے تجھکو یاری بیشتر

میر ابو الحسن ولد میر عبد اللہ از اولاد سید نور گیسو دراز چون قبلہ گاہ این حقیر از سلسلہ ہائے سید نور بہ ما رابطہ یک تر برادری با ہم دارد است مولدش شہر کہنہ کہ در شاہجہان آباد مشہور است در محلہ لال پگہ از فیض صحبت خان عالیشان خان العالم خان صاحب گاہ گاہی شعری ویسے موزون می نماید تعالی سلامت دارد این یک قطعہ کہ بہ نگارش می آید الحق کہ مضمون تازہ یافتہ است از وست

ساکنان فلک سے کچھ تھا　　　شہرت اس حسن کی نہیں ڈالی

مہ نہ پوچھو ہجوم انجم سے　　　پھرتی ہے آسمان پر تھالی

علی نقی خان المتخلص بہ انتظار از طرف عظیم آباد استقامت دارد از احوالش معلوم نیست سلمہ اللہ تعالی صاحب مذاق ہر دو زبان است بیان گوہر کے　　　یہ میری چشم سے ٹپکے ہیں کھر کھر جوال گوہر کے

انگریزیں شخصے بود در وقت احمد شاہ عجب غریب ہر کس کہ پیش او شعر میخواند خواہ بیت خواہ رباعی خواہ ہندی فارسی عربی موافق الفاظہائے ان بی معنی موزون میکرد ہیچ تامل نمیکرد چون میگفتند کہ بار دیگر بخوان نمیتوانست خواند مگر بطور دیگر

آشوب تخلص شخصی است چیچک رو و از قد قدم در مسخرگی گذاشتہ است پوچ بے معنی و نامربوط میگوید مردمان خندہ میکنند بلکہ چیزہای خوب میگوید چون گوش کن کراہت بود ہم مسجد در مرثیہ حمدہ می آرد از وست

درعشق تری جوڑی یہ سب پیچ ہے　　　یہ پھرکی وہ دنا یہ پیچ وہ پیچا پیچ

میر اولاد علی اولا تخلص جوانے است ہندوستان را در رکابش ارشاد است اللہ طبع موزون دارد سلامت باشد از وست

شتاب ہر چند ہلاتے ہیں میرے دل کو پر اولا　　　اداکس طرح مجھکو اُن پری رخسار کی بھولے

محمد اشرف شخصی است از مردم مرشد آباد بہ وارد گی اعتبار کی خان برشتو صاحب سرفراز است طبع موزونی دارد یک بیت ما مہ گفتہ است اکثر ہندی و بیشتر فارسی میگوید حق اش سلامت دارد

اُٹھو تو دو باتیں کریں تم سے میاں ہم　　　پھر دیکھئے اگلے دم میں کہاں تم ہو کہاں ہم

ایسے ہی میرے بخت جو جاگتے تھے مدد کے   جو اس نے ہم سے کہا ہیکو مجھکو سکھا دیا

کس قدر مجھ سے دل خفا ہو گا   کہ مرا شکوہ سن کے کیا ہو گا

جنگ پر لوگ جس کی لڑتے ہیں   صلح میں اس کی کیا مزا ہوگا

کوئی کسی کا یہاں آشنا نہیں دیکھا   سوائے اس کے [illegible] نہیں دیکھا

یہ لوگ سچ جو کرتے ہیں عشق سے مجکو   انکھوں نے [illegible] نہیں دیکھا

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا   سرخ و سفید ماٹی کی مورت ہوئی تو کیا

رو کر اس سے میں کہا مرتا ہوں یہ میا آج   مسکرا کر وہ لگا کہنے کہ اس کا کیا علاج

مری بساط ہے سے آگے یار ہے موجود   دل شکستہ [illegible] ہے موجود

ہمارا حصہ بصارت ہے یا ہے دیدار   وگرنہ سامنے [illegible] ہو

ادھر تو کھوں ہوں میں ایسا اور ادھر ہے یار   یہاں [illegible] وجود

یکبار موج غم کی پڑی مجھ پہ ٹوٹ کر   لے گئی قرار و صبر و دل و ہوش لوٹ کر

لیا اگر ہے دل کو تو لے بھی اسے کہیں   سینے میں آپ لگا تو رکھا مار کوٹ کر

کر آپ کر اس قدر فراموش   ہو یاد سے یاد سر فراموش

گو سب نے مجھے بھلا دیا ہو   پر تو تو نہ کر فراموش

کیا اس سے درد دل کو کہئے   ادھر تو سنا ادھر فراموش

جہاں روؤں میں تری ابر نو بہار   لگیں اس [illegible]

قمار عشق کی بازی بھی کچھ دنیا و نہ ہے   اسے کہتے ہیں جہاں کوئی ہاں [illegible]

آنسو ول تک [illegible] پوچھنے کی [illegible] ہے   [illegible]

جرح کی رہبری سے [illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

کیا ہے [illegible]   مری وفا [illegible] ہے

وقتے شاهم روئے در گمانے با میاں آرزو ملاقات کرد او میاں کم التفات کرد گفت که اے میاں آرزو اگر تنہا من ستم تبدل نمی‌داشتید چون انسان تک چشم راست نمی‌داد این لطیفه بسیار مناسب افتاد هر دو بار بخنده درآمدند، غرض عجب ظریفے بود حدائق بیامرزد از وست ؎

بیٹھا ہوں رکا کس کی وجے   او سے ماں مالدار کی صورت

از مستعداں روزگار اللہ شکیپد المخلص بہ بہار شاعر فارسی بود از اصطلاحات فارسی بسیار خبر داشت از یاران سراج الدین علی خان صاحب بود، تصانیف بسیارے داشت، این چند بیت از وست ؎

وہی اک ریسماں ہے جس کو ہم مار کہتے ہیں   کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
سبھی کرتے ہیں دعوی خوں کا قسمت دیکھیے تو   صف محشر میں ہوگا کس کے دامن ہاتھ قاتل کا
نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آخر کس میں ہے   ہمیں اب ساتھ اتنی کیا محبت کو ساقی
محبت کی قلمرو میں جو جاوے گا تو دیکھیگا   کوئی آرے تلے سر ہے کسی کو کوہ پر پٹکا

میاں بیان شاعر عدت الیان ارجن کو بان زبان خواجہ احسن اللہ خاں المخاطب بہ **بیان** از تلامذہ میرزا مظہر جان جاناں، مولدش شاہجہان آباد، الحال معلوم نیست که کجا ست، مجموعه از و مشہور است، بسیار خوب گفت، رباعیات دلپذیر دارد، کلامش چون کلام گلرخان نمکین پاس چون قند دلبران شیرین، مدہ ارفعلو بسیار خوط است ہر جا که باشد سلامت باشد از وست ؎

وہ بھی کیا دن تھے کہ ہم آغوش ہم سے یار تھا   در سے کے باہر نکلی جوں صورت دیوار تھا
اس تجاہل پر ترا میں دیکھتا ہوں گو کہ میں   ق   وہ کہ جس کی جستجو کا میں عمر بھر بیمار تھا
دیکھ کر تابوت کو سہارداروں سے بولے   پوچھیے اتنا کہ اس مردے کو کیا آزار تھا
عالم کو تاج و گوہر دولت دلا دیا   بتلا اے فلک کہ مجھ کو تو نے کیا دیا
بیدل کو اصطلاح سے دنیا کی کچھ سر   اس آسو سے غرض نہیں سب کچھ بھلا دیا

جاتا ہے یار کیجیو بیاں میری دل لیے | اب سے بسے اب گفتار کوں ہے
ہو تو بھی حیرت اس ستم ایجاد کی طرف | کالی ہے پاس اس دل ناشاد کی طرف
جاوے وہ محو اسے ہوش سیر گل باں | اے نالہ جس سے اسے غم آباد کی طرف
ہووے گا دو جہان دیدار میں خلل | سے کرن کرو مت کچھ نے برباد کی طرف
تماشا و تباہی کی کسی سے لے کر پڑ گئی | ہے دل میں جدائی کا مجھ خطرہ ہوتو کا وہو
یارو تمھاری دوستی سے مدعا ہے | یارے سے نیا ہوں کیسی یہ عہد ہے
کوئی تر قیس دو واسطہ لیلیٰ کا | ہوں دیکھ دل ہوں جاں ہوں کر
عالم میں گو کہ عشق سے رسوا کیا مجھے | تو شہرۂ آفاق کر دیا

رباعیات

جس وقت کہ سدا ارادہ ہوتا ہیگا | عالم کی عصب سے جان کھوتا ہیگا
غنچوں سے صبا کہیو کہ آہستہ کھلیں | راتوں پہ مرے شوخ سوتا ہیگا

دیگر

اب تم سے کہوں سو کچھ ہے دل بیچ میری | سب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل بیچ میری
پہلے کہہ لو کہ میں نہ ہو نگا بُرا | سب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل بیچ میری

دیگر

مت کہیو یہاں جام اجل ملتا ہے | یا اس کے لیے کوئی کفن سلتا ہے
یارو جو مرے حال کو پوچھے وہ شوخ | اتنا کہیو کہ اب تلک جیتا ہے

دیگر

کیا زلف میں اس شوخ کی ہے دل کی صبح | یا شام سے ہوتی ہے کسی شب کی صبح
ٹک زلف کو اس ہاتھ لگا یا کہ ادھر | ہمسایہ پکارا کہ ہوئی کب کی صبح

جا کہو کوئے یار میں کوئی — مر گیا انتظار میں کوئی
وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا — سر رکھے اس کنار میں کوئی
کیوں ستیاں سیر باغ کی حسرت — نہیں دیتا بہار میں کوئی

جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی — ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی
کیدھر ہے کہاں ہے جو سدلی تو — ہم سے کبھی تو آشنا تھی
مارا ہے بیاں کو جس ادا سے — تھا جانے کونسی ادا تھی

رسوا ابھی سی کرتی ہو اے ستم گر مجھے — آتا ہے اس کی بزم میں ناز کر کے
آیا ہوں اس گلی میں ابھی دم ہیں لیا — پھر لے چلا ہے یہ دل وحشی ادھر مجھے
کنج قفس سوا مری قسمت میں جا نہ تھی — تو کیوں دے فلک نے بیاں بال و پر مجھے

قطعہ
تھا حکم تیرے عشق کا ہرگز نہ رو بیاں — گو ضبط کر سکے نہ ترے جی کو کل پڑے
پھر عمر ہم نے ضبط کیا لیک وقت مرگ — بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

مت آئیو ہے وعدہ فراموش تو اب بھی — جس طرح کٹا روز گذر جائیگی شب بھی
آخر تو سکا سے مجھے مسیح کرے ہے — ہی دیکھو تک ہاتھ سے اے مرے لب بھی
اے ہجر میں کہتا ہے کہ تھا وصل میں آرام — نالاں ہی بیاں میں نے تو دیکھا تجھے تب بھی

جھگڑتے تجھ سے بوسہ پہ حجاب آتا ہے — وگرنہ بات کا تیری جواب آتا ہے
پیو شراب جو الو کہ موسم گل ہے — ہمیں بھی یاد وہ عہد شباب آتا ہے

سچ چہرہ اس کی یاں پر آئی — دیکھیں کس کس کی جان پر آئی
کیجے سوز حال کو کیسے — بس رہتی زبان پر آئی
غیر کے آگے دل کی بات بیاں — آہ میری زبان پر آئی

اے دل یہی تھی عداوت ہو گئی ہے اس مجھے — دشمن جانی ہے میرا جو کوئی چاہے تجھے
اس سرو قد کا مجھ سا خریدار کون ہے — آزادگی کا ایسی گرفتار کون ہے

عشق میں لگا ہے عقل کو میش ہو   سب بیاباں ما صحرا و بیش ہے
خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے   نصیب میں کسی کا دکھ نہ ملا کرے

رباعی

یاں آکے ہم اپنے مدعا کو بھولے   مل مل غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائی سب عمر   اس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

میاں محمد علی المتخلص بہ بیدار، جوان محمد شاہی است از شاگردان مرتضی قلی بیگ کہ شاعر فارسی گو بود و فراق تخلص نمود، قریب یازدہ سال شدہ باشد کہ فقیر او را در لباس درویشی در شاہجہان آباد دیدہ بود، طبع درد پرداز داشت و باریک بینی، زیور حلم و حیا آراستہ، معلوم نیست کہ الحال کجاست، از وست ۔

صفا الماس کو ہے سو دل تیرے دانتوں کی   کہاں سے لاوے ہے نرنگ مجالت لعل مرجاں کو
دیکھ تجھ کاکل مشکیں کی ادا اے شانہ   در بوں ہاتھوں سی لیتا ہے بلائیں شانہ
چھوڑ کر کوئے بتاں جاتا ہے تو کعبہ کو   مار پھر لوٹے تجھے بیدار خدا کو سونپا

از احوال متاخرین | فاضل بے کمال و عالم بے مثال قصبات ماست شاہ عظیم اللہ الہ آبادی المتخلص بہ بیتاب، حالا در جامعہ مشاہرہ بیتو، شاعر فارسی است، ازبرای خاطر ریختہ گویان گاہ گاہے روش سپاہی میگوید، از کلام آن دریاے جواہر بیش بہا رنگ است، ام اصالہ

دل کھو دیا میرا اس رس کے بول نے   اس وقت میں کہا ہے مرے اللہ کہاں آج
حسب قرض ملا اپنے لالی ہے جادلی   صرف کسی کی راہ دلاتی ہو جابجا
نرگس کی طرح کیا سخت مجھ کو بھاتی ہے   کہ ایک بام کی خاطر سگ گھر بدلتی ہے

عمدۂ شاعران و فاضل دوران، زاہد صافی شیخ محمد بقاء اللہ المتخلص بہ بقا از حافظ لطف اللہ کہ در لکھنؤ مشہور اند، جوان است بکمال خوبی، خوش فکر خوش اندیشہ، در شعر فارسی اسناد ال

دیگر

سو طرح سے یہ عشق لبھاتا ہے مجھے　　ہر جی میں آملہ دکھاتا ہے مجھے
کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہے ارسا　　ہر جاہ میں یہ سطر آتا ہے مجھے

دیگر

دنیا سے یہاں چلا ہوں روتے روتے　　گزری اپنی تمام عمر سوتے سوتے
ظلمات میں تھا آب بقا پر افسوس　　روشن یہ ہوا صبح کے ہوتے ہوتے

دیگر

کہتا ہوں سب حق میں ڈرتے ڈرتے　　مدت گزری دعا ہی کرتے کرتے
ہے اُس کو یہ قدرت کہ یہاں سا محروم　　سو یار کا دیکھ لیوے مرتے مرتے

معشوق کھرا ، مصطفیٰ علی بیتا ، از تذکرہ قائم معلوم شد کہ کم دل و حلوت دوست بود ، معلوم نیست کہ الحال کجاست ، دراں زماں در طبعش سرور ما ... ہلال در ترقی بود و در ربط کلام راحو ... می شید ، حد الیتس رندہ دار و ، از وست سو

سو ہے مانع جہاں میں کبھی آرام سے ہم　　بیس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
اپنے مذہب میں ہے اک شرط طریق اخلاص　　کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم
محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا ہی ہم نشینی ہیں　　کہ جو یاں یوں نہیں دکھ دیں ہم اُن کو اس طرح جاہیں
ادھر نالہ کیا ادھر وہ مضطر ہو چلا آیا　　محبت دل تھے وہ جس روز دوں میں رکھی تھیں راہیں
سر سے یہ اُس کے حط کے مار آگیا ہے اک　　اُس گل بدن میں کھینچ ہر اک دل جواں ہے
جی میں ہے اُس کی بات میں اب پھر نہ بولئے　　لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں سے
محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی　　کہ ہیں لیلی کہیں کھینچی ہیں تصویر مجنوں کی
میں کیا خلل نہ اٹھائے ولک کے کیسے سے　　کسی کو کام نہ آ اسے حدا کیسے سے
تو اپنا دل سا مرا دل نہ سمجھ ستم　　کہ سنگ سخت کریا ست آ گئے سے

تھا جو قالیچہ مثلِ گل لالا — اس سے بہتر ہے مکڑی کا جالا
یہ ستم ہے کہ ایک تھی پوشاک — بس بات وہ بس گئے کیا خاک

درتعدّی دھوک میگوید

دیکھ لو تم بھی اتنا کرکے سُراغ — ہے کہ سینے میں دھوکوں کا داغ
درزی کے دام میں بس جو رشید — دھوکوں نے اُسے کیا ہے حمید
آگے اب اس سے کیا کہے بسمل — جیسی دھوک سے اُپیہ ہے مشکل
ڈرے دھوک سے وہ جیسے تال — یاں تو اسکے حصیوں پہ ہی بال
لنگ کے زیر و لنگ کے بالا — ہے غم درد سے غم کا لا

حرف الباء فارسی

از سلک متوسطین اشرف الدین علی خاں پیام، شاعر فارسی بود، صاحب دیوان، در عہد محمد شاہ غفرا اللہ لہ۔ ریختہ بیشتر بطور ایہام کہ رائج آں وقت بود میگفت اصل از اکبرآباد است از مدتے وفات یافت او تعالے رحمت کناد از دوست ہے

بات منصور کی بسولی ہے — ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے

قطعہ

دلّی کے کج کلاہ لڑکوں نے — کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

شاہ پنچا — آزاد فقیرے بود در شاہجہاں آباد، کاغذ و قلم ہمراہ داشت ہر جا کہ می نشست می گفت و می نوشت، ہم فارسی و ہم ہندی ہے

دل مرا گرد لب یار کے منڈلاتا ہے — یہ ستمگر جو رستگر چھوڑ کہاں جاتا ہے

میرزا فاخر مکین سلمہ اللہ تعالیٰ، لیکن شوق ریختہ بیشتر دارد، با فقیر صحبتہا گرم داشتہ است خدا سلامت دارد۔

یاد میں تڑپے ہے دل کس ابروئے خمدار کی
آج کچھ ناخن بدل ہے آہ اس بیمار کی

کیا تجھکو لکھوں خط ہاتھ سے برکت گم ہے
خامہ بھی مرے ہاتھ میں انگشت ششم ہے

گل دست محبت سے جوں توں مجھے چھڑایا
تیشے ہی میری خاطر اپنا گلا سدھایا

یہ گل اندام جو صرف سے تک اک بار کریں
کام لیں زلف سے کاکل کو پیں مار کریں

دیکھیے منصب مجنوں ہے یہ لیلیٰ صفتاں
خاک ہیں ہم کو ملا کس کو سزاوار کریں

بسمل تخلص گدا علی بیگ سپاہی پیشہ جوانے است اللہ رہ سک جو درہیں آباد استقامت دارد۔ دیوک نامہ (دیمک) از وستہور است، دیگر شعر ملیدش بسمع نرسیدہ خدا ایش سلامت دارد۔

از دیوک نامہ

جب کہ دیوک کی فوج چلتی ہے
زلزلے سے زمیں دہلتی ہے

وہم دیوک مار واسطے کے سال
ہیں ستارے بھی آسماں کو زوال

در و دیوار گلس و محمل
ہے لگے دیوک کی خاک سے کہگل

ہے لگے اک مہرباں عالیشاں
ٹھیسے اب ماجرے کا اُن کے بیاں

کہیں دیوک نے یہ کیا ہے خلل
جیسے کچھ اُن کے گھر میں ہی کو کھل

دیکھے وہ نقش کی اگر صورت
تو نظر آئے خاک کی مورت

مثنوی مجموعی مانیوں کے تھاں
کر رہیں ہیں اس قدر ہم یکساں

کیجئے گر آں سے نقش کی تکمیل
سے یک حار کا ہمدمی قندیل

اُن کی مسند کی کیا کروں تقریر
نقش ہے ریزۂ خاک بہ تحریر

چاندنی کو اگرچہ سمجھو آب
پھر تو معلوم ہو تو سکے سراب

دیکھ اسکو خواب میں جب آنکھ کھلتی ہے صبح — کیا کہوں کیسی قیامت مجھ پہ لاتی ہے صبح
پاس تو سوتا ہے چنچل پر گلے لگتا نہیں — بیٹھ کر روتے ہی ساری رات ہو جاتی ہے صبح
جہاں تک تو رہے دے جفا دم کو — کہاں نہ تھیں اور کہاں آ پھنسا ما
ترے غم سے لبیاں ہی باں تک تو مجکو — ادھر بات کہا اُدھر بھول جاتا
آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا — جس کو دیکھا سو طالب ہے مطلب کا
تھا دوستی سے جس لیے جی آہ — وہ اب دشمن ہوا ہے میرے جی کا
نہیں اک لمحہ تنہائی سے فرصت — الٰہی دل لگا تھا کس گھڑی کا
ہمیشہ رات کو عبروں سے رہتا — پھر آ کر صبح کو یوں ہم سے کہتا
جو یار آیا تو میں دو لگا رکھائی — تم اے آنکھو کہیں مت پھوٹ بہنا
عجب احوال ہے تاباں کا تیرے — کہ رونا رات بس اور کچھ نہ کہنا
تمہارے ہجر میں رہتا ہے ہم کو غم میاں صاحب — جدا جاتے جئیں گے نا مرینگے ہم میاں صاحب
مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں رقیبیکی — لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت
ہاتھ میں اس کے ہاتھ تھا یہ بات — دل مرا گم ہوا ہے ہاتھوں ہاتھ
غیر کے ہاتھ میں اس شوخ کا داماں ہے آج — میں ہوں اور ہاتھ ہے اور میرا گریباں ہے آج
ہم کو ہجر میں ایکدم اب جاں جدا ہے محال — تم جو ہوتے ہو جدا لیکن ہمارا کب علاج
شکوہ عرض ہی نہیں کسی آشنا سے شوخ — کوئی مرے کوئی جیئے تیری بلا سے شوخ
بتاں کے عشق میں ہیں کیوں ہوں شاد — کہ اُن کو دیکھ آتا ہے خدا یاد
لے دل کی خبر جسم مرے یار کی کیونکر — بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر
آشنا تو مجھ سے ایسا ہے کہ جدا چاہیے — پر جو کچھ جی چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں
مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو — ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو
تو بھلی بات سے بھی میری خفا ہوتا ہے — آہ یہ چاہنا ایسا ہی بُرا ہوتا ہے

حرف التاء

اول ذکر متقدمین | میر عبداللہ **تجرّد** تخلص از شاگردان سید عبدالواسع است قدیم
است، احوالش معلوم نیست، از وست ؎

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں — خورشید کیا ہے اسکی فلک کو خبر نہیں

ذکر متوسطین | ابوالحسن **تانا شاہ** رحمۃ اللہ، از بادشاہان دکن بود در
کمال عیاشی بسر برد این مطلع از بس مشہور شدہ بزبان دکن ؎

سکن ہر کہوں کال جاؤں میں مجھ لیہیں بھرا ہے — ایک بات کہے ہو گئے سکھ یہاں جیو مارہ ہے

میاں صلاح الدین المتخلص بہ **تمکین**، درویشے بود در وقت فردوس آرامگاہ، بسے
کار داشت، بہر نوع اوقات بسر می برد، این مطلع از و گوش خوردہ ؎

حُسن اور عشق کو جن نے کہ ایجاد کیا — مجکو دیوانہ کیا تجکو پریزاد کیا

میاں عبدالحیٔ المتخلص بہ تاباں در وقت محمد شاہ بادشاہ مشہور و معروف است
در وقت خویش نظیرے نداشت شہزادہ بود بکمال حسن و وجاہت تمام عالم فریفتۂ حُسن او
بود بلکہ گرم بازاری ریختہ از ان شعلہ رو دو بالا شد اکثر اشخاص این فن را وسیلہ ساختہ دخیل
صحبت او میشدند، شاعر نادرہ و رنگین طبع بود چہرہ کلامش با حُسن یوسفی و احسن القصص نیالش
باگرمی عشق یعقوبی عاشق معشوق مزاج بہ یک طفلے **سلیمان** نام تعشق داشت شراب بسیار
میخورد چون بہشت بہشت دور از حیات او باقی ماند توبہ کرد از لیکہ بسبب کثرت استعمال شراب
مزاج او سدہ بود از گرانشتی او از جو دگر شت غرض آفتاب تاباں عمر او در شروع سن
جوانی پنہاں گردید خدایش بیامرزد ؎

اخگر کو جمیا داکھ میں دیکھ کے سمجھا — **تاباں** تو یہ جانک ہی جلتا ہی رہیگا
جب نا رہرا اگر اجلا لے سے ای تاباں — سب حُسن کو ہیں اسکے کریا دوست دیا

ترے عتاب سے کس دن نہ رنگ و بو اُڑا / کہ مرغ روح مرا اُس کے دو بدو نہ اُڑا
مرے او ساں سے رکھا مجکو یاں تلک محروم / کہ بعد قتل بھی دامن طرف لہو نہ اُڑا

رباعی

تجھ ہجر میں اے لشکر خوباں کے شاہ / سینے پہ مرے غم سے ہی یہ حالت آہ
جیسے رکتی ہے پُل پہ دریا کے بھیڑ / پیچھے کو نہ پھر سکے نہ آگے کو راہ

حرف الثاء

درین فصل از متوسطین **ثاقب** تخلص مردے درویش گرستہ است، از شاگردان میاں آبرو، در اداے شعر خود پیش **خان آرزو** مگر رساید از وست ؎

ثاقب کی نعش اوپر قاتل نے آکے پوچھا / یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازا

شجاعت اللہ خان از شاگردان میاں حسرت است **ثابت** تخلص دارد، از متاخرین است سینۂ نواب تیر افگنان سرہ نواب دل دلبر خان، اصل ایشان از پٹی کہ قصبہ است متصل شاہجہان آباد و بیشتر گاہ گاہے فکر شعر داشت الحال از مدتے راغب ما بیکار سے شو وحد است سلامت دارد ؎

یہ سچ کہو کہ کیا کس نے بدگماں تمکو / غبار میری طرف سے ہے اے بتاں تمکو
ہم آپ جاتے سو اُس سے عرض کر لیتے / ہمارا حال نہ کہنا تھا دوستاں تمکو
میں ہو اکل جو یار سے رخصت / ہوا اختیار سے رخصت
قتل بلبل کے مر گیا **ثابت** / ہوئے ہی گلعذار سے رخصت
کیا ہی اے اضطرار روتا ہوں / جس گھڑی مجکو یاد آتی ہو
آئے ہو دل میں تم تو کبھی یار اس طرف / پر دیکھے ہیں کبھی اے یار اس طرف

ریناتھ سنگھ محرر دلیر پرد مولوی سیطر صاحب کمال نہ س ہفتاد سال از معتقدان

عاشق نے وقتِ مرگ کہا یار سے یہی — سمجھوں گا تجھ سے حشر کے دن دیکھ تو سہی

تاباں نے تجھ کو دیکھتے ہی ایسا جی دیا — سے پیا یا تری نہ ایسی ہی کچھ کہی

کہاں ہیں فرض کہ محشر کے تئیں مجھے تجس — جو ہووے تو فردوس بھی جہنم ہے

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے — تجھے بے مروّت مروت کہاں ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی — مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

گئے نالے سے ہر نا دمانِ حزیں حسب رہ — اثر دکھا تری فریاد میں دل ہم نے بس جُنت رہ

ترے ابرو کو نہ چھوڑے گا مرا دل ہرگز — گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

تو نے پی اس قدر ظالم کہ تجھ کو کیف کم ہووے — ترا ہوش ہو چکا ہمارا ہوش کھویا ہے

بتاں کے شہر یار سائیں کب کوئی داد کو پہنچے — مگر یاں اپنے سجدوں کی صدا فریاد کو پہنچے

ہزاروں یار صاحب ہوس کی یار سر پھرتی ہے — ولیکن مقابلے کی ہمیں تقدیر پھرتی ہے

سلیماں کیا ہوا گر تو نظر آتا نہیں مجھ کو — مری آنکھوں کی پتلی میں تری تصویر پھرتی ہے

کہے ہیں اثر ہیگا گریہ میں سو ہیں نا ہیں — اک دن بھی نہ یار آیا روتے ہی کٹیں راتیں

کر یاد تری ظالم رو رہا ہوں میں ہر ساعت — غصے کا نہ ٹھکرانا اور پیار کی وہ باتیں

ہونٹوں پہ تیرے ظالم مسّی کی یہ دھڑی ہے — یا آگے تئیں کسی نے مل مل کیا ہے سلا

رباعی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی — سجدہ ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی

ہے مجھ کو خمار شب کا لا صبح ہوئی — شیشے میں جو کچھ کہ مے ہو باقی ساقی

سید نجیب الطرفین ارمزتہ گویاں حضرت ابا عبدالرحمن سید محمد تقی عرف میر گھاسی فقیر او را ندیدہ لیکن اکثر اوصافِ آں بزرگوار شنیدہ مولد شاہجہاں آباد و الحال بطرف فرخ آباد استقامت دارد، گاہ گاہے فکر شعر ہم میکند از وست ؎

تو ہوا در باغ ہوا اور زمزمہ کرنا بلبل — تیری فریاد سے جیتا ہوں نہ مرتا بلبل

ابن مثنوی از وست ــــہ

سوائے طوطی روحانی مت | نہ کر الفت نہ رنگیں پیجرۂ تن
نہ تو یاں سے نہ یہ پیجرا رہیگا | ملا کر لال تجھکو کیا کیے گا

جعفر ہو سان جہاں دم غنیمت است | شادی نصیب اگر نشود غم غنیمت است

خان عالیشان جعفر علی خاں ولد مرزا موسیٰ بیگ جوان محمد شاہی

از متوسلان نواب عمدۃ الملک امیر خاں بود با دشاہ عالیجاہ محمد شاہ رحمۃ اللہ بہ منصب سہ ہزاری سرافراز ممودہ بود در دیل امرایان مشہور بود، ذہن ودکا وطبع رسا داشت، سوائی نام نامہ بر تعشق داشت چنانچہ این مثنوی در عشق او گفتہ مشہور است۔

الٰہی شوق سے دل کو جلا دے | برہ کی آگ تن من میں لگا دے
جلا دوں کلکھڑی مجھ ناتواں کو | شرر لبریز کر ہر استخواں کو
بنا کر عشق میں یوں جاں سیاب | کہ جوں آتش میں کھپ جاتا ہی سیماب
وحدت کی آتش سے دوئی کو | سرلس سے ایک جیگا ری روئی کو
محمد باعث ایجاد ایمان | کہ جس کے واسطے آیا ہی قرآں
مقرر ہے کہ سِرّ ایجاد کا مدار | دکھاوے جنبش اول آخر کار
اسی سے جان ارفع اسکا پایا | کہ سب پیغمبروں کے بعد آیا
علی ہی شاہ اورنگ ولایت | شریعت کا معین دیں کا حمایت
ہوا کعبے سے نور اس کا نمایاں | کہ جوں ظلمات ستی آبحیواں
کیا معراج پر ستیرا نہ دھاوا | لیا افلاک پر چڑھکر چڑھاوا
رسالت کی گرداب سر گھر کا | ساتھے دور ایوان پا ئیچ در کا
قضا کے راج کی صعنگری دیکھ | سی کے گھر کی یہ بارہ دری دیکھ

مواجہ مہر درد است، در علم تاریخ چناں فکرش رساست کہ اکثر قصائد دارد کہ در ہر مصرع تاریخ ممدوح برمی آید بہ فرمائش یاراں تاریخ چہال مارگفتہ است ما فقیر بسیار آشنا است سلامت باشد تاریخ چاہ گفتہ مصرع

آب از یں چاہ بے لطف برآید

تعمیۂ آب بسیار مناسب افتادہ کہ بہر ازیں تعمیہ گردیدہ -

حرف الجیم

جنون تخلص اکبرآبادی از قدیم است دیگر احوال نگوشش نرسیدہ از وست ؎

یہ جا کوئی کہے سے کہ نہ کوئی درس کو بہیجا | تھی جس یہ بری مہر وہی جیرسے بہیجا
جنوں کا ماں تلک ہے گرم بازار | کہ تیغ بھی یہیں سر کا خریدار

از احوال متوسطین امیر جعفر زٹلی نادرہ زماں واعجوبۂ دوراں بود لے علیٰ والدے لیے ہمہ کس از و ملاحظہ میکرد بدار سکہ دراں زمانہ عالم غریب داشت چیزے میداد و بدور باشش میدمیکرد بدالحال اگر کسے در ہجو کسے گوید مدح خود می شمارید عرصیکہ میر مذکور در ہجو و مدح بطور خود خوب میگفت - در مدح اعظم شاہ گفتہ ؎

بنگیں سلماں کہ تاشدہ بود | ہمیں اسم اعظم و روکشہ بود

نقل ست کہ روزے پیش مرزا بیدل رفتہ مرزا در فکر مصرعہ مصروف بودند ملتفت نشدند بر سید کہ صاحب قبلہ کدام مصرعہ فرمودہ اند گفتند مطلع و آں ایں مصرعہ بود ع لالہ بر سینہ داغ چوں دارد -

میر مسطور گفت دریں تامل چیست ع

جو تکے سپر زیر کوں دارد

مرزا ازیں معنی بہم برآمدند و چیزے دادہ رخصت نمودند اکثر بامر ابد

مولدش شاهجهان آباد، طبع موزون داشت، اکثر فارسی می‌گفت گاهی هم غزل ریخته از
سر یادگار ماند که قلمی خواهد شد، می‌گویند که پاسِ تکیه ارآشنایانِ او جانی خانه جنگی رو
داد، آن جرسته در معرکه درآمد و سر را گشت و خود سرگشته شد، عوضِ که ناجان ار
یاران دریغ نکرد، خدایش بیامرزد، ازوست ؎

آتش دہِ چمن ہو یا برقِ آشیاں ہو | اے مرغِ نالہ کچھ ہو کیفیتِ پریشاں ہو
شاید کہ پہنچے تجھ تک واماندہ کوئی ہم سا | آوارہ ساماں لے گرد کارواں ہو
کر ہو سکے ہے تجھ سے اُٹھا لے غبار پیچوں | ماہے کے ساتھ تو بھی اک دو قدم رواں ہو
اتنا لے وہاں تو جو ہے ہو عاشقی میں | منھ پر تو ہوئے نالہ اور زیرِ لب فغاں ہو

میر مستقیم سیدزادهٔ عالی همت، متخلص به رآت، از جوانان محمدشاهی است
مدت ادارد در عصر بیش به شاهجهان آباد دیده ام، بسیار خوش رو بود که به اختیار دل
مایه رند چالاک شنیده ام که بطرف پورب به لباسِ درویشی بسر می برد، سلامت باشد
روست ؎

ہر شب مرے سینے شعلہ ساماں کر دے | دل تو جلتا ہے پر اسے چراغاں کر دے
پاؤں صحرا میں دیوانوں میں مری عزت ہے | اپنے ہاتھوں سے مرا چاک گریباں کر دے
دل گلشن میں یہ موسم کی لے آئی ہے | کہتے ہیں لوگ کوچے میں صبا آئی ہے

میاں رمضانی جولان تخلص، جوان محمدشاهی کم ادارے بطرز و دیگر احوالش
معلوم نیست ؎

سنتے ہیں رات دن جاتے تجھ بن | ہم بن گئے ہم سے تم کیا تجھ بن

از احوال متاخرین | میر علی حمید، شاگرد شاہ حاتم، حال کلهٔ از متاخرین ریخته
دالش معلوم نیست، کلامش کنکی یافته ؎

جو لگ گھروں میں بیٹھ کیونکے سوچ جاتا | لڑوں جا کر فقیروں سے یہی اب لیں آتا ہے

نبی کی آل پر سے وار جانا | اسی بارہ ٹلی سے پار جانا
خدا تک اس نے پہنچایا ہے مشکل | کہ بارہ کوس کی ہے ایک منزل
اگر فہمید حکمت آشنا ہے | اسی لیے ہیں چودہ تذ نا ہے
صفا اس کے سا گوشتوں کی دیکھ آں | نجالت سے رہے موتی پکڑ کان
رس گلگر لب میں مار کی ہے | کٹورے میں پیئے ہی پھول کی مے
مگولا گمر ہوں کا رہموں سے ہے | نشاں لشکر اہل جنوں سے ہے

این مثنوی حقہ بہ فرمائش فردوس آرامگاہ ارادول حیدر بیگ گفتہ و بعدہ مسال جاگم ما تمام رسا شدہ ایست۔

تماکو کو سجا لو کیا سبب ہے | ملا ہے گڑ سے اور کیونکر ملا ہے
طلب گڑ کی اسے ہے اس سبب سے | ملاوے گڑ اسے پیارے کے لب سے

از اشعار اوست ۵

بلبل کو باغباں سے نہ ہے بس کھٹا پٹی | تا صبح کیوں نہ ہووے چمن میں چٹا پٹی
آنکھیں ہیں ٹک کر سامنے تیرے لیے | یہ چشم سیاہ و سفید سیٹا پٹی
خاکساری پر یہ کر مودی کی سرگر اعتنا | جو نمک ماٹی میں ملے تو بھی لہو پیتی رہے
عشق میں بلبل کو کیا نسبت ہے پروانے کی ساتھ | وصل میں جل جاوے وہ یہ ہجر میں جیتی رہے
پروے کیوں نہ ہر اک بات میں تی وہ تیسی | صفا دانتوں کی رہتی ہے مسی میں تیغی
ہو کھوجی کھوکے کارواں منزل ڈھ رہ گئے | جدا جانے کدھر یہ سر دیا جانے کیکے بہکے

مرزا احمد علی" چراغ بزم آشنائی و شمع انجمن آرائی پیچ شجاعت راجو ہر ذکاں مرو سارا گوہر مرزا احمد علی المتخلص بہ جوہر مردے بود در نہایت حلم و اخلاق در صحبت داری و مارماتی چالاک وحیت و در کار آشنائیہا درست، از زبان شیخ اسراری سلمہ اللہ شنیدم کہ اکثر مجمع شعرا در خانہ او میشد، اصلش از ایران بود،

میوه در غزل تخلص می آرد مصاحب شهرت پیشه قابل و قابل دوست، خدایش سلامت
باکرامت دارد از وست ؎

لگا جو ہاتھ تو خط سے یہ ملے — گھسیٹا پھر مجھے کانٹوں میں لے
چھوڑ جا رہے دل کی خبر اے لب متکلم — صبح کا بھولا غنیمت ہے جو پہنچے شام کو

میاں قلندر بخش المتخلص بہ جرأت، از شاگردان میاں حسرت، جوانیست
خیلے رو خوش خلق و بذلہ، کلامش نمکین و بیانش شیرین، دستگاه سخن چون دل
صاحب ہمان مزاج دیگر از معاصرین چون میوه آزرده ساخته در شاعری، اصلش از شاهجهان
آباد، لیکن نشو و نما در فیض آباد دریافته، شوق شعر از حد زیاده دارد اگرچه بارها در علم موسیقی و ستار
نوازی بیرون شتے بہم رسانیده لیکن آنچه گوید دل از طرف شعر است که گاہے فکر بیمار
بسیار در رسید و گداز است، مثنوی ہجو بر ساز مشتمل نامہ ہم گفته در پیش جوانی بسیار
تحمل و حیا بسر می برد، خدایش سلامت دارد ؎

کیا سحر کیا ہے یار دل کو — تجھ بن نہیں قرار دل کو
آسے کی جب خبر اسکی لیکن — آتا نہیں اعتبار دل کو
تب تھم تو اسکے پھرے یاد ہیں — تب صبر ہو اس فگار دل کو
نالہ و آہ و فغاں مرا ہی دم بھرتے ہیں — آپ کا جان کے سب مجھ پہ کرم کرتے ہیں
ہے غم ہجر ہی میں سیر وصال دوست — اب کچھ خیال دل میں نہیں جز خیال دوست
ہے ملتا ہے وہ ایک ہم سے ملاقات نہیں — آہ کیا کیجیے دم مارنے کی بات نہیں
وصل کی رات مرا جی ہی نکل جاتا ہے — جھگڑا آوارہ آتی ہے کہ اب رات نہیں
اس کے کوچے میں گئے مارے گئے ای ہمدم — ہے مساوات نہیں دل کو مساوات نہیں
اپنا میں درد دل اس طور چھپا رہتا ہوں — حسب حال اس کو کوئی شعر سنا رہتا ہوں
بات مت کس کی سنوں آہ کہ اک عمر جس — شور میں لیتے ہی نالوں کے سدا رہتا ہوں

خمار آلودہ پاتا ہیں کاہے غیر صحبت میں ... سحر گاہ رات تو جاگا ہی کیوں آنکھیں سا ماہی

میاں حکیم خالہ زادۂ میر انگشان، دعوے شاگردی مرزا مظہر سامدار مظاہیراں

بیت خدایش سلامت دارد ع

اے دل مریض عشق کو آرام ہے بھلا ... جینگا ہو تو سمجھے یہ بیمار ہے بھلا

میر مظفر علی المتخلص بہ جذب در عظیم آباد استقامت دارد گاہے فکر ریختہ مینماید

سلامت باشد ع

ہے جنوں کا زور طوفان ادلوں ... میں ہوں اور میرا گریبان ادلوں

میاں محمد روشن المتخلص بہ جوشش۔ در دست ساکن عظیم آباد خوش طبیعت

و نیک اعتقاد ست شعر شیرین کلام صاحب دیوان، از خاصان آں و بادراست پنده

با وے ملاقات نکردہ ام اشعارش بہ فقیر رسیدہ مگر چند بیت از

رباعی مرزا فدوی سلمہ اللہ رسیدہ بود بہ نگارش می آید مشتے نمونہ از خروارے،

خدایش سلامت دارد ع

ہوا نہ جدا کبھی ہو اپ آغوش سے مجکو ... کرامت دیکھیوے پا ہوا لی دوش سے مجکو

دل میں ہوا اپنا قرب میں آئینہ سا پیدا کروں ... وہ مجھے دیکھا کرے اور میں اسے دیکھا کروں

چوں آئینہ بہ رستم رسیدہ ... رہتا ہے مدام آب دیدہ

ہیں داغ میرے جو دل عوں گرہ ہائو ... مخلوق ہوں اس دہر میں ہم یکہ طاؤس

کلامش با عوام اسپ سخن میگایت کہ او در تالیف تذکرہ مشغول است۔

خان عالیشان بلند مکان برادر زادہ نواب روشن الدولہ مغفور ولد مظفر الدولہ

خان عالم خان، بحر ذخائر طبعش از گوہر نثر و نظم لبریز و احکام صدق مساعیش چوں بید

عاں جواہر خیز گوہر طبعش از رشحۂ خورشید آسا چہرہ سہیل جلش از زلف نکویان تاب

بردہ بحشش سحاب و شعرش چوں در یتیم نایاب، در اوائل مشق سخن از میر سوز

ہجر کی زندگی سے جدا کبھی　　کہ ہمارا بیکسی میں وصال ہوا

تو نہیں ہو کچھ تنہائی میں ہے　　[illegible] میں ہم یاد ہمرا

حاتم نہیں کا تجھ بن کون ہے　　کون ہوگا جو ہو سکا تو ہمرا

سچ سے یاد کر نامہ لکھا او ہم بھی نامل　　کیا سے معذرت لکھا ہمیں کا عذر جدائی پہ

ہم سے تیرے میں جاتا ہوں پھر کہو تو　　کہ آسمائی کا حاتم سے بار ہ بھی نہ کیا

کوئی دنیا میں ہے داد سرا و　　کوئی ایسا نہیں [illegible] فریاد

حسن سے تیری لطف پڑی ہے جھلک　　تماشے لگی ہیں پلک سے پلک

ایک دل ہاتھ لگا پھاڑنے دامن کو　　آج تک سر پہ ہے حال گریباں کے بیچ

شانہ کچھ زلف میں پسار و دیکھا　　ہوں کے دل ہیں اس میں کر شمار دیکھا

سید حاتم علی خان حاتم تخلص اسم ارسلان و تخلص است مولدش حیدرآباد گرد
بیان مضمون بوده است خدا ایشان را بیامرزد شعر

شاید محبت ایکے زمانے میں ڈس گئی　　آئی نظر نہیں جو کسی آسما کے بیچ

حشمت، عالی ہمت ولد خطاب سید محمد تقی علیخان المتخلص حشمت، ولد میر باقی، سپاہی پیشہ عمدۂ روزگار بود۔ برادر خرد میر ولایت اللہ خان، ریختہ و فارسی ہمہ میگفت، حمیدہ و منواضع مؤدب، آخر روزگار ترک بوده جانشین بود باگاه [illegible] آدوست شد
از دوست شعر

نکہت گل سے جگا اکسی ہداں کے بیچ　　پھر یہ زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دیوانوں کی خبر لو　　اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

این واسوخت از مشهور است شعر

کیوں رہے دل چاہی جیسا میں نے تجھے کہا تھا

مد دوم این سده را جوش آمد شعر

آئے جو یار وا سا ہم دیکھا کریں — دیکھا غیروں سے باہم رسم کیا کریں
کبھو تو نکلے آرزو دشنام تیغ و تلوار کی — ستم تو مرتا ہے کہا تک اور ہم دیکھا کریں
ہم کچھ اسیر ہونے ہی خاموش ہو گئے — سب چہچہے کے فراموش ہو گئے
جس اس دل کو اک آن تیرے بن آ نا — واں کیا رات ہوئی رات گئی دن آیا
صیاد سے ہوا تو یہ اعجاز داور کی — یہ میرے کا کاٹے اور یہی فریاد داور کی
جرأت وصل ہو چکا مارا ہی جائیگا — اسکے جو اس سے پھر کہیں فریاد داور کی
کیوں نگراں ہے جو کچھ ٹھانی ہے تو دل میں — سب مرے ہی یہ عیاں ہے تجھے معلوم ہیں

جلال الدولہ جلال الدین وکیل مرہٹہ متوسل نواب عماد الملک، ازوست

مائیں مسند پہ بیٹھا جسے دل میاں صاحب — چاروں کے فرش پر کیا عالم چھاتا ہے

حرف الحاء

اول احوال متقدمین | حبیب وحسن تخلص از حاکم دکن بوده اکثر اشعارش را در تحرکت سطر آمده چون الفاظش ربط بیکدیگر نداشت بقلم نیاورد،

حیا، تخلص ہم سے گذشته است چند شعر در سلک متوسطین دیده شد اعلمکه دل ناشد احوالش معلوم نیست و شعرش ربط نگوید، ازوست

حیا کی تیغ کا نہ کی کا بقصہ — عقیق جا کھو شیریں سخن کو

احوال متوسطین | شیخ محمد حاتم المتخلص بہ حاتم، شاعریست صاحب کمال وسیدہ احوال، عالی فطرت، ولی ہمت، ہم عصر میاں آبرو، دو دیوان ترتیب داده یکے بزبان قدیم بطور ایہام، دوم بزبان حال ادا نموده، شہرۂ اشعارش بسیار است اکثر شعر لہاسے اور نغمہ سرایان ہند محو اسد، تا حال در شاہجہان آباد مقیم است ازوست

مثال بحر موجیں مار رہا ہے — کیا ہے جسے اس جگ سے کنارا

از وست ؎

یہ کس طرح کا زخم لگا تھا حسن کے   اشک ہے یہ ہے حسن دل کے گھاؤ سے

از احوال متاخرین میر حسن المتخلص بہ **حسن** در کمال خوبی و اخلاف ظاہر حالش ملمع دنیا داری آراستہ و باطن بہ زیور فقری پیراستہ، مدتے در صحبت بوس حال بسر برده گاہے دو سہ بیت میگوید خدا ایش سلامت دارد از وست ؎

تھی ہمیں سیر کونی دل اُسی میخا سکی   اب جدھر ہے یہ صراحی کی بیمیا ہو سکی
تیغ ابروے تو ماراہی تھا گو زلف ہو   غیر زنجیر جنوں کوں لے دیوا سکی
اے حسن آپ کو سمجھے گا تو کیا اس جیب ہ   سر حق ہے یہ نہیں بات تیرے پا سکی

خواجہ حسن گلشن بوستان آشنائی و سرو گلستان رعنائی خوش فکر و خوش سخن متخلص بہ حسن ابن خواجہ ابراہیم نبیرۂ حضرت خواجہ کمہاری قدس اللہ سرہٗ از ورثہ مداب خواجہ مودود چشتی، جوانے است درویش صالح متقی و متواضع، مودب، در فن طلسم و شعبدہ بازی سرمایہ دار است مدتے بطرف بریلی اقامت داشت چوں از تخلص فقر واقف شد سابق حسن، تخلص نمود الحال بہ قصبہ آباد اسقامت دارد خدا اش بسلامت دارد

از وست ؎

دل دلاسوں سے کرے ہے بیقراری بیشتر   جائے ماتم ہیں ہوئی ہے سے زاری بیشتر
صحبت سنگیں دلاں سے کیوں نہ ہو جو سر بزیں   سنگ سے شمشیر کو ہے آبداری بیشتر
کب میں کہتا ہوں کہ میری جاں چلے سے رہے   پر ٹک ایسا ہو کہ یہ دل تلملاے سے رہے
ہے ابھی تھی تو کچھ چوری نہ کی تھی آپ کی   لے سب جو آپ اب ادھر کے آئے سے رہے
آہ کس کس بیوفائی کا میاں کیجے شمار   اور تو سب یکطرف منہ بھی دکھانے سے رہے
اُسے کس کس طرح اپنے در سے ٹالا ہم کو یہ   دیکھ تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے

حجام تخلص تحصے است حجام در شاہجہاں آباد، متصل مدرسہ غازی الدین خان

حاسداں تم کو جدا سن کے بہکاتے ہیں — ہم سے دل توڑ تمہارے کو وہ بہلاتے ہیں
کیا ہوا تم کو بھی اس گرچہ وہی بھاتے ہیں — آج کل جو تمہارے سے وہ سب جاتے ہیں
پھر وہی تم ہو وہی ہم ہیں وہی باتیں ہیں — پھر وہی عیش وہی دل ہیں وہی راتیں ہیں
بار درد است کہ زلفِ تو بود در دستم — من ہماں عاشقِ دیرینہ کہ بودم ہستم

میر محمد باقر مردیست از سلکِ متوسطین متخلص بہ حزیںؔ از سادات اکبرآباد دیبا ہی بیشتر شاگرد میرزا مظہر، از مدتے بطرف بنگالہ رفتہ، خدایش سلامت دارد۔ شعر

اس بیوفا کے عشق میں کچھ مجکو حس نہیں — پاؤں تلک بھی جائے مجھے دسترس نہیں
ویراں ہوا ہے باغ خزاں سے یہاں تلک — چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں
جس دن سے میں سنا ہے کہ آخر ہوئی بہار — اس دن سے چھوٹنے کی مجھے کچھ ہوس نہیں
کیا کیا گزرتی ہووے گی اسیر چمن کے بیچ — ان بلبلوں کا ہائے کوئی دادرس نہیں
کس کس مزے سے دھوم مچائی تھی تنکے سات — جاتی ہے یوں بہار حزیں ہائے بس نہیں
کہا میرا اگر وہ شوخ مانے — تو غیروں کو نہ دیوے اس پاس جانے
حزیں اک دم نہ جیتا تھا سجن بن — سو یوں گزرے جدائی کے زمانے
وہ کہ ہے ملکِ مسلّم جسے یکتائی کا — خوب لگتا ہے مزہ عالمِ تنہائی کا
میں تو سیدھا ہوں ترے جور و جفا کا لیکن — سخت دھڑکا ہے مجھے اس دلِ سودائی کا

محمد علی حشمتؔ تخلص از شاگرداں محمد علی بیگ **قبولؔ** تخلص، مردم کشمیر بود، استاد عبدالحی **تاباںؔ** شاعرِ مربوط گو، وقتیکہ بود ہمراہ قطب شاہ رہیلہ کشتہ شد، خدایش بیامرزد۔ شعر

جب آخر ان چمن میں ہوئی آشنائے گل — تب عندلیب رو کے پکاری کہ ہائے گل
خط نے ترا حسن سب اڑایا — یہ سر قدم کہاں سو آیا

میر احسن علی **حسنؔ** تخلص برادر جعفر علی حال، ابن الست در مرثیۂ امام علیہ السلام

کٹی شب کس طرح یہ ہماری جیسے ہے حیراں — اب آیا دم میں آیا دل یہاں باتوں میں کٹتا ہے
اٹھے جا سکا نہ واں دیکھوے نہ رات کو ڈھب — دیکھے کیسی ہے آن پڑی بات کو ڈھب
رہئے ہیں کوئی گھڑی دل نہیں لگتا ایسا — یا رب آپڑی ایسی ہیٹ اوقات کو ڈھب
درد دل عیسیٰ کے ہونے سے نہ کچھ پایا — کل میسر ہوئی حیراں کو ملاقات کو ڈھب
لطر تیری ادھر کو اس طرح سے اڑتی ہے — کٹری فوج جیسے لوٹ پڑا کسا رپڑتی ہے

قطعہ

کل کہا میں نے مرے گھر چلیے — اس میں کچھ کم ہو گی مجھو لی
سن کے تیوری بدل کے کہنے لگا — رسم و راہ ادب کو سب اٹھو لی
مجھ سے کہتا ہے مرے گھر چلیے — دیکھئے اختلاط کی جو لی
کلمہ منہ گیا کتنا کر کے ہائے بیدردی — آنکھوں میں ہی چھپا لے ماکہ ایجا و بیدردی

از شعرائے دوراں وفصحائے زماں عجیبہ مجلس محبت میاں جعفر علی المتخلص بہ حسرت
طبعش از جمیں جو لی شکل طوطے برخاستہ و درج قطرتش رستہ سجدالی ازجواہر معانی
آراستہ تربیت عندسی ساختش رافوام عالی و گوہر طبع روانش بہ نظم متوالی خلف
میاں ابوالخیر کہ بہ پیشۂ عطاری در لکھنؤ متصل اکبری دروازہ بسر می برد، حوالی طبعش
از حد گذشتہ قصیدہ ہا در زمین مشکل گفتہ، فکر ہر کس بقدر ہمت اوست، حالا
وسیلۂ فن شاعری در سرکار جس علیخاں بہادر سر وارانست، مدتے اصلاح
سخن از رائے سرب شگفتہ گرفتہ الحال معروف است غرض مثل او پیدا نیست حالیش
سلامت دارد کثرت شاگرداش حیالست کہ درصورت شناسی خود ہم حیرانست ایں ۵
کس کا ہے جگر جس پہ پیدا اوکرو گے — تو دل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کرو گے
رنگ آنکھ لے والے یہ کیا زندگانی ہے — کہ جس کے پاؤں پڑتے ہیں اسی کو سر گرانی ہے
جبتلک سینے میں دل تھا داغ بھی جلتا رہا — پھر چراغ اس گھر ہوا تالک جو تھا جلتا رہا

دوکانِ سخن را گرم داشته مضمون تراشی مے نماید لیکن از بس شعرا و معلوم میشد که کلامش
بے اصلاح است در موشگافی معانی قصور دارد شعر اینست ؎

کام کیا ریختہ حجام نے
شیخ کی داڑھی کو قصر کر گیا

میر صاحب نصیری درویش گوشہ نشین بکمال صلاح و تقویٰ متواضع و مؤدب
از مریدان حضرت پیر دستگیر ام الصالحہ کہ الحال جانشین حضرت خواجہ محمد ناصر نور اللہ مرقدہٗ مسند
نشین ہما جا اند در وادی سر خود از سر اعتقاد سری برد، شوق شعر مرتبہ دارد کہ در گفتن
نمی آید اشعار بسیار جمع کردہ چون در اول اکثر شعر و سخن دارد گاہ گاہ بعد از سال
و ماہے شنیدہ یا رباعی موزون میکند خدایش سلامت دارد، رباعی از وست ؎

دنیائے دنی کو جو کہ فانی سمجھے
اور قصۂ عمر کو کہانی سمجھے
دریائے حقیقت کو وہی جانے ہیں
جو مثل حباب زندگانی سمجھے

حضور تخلص شخصے ہندو در شاہجہان آباد در طب دانش بسیار دارد ؎

زبانِ شمع سے روشن ہوا اہل مجلس پر
کہ یاں جو دم گزرتا ہے ترقی ہے تنزل میں

میر حیدر علی گلِ بوستانِ سادات و سرو جویبارِ شرافت از نجبائے زمان میر حیدر علی
المتخلص بہ حیران، جوانے است شگفتہ رو سلیقۂ سخنش بہ غایت خوب و فکرِ دلپذیرش
بے مرغوب اصل وے از شاہجہان آباد است الحال در لکھنؤ استقامت دارد از شاگردان
لالہ سرب سکھ کہ شاعر فارسی است و دیوانہ تخلص دارد، با فقیر بسیار دوستی دارد،
سلامت باشد ؎

دکھ اس سے کون کہے بات لٹا اس کہاں
کسے ہی ہوش بجا دل کہاں حواس کہاں
ہوئی ہے اپنے تئیں دوستوں سے ربط شکے
نہیں اب آپکی وسعت ہمارے پاس کہاں
ہوا ہے ہمکو بھی سیرِ باغ دیکھتے لیکن
کرینگے زیست کا کیا یاد چھٹے زیست لیکن
دلِ ستم زدہ کا آج پوچھتے ہو حال
ہم فراق سے کب کا ہوا بہشت لیکن

رُباعی

دل دردِ نہاں سے آہ کیونکر نکرے　　　یہ آہ تو ٹک کرے جواں سے نہ ڈرے
وہ شکل ہے جیسے دشمنوں میں گھائل　　　دم لیوے تو سر کٹے نہ دم لے تو مرے

پارۂ از احوال فقیر مؤلف کتاب

پوشیده نماند که اصل این فقیر ابن غلام حسین ولد میر عزیز الله ابن میر امامی هروی از هرات است. میر امامی نور الله مرقده هفت قلم و فاضل تحریر بود. به سبب فضیلت در شاهجهان آباد آمده بین الاقران ممتاز گردید. گاه گاه شعر هم میفرمود. بین عاجز سخن را سررشته شاعری اجدادی است. از موروثی حاصل که از صغر سن میلان طبیعت این فقیر بطرف فن شعر و شاعری بیشتر است. چنانکه در این فن کم و بیش موافق طرف استعداد قبولیت تحصیل اصلاح فن از مهر صیا سلمه الله گرفته ام لیکن طرز اوستادان ازمن کما حقه سرانجام نیافت بزرگان دیگر بزرگان مثل خواجه میر درد و میر رفیع سودا و میر تقی میر پیروی نمودم — شروع جوانی از گردش روزگار ناهنجار که هرگز به کسی وفا نکرده است بطرف لکهنو نیم آباد رسیدم. بارے کم و بیش از قدردانی نواب فلک جناب سالار جنگ بهادر دام اقباله طلب بالیده رسیده در خدمت میرزا الوارث علیخان بهادر صحبت گزیدم که خلف ارجمند دست خانچه با حال هر نوع گزران مے نمایم اکثر لطف باشش بوالعجب معلی القاب مرثیه امام علیه السلام نیز به گفتن می آید بلکه طبع عالی آن بزرگوار در همه فن ماهر استاد است علی الخصوص در علم موسیقی که از حضور بیان بیرون است، سوز هاے مرثیه طرح می نمایند و این حسنه برای آخرت است، اخیراً اسلے امد و سردار جنگ بهادر نیز هم طور دریا فن دهن رسا و گوش شنوا دارد حق تعالی عمر دولت ایشان را با خانه مع فرزندان قائم دارد- فقیر در این مدت قریب هشت هزار بیت گفته باشد و یک ترکیب سد و یک

چھپے تیر نگہ سے دل اگر یوں ہو تو بہتر ہے — ہے عریاں کی صورت جگر یوں ہو تو بہتر ہے
کہے وہ اپنے منہ سے قتل حسرت کو کس لئے — مرے مرنے کی عالم میں خبر یوں ہو تو بہتر ہے
سرِ تنکِ گرم یہ جس تجر سے ملے نکلے — حباب ہو کے وہیں اس پہ آبلے نکلے
تمام دل تھے جدا آہ شمع و پروانہ — ملے جو تمکو تو آپس کے سب گلے نکلے
رقیب سے یہیں لو آم ہو کسطرح ناداں — جو توڑا اس سے تو دونوں کے دل ملے نکلے

تم جو کہتے ہو کہہ دو حسرت کو ق آہ و فریاد یاں کیا کرے
آپ کا اس میں کیا بگڑتا ہے — درد دل کی کوئی دوا کرے
اے شوق کس لیے یاد تجھے آہ شتر — کی تو نے دل یہ لاکھ ستم راہ دستبرد
چھپائے ہوئے ہیں دل ترجون جماسے یہ — ثابت ہے تیرے ہاتھ یہ واللہ دستبرد
دل رکھتے تھے بساط میں حسرت سو دیکھے — اب غارت اس دیار میں ہو جواہ دستبرد
اتنا رسوا نہ دل زار ہوا کچھ ہوا — کچھ بھی یہ عشق سے سرا رہوا کچھ ہوا
دلمیں سو بات تھی پر اسے جو پوچھا احوال — مجھسے کچھ دردِ دل اظہار ہوا کچھ ہوا
سائے ہستی کے بکھرے ہیں وگرنہ دمِ مرگ — کچھ سرانجام بھی درکار ہوا کچھ ہوا
کاستکے عشق خانہ میں اس کو حسرت — میری صورت سے وہ بیزار ہوا کچھ ہوا
مثال اس شمع کے جسکو ہوا نے مد لگتی ہے — ہماری ساعت آپہنچی ہے اب خاموش ہو چکی
ہوئے ہیں اسقدر آفت رسیدہ ہم تو کہ اسہم ہیں — یہ کیفیت ہے جینے کی نہ کچھ لذت ہے رو سکی

درہندوستان رسم است کہ برائے پوشیدن پستان اکثر زنان دامن را گریبان میکنند دراں مقدمہ میگوید ع

شاید اس دامن میں سائے جوں سے تصویر ہے — تیرا دامن آج کیوں سرا گریباں گر ہے

اتنی جاگہ نہ ملے اور کہیں مجھ کو کیا
تیری خاطر سے میں آتا ہوں یہیں تجھ کو کیا

میں ہوں آئینہ تو ایسا ہے تماشائی آپ
میری آنکھیں جو تجھے دیکھ رہیں محو کیا

گو اسیر رہا تو کیا ہے پر اک روز جائیگا
محشر بپا مت ایک نہ اک دن تو لائیگا

کرتے تو قتل مجھ کو کیا ہے پر اے حسن
کیا کیا نہ اپنے جی سے وہ باتیں بنائیگا

وہ ملکِ دل کہ ایسا آباد تھا کبھو کا
سو ہو گیا ہے تجھ بن اب وہ مقام ہو کا

جز اشتیاقِ بلبل اب ہیں گل شاخسار پہ
کیا اوس پڑ گئی ہے چمن میں بہار پہ

وصل بھی ہوگا حسن تو ٹک تو استقلال کر
حال ایسا ہم سے کہہ کہ ہم کو مت بحال کر

اے گرد باد طرف چمن ٹک گزار کر
بلبل کے پر پڑے ہیں گلوں کے نثار کر

سے جبر تو ہمیں یہ حسن اس گلی میں روز
جا جا کے بات کرتی ہر اک سے پکار کر

جس طرح ہو کوئی حیراں رخِ حیراں دیکھ کر
دل پریشاں ہو گیا زلفِ پریشاں دیکھ کر

دامن صحرا سے اٹھتے کو حسن کا جی نہیں
پاؤں دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھ کر

نہ رہا گل نہ بہار ہی آخر
اک رہا حسن یار ہی آخر

اب جو چھوٹے بھی ہم قفس سے تو کیا
ہو چکی واں بہار ہی آخر

اس شوخ نے پھینکا ہے مگر تیر ہوا پر
جاتا ہے جو دل کا مرے نخچیر ہوا پر

ٹک کھینچ جدھر بار گئی جاں سو رہے مرے
ہے برق کے مانند یہ شمشیر ہوا پر

آباد شہرِ دل تھا اسی شہر یار تک
ایسا کوئی آ پھرے نہ اس اجڑی دیار تک

قسمت نے دور ایسا ہے پھینکا ہمیں کہ ہم
پھر جیتے جی پہنچ نہ سکے اپنے یار تک

دیکھا جو راہ نے مجھ کو گماں سو طرف گیا
آئے نہ ہوتے کاشکے ہم کوئے یار تک

آکر غم کدۂ دہر میں جو بیٹھے ہم
شمع ساں اپنے تئیں آپ ہی رو بیٹھے ہم

آرزو دل کی بر آئی نہ جس وصل میں دور
لذتِ ہجر کو بھی مفت میں کھو بیٹھے ہم

صیاد کی مرضی ہے کہ اس گل کی ہوس میں
نالے نہ کریں مرغِ گرفتار قفس میں

رموز العارفین گفته است که مقبول دلها گردیده مشهور شده است دوسه سه دواوین واحد قلمی جواهر شد، اول چند اشعار بر سر آن یادگار در ذیل این بزرگان مسطور می نماید تا باید که مقبول دلها افتد ؎

گرچه از نیکان نیم جو در پی سگان بسته ام
در ریاض آفرینش رسته گلدسته ام

مطلع سر دیوان فقیر حسن تخلص ؎

گر کیجیے رقم کچھ تری وحدت کے بیاں کا
تو چاہیے خامہ بھی اُسے ایک زباں کا

رکھتے ہیں نہ کچھ نام ہی اپنا نہ نشاں ہم
کیا نام و نشاں پوچھو ہو بے نام و نشاں کا

سر دیوے گا حسن دل تو حسن تیغ کو اُس کی
اسرار کھلے گا تبھی اس سرِّ نہاں کا

چھوٹا نہ وہاں لحاظ اس اپنے مہرباں کا
اور کام کر چکا یاں نہ اضطراب حال کا

وہ دن گئے کہ گلشن تھا یوں وہ باغ اپنا
اب تو قفس میں بھولے نقشہ بھی گلستاں کا

عشق کب تک آگ سینے میں مرے بھڑکائے گا
راکھ تو میں ہو چکا کیا خاک اب سلگائے گا

ہو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں
لگے لگتے ہی قفس میں بھی مرا لگ جائے گا

قیامت مجھ پہ شب اُسکا ترحّم اور تظلّم تھا
کبھی تھی گالیاں منہ پر کبھی لب پر تبسّم تھا

کہا میں کہ پھرا ہوں دل گم آپ کا
لگا کہنے صاحب کہ ہم آپ کا

کیا جانے اسکے جی پر کیا کچھ خیال گزرا
کچھ آپ ہی آپ اپنے دل پر ملال گزرا

ایسی ہی آہ باتیں اس بیوفا سے چھیڑیں
رونے ہی روتے جس میں روزِ وصال گزرا

کچھ تو صدا ہی آہ نہ جاگ بھی کہ جو
ادھر کو لگ رہا ہے حسن گوش نقش پا

لے صبح سے تا شام اُسی نام کو جپنا
اور شام سے تا صبح غم و درد میں کھپنا

اس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا
جیسے کوئی بھولے ہوئے پھرتا ہے کچھ اپنا

جینے ملنے میں تمہارے دو جہاں چھوڑ دیا
تم نے ملنا بھی اب اس دل سے نہاں چھوڑ دیا

چھوڑ دے کوئی کسی کے لیے جس طرح سے کچھ
ہم نے مستی میں تری کون و مکاں چھوڑ دیا

حال وو دل ہیں اُداس سے میرے
اُٹھ گیا کون پاس سے میرے

کبھی کبھی جو مرے دل میں ہوش آتا ہے
تو پھر تری ہی محبت کا جوش آتا ہے

دریا میں ڈوب جاوے کہ یا چاہ میں پڑے
اے عشق پر یہ کوئی تری راہ میں پڑے

آجا کہیں بتا مت کہ مانند نقش پا
ملتے ہیں راہ تیری سر راہ میں پڑے

یوں غیر کچھ کہیں تو بلا کو بُری لگے
دکھ یہ کہ ہم غریبا کو بُری لگے

اس بُت کی بندگی سے نہ آزاد ہوں جس
یہ بات بھی کہیں نہ خدا کو بُری لگے

سکھی مجکو نہیں ہر گلبدن کے واسطے
جان ملتا ہوں لیے اُس غنچہ دہن کے واسطے

کچھ شتابی جی میں اپنے اکدن تجھ سی سجن
سکڑوں سنتا ہوں باتیں اس سخن کے واسطے

بے جگہ عاشق ہوا ہے کیا کریں کچھ بس نہیں
جی تو کڑھتا ہے بہت اپنا بخش کے واسطے

کیسا ہے تو کہ تجھسے میں ہیں نباہتا ہوں
تو ہی کہیں ہو سچا میں یوں ہی چاہتا ہوں

مجھ پر تو یہ تیرا ستم و جور کچھ نہیں
لیکن ترے ہر ایک سے یہ طور کچھ نہیں

روٹھا کرے نہ کیوں وہ کسی اور سے بخش
یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے اور کچھ نہیں

حال میں جان تھی قیس کے بس آتی ہے
ناقہ لیلی کی جب بانگ جرس آتی ہے

ساتھ دیکھوں ہوں کسیکے جو کسی دلبر کو
میں بھی جی رکھتا ہوں مجکو بھی ہوس آتی ہے

رہ گئی ہے تو جزاں کے بھی گزر جائیں گے دن
فصل گل جیتوں کو پھر اگلے برس آتی ہے

جب قفس میں تھے تو تھی یاد چمن ہمکو بخش
اب چمن میں ہیں تو پھر یاد قفس آتی ہے

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو
کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو

دیکھیا زلف و رخ تمھیں ہر وقت
شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو

کیا ہے اس کوئی اور کیا رو سکے
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گزرتی
یہ ایک جان تو ہے جس بن نہیں گزرتی

کچھ ہو ہو وے ہو تیرا احسان ہر دم
اس بن نہیں گزرتی اس بن نہیں گزرتی

اس ملنے سے ہو دل کو بھلا کیونکر تسلی
دم رکتا ہوا آتا ہے لب تک ترے غم سے

اشکوں سے حسن کیونکے ہو راز دل افشا
اس کی حسرت میں ہم ہو کے تنگ آتے ہیں

حسن میں جس میں گرمی ہو جی دیوی کوں
اپنے دل سے تو کبھی ہم ترا شکوہ نہ کریں

روز و شب ہم کو اسی فکر میں گزرے ہے کہ ہم
ترے بن باغ میں جو وقت صبح گل کے کھلتے ہیں

نہ لپٹ اس طرح سے یہ زلف کو مکھڑے کے اے ظالم
سماں تھا کل محبت نے سے ترے شمع محفل میں

ہے سرا دل کی جو زلفوں کے گیا سیری میں
مردم چشم سے پلکوں کی جو [illegible] سکیں

حسن گر یار سا ہوں میں تو ما جاری سے ہوں ورنہ
حسن مت یاد کرا ان صحبتوں کو

کمی حسن جا کرے بارش تو یہ کہہ دیجو دہقاں کو
نہیں تقصیر کا ٹوٹی مرا اچھا لا ہے پاؤں کا

رہے نہ دیگا اس میں یہ دل تو اک دم بھی
ہزار حیف کچھ ابھی نہیں خبر نہ ہوئی

سب فراق میں رو رو کے مر گئے آخر
نہ سمجھے تھی جاسے قدم تھا کسی کا

نہ بہتی تھیں آہیں نہ تھمتے تھے آنسو

اک بار کہیں چھپکے ملیں لاکھ برس میں
عقدے پڑے ہیں لکھ مرے مار نفس میں

پالی کے چھڑکنے ہی سے تو ہو گی یہ حس میں
اپنے ساتھ آپ ہی کر لیے ہوئے جنگ آتے ہیں

شمع تصویر کے کب گرد پتنگ آتے ہیں
ہوں گر آزردہ بھی ایسے ہی تو بولا نہ کریں

عشق میں اسکے حسن کیا کریں اور کیا کریں
حرارت [illegible] سے جگر کے زخم جلتے ہیں

ذرا اٹھ بیٹھ لو اس دم کہ [illegible] وقت ملتے ہیں
کہ سو سو آرزوئیں [illegible] دل میں

نکلوں کیوں نکلا اک [illegible] جو سا ہے میں
ایک عالم کو لطف [illegible]

نظر ہی جام [illegible] سدا دل [illegible]
سدا اک سا ل نہیں رہتی کسی کی

کہ ابھی کشت پر برسا ہے مری چشم گریاں کو
برنگ کہربا کھینچے ہے جو دجادہ ملال کو

کہوں رو ٹھ کر ہم [illegible] عنایت کرم بھی
تمام عمر لگی یہ ہم بہ سر نہ ہوئی

یہ رات جیسی تھی ویسی رہی سحر نہ ہوئی
کبھی اس طرف بھی کرم تھا کسی کا

حسن سحر کو کیا راست غم تھا کسی کا

سبھی تو عمر تیرے آگے کہوں ٹک ایک بیچارا ہیں ہم یاس میرے دل ہی جو رکھوں لئے یہاں

اول بحر ہزج مفاعیلن ہشت بار، دوم بحر رمل مثمن مخبون فعلاتن ہست بار، سوم بحر مجتث مخبون مفاعلن فعلاتن چہار بار

رُباعی

ہر آن ہیں آپ کو دکھا جاتے تھے مشتاق کو تسکین دلا جاتے تھے
کیوں دیر لگی ہے کس نے روکا تم کو اتنا تو کئی بار تم آ جاتے تھے

دیگر

دنیا داری میں اور نہ دینداری ہیں چاہت میں کسی کی ہیں نہ بیزاری ہیں
حیرت کدہ دہر میں تصویر کی طرح سو بار گئے ہیں عین بیداری ہیں

بند اول ترکیب بند

ہر ایک حرم میں ہے اُس کا ذکر صبح و مسا ہر ایک ملک میں ہی اُس کے حسن کا شہرا
ہر ایک جسم میں ہر دل میں ہے اُسکی جا ہر ایک ملت و مذہب میں اُن کا ہی چرچا
ہر ایک جان کو بلبل صفت ہے اُسکی ہوا اگرچہ اور بھی گل ہیں بہت یہ نام خدا
ندانم آن گل خندان چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمنے گفتگوے او دارد

مقطع دیگر از غزل فقیر را بسیار خوش آمدہ بود، قلمی مے سازد ؎
پہنچے نہ حسن منزل مقصود کو ہم اور آخر ہوئے سب زیست کے ایام سفر میں

ردیف الخاء

اول احوال متقدمین ان سے اول لطریق تیمنا و تبرکا از کلام معجز نظام

نہ ہم ہوش میں مے پرستی سے گزرے — ہوئے جبکہ بیہوش مستی سے گزرے
نہ ٹھہرا ذرا قافلہ اس سرا میں — لیے حسرتیں یاں کی بستی سے گزرے
رہے جس میں خطرہ سدا نیستی کا — بس ایسی زندگی ایسی ہستی سے گزرے
آنکھوں کو اسکی دیکھا تو مستی برس پڑی — پھر سایہ اسکے بادہ پرستی برس پڑی
سارا جہاں خراب تھا آنکھوں میں تجھ بغیر — بارے تو آج آیا تو بستی برس پڑی
سوجھا ہمیں نشیب و فراز زمانہ تب — جب عشق کی بلندی و پستی برس پڑی
وصل کا عیش کہاں رنج ہجراں تو ہے — لب خنداں تو نہیں دیدۂ گریاں تو ہے
آرزو اور تو کچھ ہم کو نہیں دنیا میں — ہاں مگر ایک ترے ملنے کا ارماں تو ہے
حال کیا پوچھے ہے حیرتکدۂ دہر کا دیکھ — آئینہ یا نہ کیا ہر ایک دیدۂ حیراں تو ہے
جو چاہیے آپ کو تو اسے کیا نہ چاہیے — انصاف کر تو چاہیے یہ یا نہ چاہیے
مجھ سے نے تجھکو چاہا تو چاہا عجب نہیں — تجھ سا جو مجھکو چاہیے تو پھر کیا نہ چاہیے
نہ تو آہ و نالہ ہی نکلے ہے نہ اٹھے ہے کل سے صدائے دل — تو خبر تو سینے میں لے حسن کہیں جل نہ گیا ہو ہائے دل

چند اشعار بطور قدمائے ایہام بندان گفتہ شد

سحر چل جاؤ لگا ہیں رنگ اسے مت دیکھ آئینہ — دکھاتے غیر کو منہ آرسی تجھ کو بھی آئی
مژگاں سے جھاڑتے ہیں جو اس گلی کے تنکے — رہتے ہیں ہم دو اسے رو زار لیتے
اکدم میں کھوتے ہیں وہ اکدم میں ہیں فرشتہ — ہم آشنا ہوئے ہیں دو چار دن سے تر
لیا ڈھنگ ہو ویں اسکے دیکھیں نئی بخشن کے — صحرا کو پھر نہ نکلا مجنوں کے حال پر
سر پہ تیرے خط کے آنے کی دھوم ڈالی — خضری خبر اٹھی ہے تحقیق ہو کے آ

غزلے گفتہ بودم کہ در سہ سحر خوانده می شد آتش کہ بخانہ افتاد و سوختہ شد
یک مطلع قلمی سے سماید ہ

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر | یہ مگر ہم کو پیار کرتا ہے
کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے میں | آہ جوں شمع ہی راحت مجھے جلجانے میں
قیامت ہی ہو گی تو مری بلا سے | مجھے دادخواہی کی طاقت کہاں ہے
رونے سے خاکسار کے روتا ہمیں ہے کوئی | اس خانماں خراب کو جینا حسد اکرے
غسوہ و ناز کو ترے پیار رے | یہ نرا خاکسار جانے ہے
سایہ آہستہ کیجیو تحت قدم | تار اس زلف کا رگ جان ہے

بدرالنساء بیگم، دختر نواب قمرالدین خان وزیر ہندوستان، چون خالہ نواب عمادالملک بود مشہور بہ خالہ بیگم گردید ما مادر نواب غالب جنگ احمد خان مرحوم در فرخ آباد بسر می برد ہمانجا در رحمت ایزدی پیوست این شعر بنام او شنیدہ شد ؎

کہا تھا ساربان کے کان میں لیلی نے آہستہ | کہ مجنوں کی خرابی کا کہیں مذکور مت کیجو

از جملہ متاخرین گھاسی رام خوش دل، تخلص مے نماید از شاہجہان آباد است در ین ایام نکاد بصرافی مشغول است طبعش موزون است از قافیہ و ردیف واقف است۔ ؎

تو جو چاہے کہ رہے حسن یہ مغرور سدا | یہ غلط ہے نہیں ہے کا یہ دستور سدا
تار طنبور وہ ہے وہیں وصدائے طرب | ہر زماں میں ہے صنم نرا ہی مذکور سدا

ردیف الدال

درین سلک از متقدمین کسے گرستہ مانند سطر نظر رسیدہ مگر از متوسطین مرزا داؤد بیگ داؤد تخلص در عہد فردوس آرامگاہ بود از وست ؎

حضرت امیر خسرو قدس سرہ ہر چند احوال آں بزرگوار مشہور و معروف است ؎

زحالِ مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
چو تابِ ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

خوشنود تخلص مرد دکھنی بود احوالش معلوم نیست از وست ؎

سب ہیں حالِ سچ یہ توہی سجن آیا ہیں   جیب جھمکے دیکھی بات ہیں درس دکھلایا ہیں

ثنائی تخلص مردے بود درویش از شاہجہان آباد در عہد جہانگیر احوالش معلوم نیست از دیگر و بیرے این شعرش بگوش خورده از وست ؎

ٹھالی سے لیے ہیں ہم اتو بھی سرکیں   تجھ بن کی گلی میں ثنائی کو خاک ہونا

احوال متوسطین عجیب باغ مکرمت و وفا رفیق یار تخلص به خاکسار کرده مردے بود خادم درگاہِ قدم شریف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اچہ میر تقی در تذکرہ خود نوشتہ است کہ خود را بسیار دوست میگفت غالب که این حرف راست باشد و بر تقدیر اگر دور کشید بہ نزدیکِ این فقیر بجاست، شخصے که خادم چنیں درگاه باشد اگر دماغ بر فلک رساند رواست، دیگر دلیل بر بطلانِ اینها اینکہ اگر چنیں مے بود "خاکسار" تخلص نمی نمود مگر در مزاج مقامے خواہد بود مے باشد کہ جان جہان آفریں سپرد، خدایش بیامرزد ؎

سری زلف سیہ سے اسے پیارے   مجھ کو اک سر ہزار سودا ہے
خاکسار اس کی تو آنکھوں کے گئے مت لگو   مجھ کو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

میر تقی میگوید که اگر بجائے "بیمار کیا" "گرفتار کیا" مے شد بہتر مے بود لیکن در عقلِ فقیر چنیں میگذرد که اگر چشم خود مے بود گرفتار میساخت بود چوں اینجا چشم معشوق است بیماری صحت دارد ؎

تیغِ قاتل سے لہے محروم بے تقصیر ہم   روزِ محشر کو اٹھیں گے گور سے دلگیر ہم

تجھے وعدہ کر بھول جاتے کیوں — تجھے اپنی سوگند کھاتے کیوں
شب عید کی تجکو جاؤوں کیوں — تجھے اپنے منہ لگے پاؤں کیوں

در تعریف اہل چمن

نظر ہو کرو ٹک چمن کی طرف — سگوفے کو مستی سے آئے ہیں کف
ہوا کے لشتے نے کیا لشکر دور — پڑا آسمستی سے کرتا ہے شور

در اشتیاق گوید

ارے ظالموں مفت ہے یہ بہار — کہاں یہ شجر کہاں سے جھاڑ
بیٹھ نقش پر آب ہے یہ جہاں — ٹک اک موج میں ہم کہاں تم کہاں
نہ پیوے نہ ساغر رہجائے گا — نہ ملنے کا اک داغ رہجائے گا

حکایت برسبیل تمثیل

لگن میں پڑا ایک پروانہ رات — نہ کہتا تھا اور بات محفل کے ساتھ
کہ اس نے پروبال کی عرض ہے — کہ اصلاح اس کا مجھیں فرض ہے
ذرا شمع سے نہ سدا لب کہو — اسے خوب سمجھا کے اتنا کہو
یہی تھا لکھا میری قسمت کا جاں — قیامت ہلک ہجر و وصل ایک آں
جو تجکو ذرا حسن تیج آیا ہے حال — تو تجکو شکایت کی کب ہے مجال
سراپا ذرا گرچہ آتش میں ہے — سعادت مری تیری خواہش میں ہے
ذری کر تو حسن میں تیرا کام ہو — ولیکن نہ اتنا کہ بدنام ہو
یہ کہکر گیا کام اپنا تمام — ہوا اور بدنگالی کا رود اسکی تمام

زلفِ دلبر سے مجھکو سودا ہے — خلق کہتی ہے تجھکو سودا ہے

شاہ شیخ محمد المتخلص بہ دل متوطن اکبرآباد است از نبیرۂ محمد غوث گوالیاری
ہمعصرِ میاں آبرو تلاش بسیط بارہ بروضع قدیم دارد در کمال تجرید بسلسلۂ طالبست
درویش آباد بسر می برد سلامت باشد ؎

کیا نکیلی سر تر دیکھی ہیں مژگاں یار کی — ہم نے سوئیاں بھی بہت دیکھیں کبھی اس سار کی

نامگار بیگانہ و ناآشنا آشنا میاں فضل علی المتخلص بہ دانا، جوان محمد شاہی سپہ
نام پیشہ بلکہ از قوم افغان بود با ہمہ معاصرین خود تعلقی داشت تا آن جوانہ ورتی
اکثر لباسِ سپاہی پوشیدہ یاران بوضع او حیدہ نکرد، وجود ہم تسلیم مصرعہ عوض بر
زندہ دل بود از بدستی بطرف بنگالہ رفت حرف سست ازوست ؎

بہر صورت خدا کو دیکھتا ہوں جو ہے میرا — یہی توحید میں مصرع ہے دیوان ہی میرا
تجھ انتظار میں پیارے مثالِ آئینہ — تمام عمر پلک سے مری لگی نہ پلک
دل میں ہر ایک کے سودا ہی خریداری کا — یوسفِ مصر اگر تو ہی ہے اک یار عزیز

محمد شفیع المتخلص بہ دردمند، جوان محمد شاہی بود نظر کردہ مرزا مظہر جانجاناںؒ
سوائے ہمیں ساقی نامہ دیگر اشعارش بنظر نرسیدہ، غرض کہ بسیار نمک گفتہ وگوہر
معانی سفتہ، از ساقی نامہ ؎

ارے ساقی ایجان فصلِ بہار — یہی تھا ہمارا اور تیرا قرار
ستم سے گزر کچھ تو انصاف کر — خدا سے تو ڈر کچھ تو انصاف کر
تامل سے ٹک دیکھ گل کا شکوہ — کہ لبریز ہے باغ تا دشت و کوہ
اس آتش میں میرا یہ کر دل کباب — کہ میری طاقت کے رہی کو آب
کہ میں جان ملتا ہوں پیالے کی طرح — لگی ہے مجھے آگ لالے کی طرح

در قصیدہ می گوید ؎

حقیقت ورمز پیدا ان شریعت دلِ آگاه وے محرمِ اسرار خدائی صفائے باطنش محرمِ
کعبهٔ کبریائی خسروِ اقلیم حال و قال جامع صفات جلال و جمال خلف حضرت خواجه ناصر
قدس سرهٗ اصلش شاهجهان آباد شاعرِ فارسی و هندی است لے غلط این چه لائقِ اوست
مثل شعر گفتن دون مرتبهٔ اوست، اکثرے از دستِ عسرت پریشان شده بطرفے رفتند
لیکن آن تابت قدم تکیه بر توکل نموده قدم از جا برنداشت تا حال در شاهجهان آباد مقیم
است، دیوانش اگرچه مختصر است لیکن چون کلامِ حافظ سراپا انتخاب واقع الصالۃ

مقدور ہمیں کب تیرے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

اکسیر پہ ہوس اسانہ یار کرنا
بہتر ہے کیمیا سے دل کا گداز کرنا

ہم ہیں جانتے ہیں اے درد کیا ہے کعبہ
جدھر ملے دو ابرو ہم کو نماز کرنا

آرام سے کبھی بھی نہ یکبار سو گئے
اپنے ہمارے طالعِ بیدار سو گئے

خواب عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے

بارے تجھے تنا وری کا سبب ہوا
پھر شہ یہ مہرباں ہوا تو غضب ہوا

عاشقِ بیدل سراپا تنگ جی سے سر تھا
زندگی کا جو اسے دم تھا دمِ شمشیر تھا

کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اس کو بھی
جتنک پہنچی ہی پہنچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا

تیغ کھینچے ہوئے پہنچا ہم کشتۂ دل من ہو
دردِ منزل ایک تھی ٹانکا ہی کا پھیر تھا

مدرسہ یا دیر یا کعبہ تھا یا بتخانہ تھا
ہم سبھی مہماں تھے واں تو ہی صاحبخانہ تھا

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ
وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوتخانہ تھا

بھول جاوں رہ عشقت وہ ساقی مست یاد کر
درد کا مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جو کوئی عشق میں اس اوستاد مرے — خدایا اندر اُس پہ رحمت کرے

۵ شعر

قفس تک بھی نہ پہنچے اور چھٹے دو آشیانے سے — عجب ساعت میں بچھڑی تھی چمن کے آستانے سے

تو سیماں حلاوت وگلستاں طراوت ورزہرۂ دردمنداں فرد کرم اللہ جان درد ہمشیرہ زادۂ نواب عمدۃ الملک، جواں محمد شاہی بودہ طوطی طبعش نکتہ پرواز و بلبل فکرش با عندلیب ہم آواز روش عاشقانہ و بخشش دردمندانہ وقتیکہ در سانحہ آباد ہنگامۂ مرہٹہ بر پا گردید جید کا فراں برائے غارت بر ناموس سید علی عسکر گرے ریختند ایں جواں خدا پرست للہ برائے ناموس مرد گوار دست مقہوراں شہید شد حداش یا مرد، از دست

۵

آتشِ عشق سے رتبہ ہی مری جان کے بیچ — شمع ساں جل کے اٹھو لگا تھی اک آن کے بیچ
سامنے ہوتے ہی پھر نقش نہ مائے دل کے — ہٹ گیا نوکِ سناں پر صفِ مژگاں کے بیچ
اگر وہ بت کسی صورت سے مرا رام ہو جائے — تو پوچھوں اس عقیدت سے کہ کفر اسلام ہو جائے
ہر اک دم سانس ہو کر یاس مجھ دل میں کھٹکتی ہے — اگر جی کی خلش نکلے تو کیا آرام ہو جائے
تری برچھی نگاہوں نے رکھا ہے نیم بسمل کر — اگر پھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہو جائے
تحمل آتشِ غم میں دل بیتاب کیا جانے — ٹھہرنا اک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے
کنارے سے کنارہ کب ملا ہے بحر کا یارو — ملک لگنے کی لذت دیدۂ پر آب کیا جانے

سالکِ مسالکِ مکاشفات دینی و ناہجِ مناہج مجاہدات یقینی ارعرفائے عالی مقام و فقہائے ذوی الاحترام بر آسمانِ سخن ماہِ دو ہفتہ رفر حضرت خواجہ میر المتخلص بہ درد، ارعالماں جوس دات وار درویشاں نکو صفات، طنطنۂ فضل و کمال و دبدبۂ جاہ و جلالِ او بفلک رسیدہ و طنابِ خیمۂ فکر عالیش چوں شعاعِ مہر از مشرق تا مغرب کشیدہ در بحرِ ضمیرش ہمہ گوہر یا سفتہ و ثرگفتہ او عقل آفرینہا گفتہ، مرشد نوادی

تکلّم بحث سے سابہ وار رکھتے ہیں — یہی لباط ہیں ہم خاکسار رکھتے ہیں
تماں کے جبر اُٹھائے ہزار ہا لیکن — حواس یہ بھی نہیں اختیار رکھتے ہیں

ہم کس ہوس کی تجھ سے فلک جستجو کریں — دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
مشکل کو ہے نشاط سے ہم کو ہے اعتبار — کس بات پر چمن ہوس رنگ و بو کریں
مٹ جائیں ایکدم میں یہ کثرت نمائیاں — گر آئنہ کے سامنے ہم ایک ہو کریں

تیرے سوا نہیں کوئی دونوں جہاں میں — موجود ہم جو ہیں بھی تو اپنے گمان میں
ادھر بھی اہل رحم تو مصرور ہے — کچھ کچھ کہے ہے شمع بھی اپنی زبان میں

سے ملیے یار سے تو دل کو آرام ہوتا ہے — و کر ملیے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے
یقیں و شوق اہل سمجھ سے ایسیں جو کچھ ہوگا — یہ ان دونوں کے جھگڑے میں مرا کام ہوتا ہے

کیا فرق دل و سنگ میں اگر سنگ میں بو ہو — کیں کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو ہو
ارض و سماں کہاں تری وسعت کو پا سکے — میرا ہی دل ہے کہ جہاں تو سما سکے

اپنے سردوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو — پر نہ آجائے کبھی جی میں کہ آزاد کرو

اہلِ وفا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے — لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے
اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں — اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

فرصتِ زندگی بہت کم ہے — مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے
درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم — وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

مرا جی ہے جب تک تری جستجو ہے — زباں جب تلک ہے یہی گفتگو ہے
تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا — تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

نالہ فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

اگر یونہی یہ دل ستاتا رہیگا
تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہیگا

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھکو دلاتا رہیگا

بھلا کوئی تم میں سے اے ہمصفیرو
خبر گل کی ہم کو سناتا رہیگا

گلی سے تری دل کو لے تو چلا ہوں
میں پہنچوں گا جبتک یہ آتا رہیگا

خفا ہو کے اے درد مر تو چلا تو
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہیگا

مثلِ نگیں جو ہم سے ہوا کام رہگیا
ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہگیا

یارب یہ دل ہے یا کوئی مہماں سرائے ہے
غم رہگیا کبھی کبھی آرام رہگیا

ہم نے تو ایک دل بھی نہ ادھر کر گیا
ناچار ہو کے ہم نے ہی اودھر سفر کیا

پیکاں و دل کے ساتھ ہوا جب معاوضہ
سینے سے ساتھ یک نے مرے گھر کیا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

تغافل نے تیرے یہ کچھ دل دکھایا
ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

سینۂ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا
پر وہ کیا کچھ تھا کہ دل کو بھا گیا

میں تو کچھ ظاہر نہ کی تھی دل کی بات
پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و پیمانا
مثالِ لالہ کی پھرتے ہیں اپنا آپ پیمانا

کسی سے کیا بیاں کیجے اس لیے حال ابتر کا
دل اُسکے ہاتھ دیجئے جسے جانا نہ پہچانا

دل کو لیجاتی ہیں محبوبوں کی جو اسلوبیاں
ورنہ ہیں معلوم ہمکو سب اُنھوں کی خوبیاں

درد دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو
ورنہ کچھ طاعت کی خاطر کم نہ تھے کروبیاں

سب جیسے اپنے وقت دوڑ چلے   جز ریشہ اپنے سکے وہ ہم کو چلے

بہ تضمین از غزل کلیم

کئی قسمت میں اسکے پاس نہ دل کو لائے   کئی وفا دکھائے میں کہ وہ الٹی ستائے
مجھے نہ سوجھ کہ وہ جو فرقت یار میں ہے آرام   نہ رہنے اور نہ جانے در یار ہم نے نہ دو سالے

نہ دلے داریم و اندوہ بے سرے داریم و نہ دل

رباعیات

اے درد یہ دردی سے کھویا معلوم   جوں لالہ جگر سے داغ دھویا معلوم
گلزار جہاں میں اپنے ہوتے لیکن   مسکن جی کا شگفتہ ہو یا معلوم
اے درد نہ کہوں صبر کو ٹوٹ گیا   دل ضبط جو مجھ سے نہ سکا چھٹ گیا
کیا ایسی مصیبت پڑی مجھ پر ظالم   کہہ تو سہی کیا کہ دل ٹوٹ گیا

اے درد بہت کیا پڑھا ہم نے   دیکھا تو عجب یہاں کا تکیہ ہم نے
بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ   جب آنکھ کھلی نہ کچھ دیکھا ہم نے

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی   اے درد کہاں ہے زندگانی اپنی
کل اور کوئی بیان کرے گا اسکو   کہتے ہیں ہم آپ اب کہانی اپنی
حسرت کے لیے کس میں مرتے رہیے   کب تک یہ گرہ دل میں کیے رہیے
اے درد جو کچھ کہ زندگی باقی ہے   اللہ کو اب یاد کرتے رہیے

راے سرب سنگھ تخلص بہ دیوانہ شاعر زبردست فارسی است شعر بسیار

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے — جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے
وسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول — دل میں کسی کے آہ کوئی راہ کیا کرے
رہتا ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے — اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
سو وہ بالوں کی صورتیں ہیں وہ آہو کی سی ہوتی — ہوا کیا درد کو پیارے گی کیوں آج ہو دل
قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا — پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا
ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن — میں نے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا
شب گزری ہی و آفتاب نکلا — تو گھر سے نکل شتاب نکلا
ادھر کو جو مسکرا کے دیکھا — کعبہ تو حق کا حجاب نکلا
کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم — تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم
جوں آئینہ حسن یہ یاں نظر کی — سامنا اپنے دو چار ہو گئے ہم

قطعہ

یہی پیغام درد کا کہنا — گر کوئی کوئے یار میں گزرے
کون سی رات آن ملیے گا — دن بہت انتظار میں گزرے
کچھ خوش ہی کیا ہے دل کی بے دماغی کو — کھڑا ہے میرے ساقی ہمارا اور گلابی کا
میں اپنا درد دل چاہا کہوں جن جن سے عالم میں — بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا
یارو مرا آشنا ہی بھلا کیجیے اُس سے — مذکور کسی طرح سے جا کیجیے اُس سے
جوں جوں وہ کہیں جو یہی آتے ہی جی میں — پھر چھیڑیے اور باتیں سنا کیجیے اُس سے
کہتے ہیں کہ ہم درد میاں چھوڑیں یہ باتیں — پائی ہے سزا اور وفا کیجیے اُس سے

حرف الذال

ذاکر تخلص شنیده ام لیکن اشعارش یاد نیست -

حرف الراء

رنگین تخلص مرزا ... یارهٔ از احوال متوسطین، از متقدمین کسے بهتر یافته -
مرد لیست سپاهی پیشه خوش اوقات و نیک ذات، جوان محمد شاهی، خط نستعلیق خوب
می نویسد، از ملازمان نواب افتخار الدوله مرزا علیخان بهادر است، از یاران میان
غریب، شیخ قدیم دارد، ایهام بسیار است، حالا است سلامت وارد وارد وست ه

رات کی بات نہیں کہنے کا تیری پیارے   گو چلیں آج مرے سر پہ ہزاروں آرے
ایک موری کا رنگین کو تانی سمجھا   بعد مدت کے کیا یاد صنم نے باتے

آفتاب رائے رسوا تخلص، از سالک متوسطین، ہندو لیسرے بود، در توپخانه
نوکری داشت، از چندے ترک روزگار کرده، دریک پیر گمنام مشوا متعلق پیدا کرده
بود، در باتی لطیف میان بسیار آشنا بود، با هر کس صحبت میان مگفت و میگریست -
کلامش خالی از درد نیست، عریان میگشت، آخر بهمان حالت فرد ازوست ه

رسوا اگر یہ گریہ تھا عالم میں یوں مجھے   ایسی نگاہ یار سے دکھلا کیا لئے
قفس ... گئے ہم اور چمن میں جا پہنچیں   اڑیں تو اڑ نہیں سکتے چلیں ... ،
وصل میں ... اور ہجر میں ...   ان دونوں دل کو رسوا کس طرح سمجھائے

گفتہ است استاد ریختہ گویانِ لکھنؤ۔ خاصہ میاں حسرت و میر حیدر علی حیران وا کثر دیگراں شاگرد او بود، در آنجا مشہور و معروف است، در اوائل مشقِ فکرِ ریختہ ہم میکرد عجب شخصے است خدا سلامتش دارد دارد دوست ۔

رُباعی

وے لوگ کہاں کہ یار ماشی کہیے   وے وقت کہاں کہ حرفِ معاشی کہیے
اک گوشے میں ٹھکرے دو لیے تنہا،   اس ماحِ غم سے دل خراشی کہیے

دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سوٹل بجا ہے   شعر ریسم کا کیا جگر ہے کہ رہا نگیل نکالے

محمد عابد حوالے است مربوط گو و قائل التخلص بہ دل در سلکِ متاجریں ارحرف اداں ساکنِ عظیم آباد، برادر میاں روشن علی جوشش تخلص، الحوال آں دیار است سلامت باشد اردوست ۔

وہ کافر ہماری سب تار ہے   جسے صبح کا دکھا عار ہے
لاتے درپیچ درباں تو آنتیں بگڑی   مرنگ لِقش دام ہے کہ میں بکڑی

میرزا منگو سنگِ التخلص بہ درنشان سیاہ فام بچک بود مردِ ستوقش بود مرثیہ و غزل و مثنوی ہمہ میگفت، بسیار سادہ وضع بود، مرتے آں را رکت میدار جیدے رحلت کردید است بیا مرد ۔

یاراں وداع عمر کو ہجراں کی رات ہے   ماسد شمع مری سحر کو وفات ہے
تھی دراے ماقۂ لیلیٰ کی ہر دم یہ صدا   آہ مجنوں پاستکستہ رہگیا محمل سے دور

دکھا ہیں رات جا کر احوالِ حشیم راقم　　برسات کی اندھیری ٹیلی کی تھی سیاہی
کہیے کیا وردِ دل بلبل گلوں سے　　اُڑا رہے ہیں ان کی بات ہنر ہنر
کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں　　کہے کہ ہے یہ بات کہ مقصود ہی نہیں

اعلیٰ کہ این شعر بے اصلاح باشد چرا کہ ارا فتادن نہیں با موزون مینو دو دیگیا
ہیں ولی افت میں حطاست، ذرد الست دقیر حیین بہتر بیہ و ست

"میرا تو کام کچھ تجھے منظور ہی نہیں"

ازسالکِ مساخرین لالہ ہلاس رائے المتخلص بہ رنگین خلف راجہ مان رائے
یوان مدار المہام سید محمد علی رُہیلہ است طبع موزو نے دارد ہرجا کہ باشد سلامت
باشد اروست ہ

اس مصیبت سے جو لوگ گھر سے نکالے ہی مجھے　　تو بھلا میں جاؤں کدھر آخر شب

خواجہ صاحب خواجہ حسن علی سلمہ اللہ المتخلص بہ روشن، طبع موزونے دارد
اصلش ارشاہجہان آباد است، خوا سے است کمال الساب وحسن خلق حیدے
طرف سلطانپور بیرسر بردہ الحال درسرکار نواب فلک جناب آصف الدولہ
مادرسی باشد قریبہ سرفراز است، خدائیش سلامت دارد از وست ہ

رستا اُٹھ جما رہیں آ یا　　کہا کی کا فریب اربیں آ یا
جی میں یہ تھا کہ جان سکیے نثار　　اکدم بھی وہ سے فا بر ہا
تا ملکہ سبھی دل سے اٹھائے روشن　　حسن لکھا ہے کریں بیاں ہوں کنکا پکا

آشنا سے یا صفا مرا علی رضا المتخلص بہ رصا، از یاران لالہ سرب سنگھ دیکت
شو بیا گفتہ است حسبِ حال خود، سمجھے وہب علی نام، بر وماں است، احوالِ عاشقی

وہ کونسی رات ہے جو اشکوں سے نم نہیں   رسوائی اس ماہ کے منہ سے کم نہیں

نقل است کہ روزے معشوق او در دریچہ گردش انداختہ نگریست ناگاہ چشم دیگر
عاشق رسید و او را ہم از بار عشوہا بداں گرفتاری سال گرداں، درآں قصہ رسوائیہا
حال این شعر بر خواند ؎

دگرے را در گرفتاری شد پایہ ما کم   مدعا گر شہرت حسن است کم رسوائی ما

میر حمزہ علی المتخلص بہ رند، اصلش از شاہجہان آباد است، جوان مجہول ساہی آست
از چندے بطرف بنگالہ رفتہ، الحال اگر از دہلی یاراں معلوم شد کہ در مرشدآباد ترک
لباس نمودہ الحال سلامت دارد، از دست ؎

سینے سے داغ عشق مٹایا نہ جائیگا   ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

بندرابن راقم تخلص ہندو از قوم کھتری بسیار زیست قدر، فکر است، از
شاگردان مرزا محمد رفیع سودا اسلمہ اللہ، در تحصیل بود خمس دست ہم رسانیدہ لیکن
تحویل مگوید معلوم نیست کہ کجا است۔

ما تک قبول خاطر کیجئے تری جفا کو   ما سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو
بھیجا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب   یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے
سنتے ہیں ہم کہ ہوئی ہے کہیں دوام صبح   ہو گی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

قطعہ

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض   ہم کو قسم جو توڑیں ترے برگ و بر کہیں
اتنا ہی چاہتے ہیں کہ ہم اور عندلیب   آپس میں درد دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں

حروف الزاء

مغل بیگ زار تخلص جوانیست از سلک متوسطین، معلوم نیست که کجاست از یاران میر تقی میر است سلامت باشد از وست ؎

مشہور تھے جو نالے میرے گلی میں اس کی   کوئی اور بھی جو رویا سمجھا کہ زار ہوگا

دیگر میر مظہر علی زار تخلص از متاخرین است، نقاوۂ دودمان سیادت و نوبادۂ بوستان شرافت پاکیزہ سرشت و نیک شعار جوانیست بعلم و عمل آراستہ و بصلاح و تقوی پیراستہ کلامش عاشقانہ و فکرش دردمندانہ، استفادہ سخن از شاہ حفیظ اللہ صاحب که در دیار لکھنؤ عالم و فاضل و تقوی دار مشہور اند حاصل نمودہ اصلش از شاہجہان آباد است الحال در فیض آباد در رفاقت نواب مرزا علی خان بہادر بسر می برد گاہ گاہے فکر می نماید لیکن بسیار بطرز میگوید خدایش سلامت دارد ؎

چھوٹ جاویں غم سے ہر دم کے جو نکلے دم کہیں   خاک ہے یہ زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

ایک دن آگے ہی دنیا سے اٹھانا ہم کو   شب فرقت تو الٰہی نہ دکھانا ہم کو

تیری ہی قسم تجھ بن گر کچھ بھی خوش آتا ہو   کافر ہو اگر اس میں کوئی بات بناتا ہو

دل کو اس کوچے میں کھو بیٹھے ہیں ہم   اس لئے مغموم ہو بیٹھے ہیں ہم

سر ہو یا جاؤ اب در پہ ترے   جو کچھ ہونی ہو سو ہو بیٹھے ہیں ہم

صید ترے ہوتے آوے ہے محال   یار تو چاہے تو سو بیٹھے ہیں ہم

اپنے تئیں اس بزم سے کیا کام ہے   جب تلک تم بیٹھے ہو تم بیٹھے ہیں ہم

جس طرح دریا گئے تھے یار تم   اس طرح سے دیکھ لو بیٹھے ہیں ہم

کرلی جو کبھی مجھ سے گفتار سو یہ تجھ   سب تیرے لئے دشمن تو یار سو یہ تجھ

گزری ہے تڑپتے یاں کھاویں ہی ہیں اسکے   دل کی تو یہ حالت ہے دلدار سو یہ تجھ

خود مشقی او بسیار بخوبی و بشوخی سال نموده است

دنیا میں کوئی تجھ سا ستمگار نہیں ہے ۔ بے رحم و جفا پیشہ و خونخوار نہیں ہے
سب قتل ہوئے دشمن جاں عشق میں تیرے ۔ افسوس کسی سے تو مرا یار نہیں ہے
تکیں رضا تو نظر آتا ہے سب کو ۔ یہ راز کہیں دل کا تو اظہار نہیں ہے

مهربان خان خان محمد متعلق سید سامرال متخلص به رند، در شعر فارسی را است است بنگش است. در بدو عمر آباد بخدمت نواب محمد بهار لو بکمال بیکاری اوقات بسر برده تکلیف دیده از هم تربیت داشت بر صاد است و وارد است از اله آباد بمصاحبت میر نواب، ما اهل سخن همیشه سرگرم سخن و با صاحب هر فن جیول روح در سخن سخن را حلاوت در فن موسیقی و شاعری سعدی که با بیست از کتابها سے مانند طاق ابارت طاهر تو با هم ریخته رسیده که با آهنگ ساقی و حال آمیس و حسن گردیده است اگر دل مینه در وطن را سر بیخ شده است، در تصانیف لطیفه هم دستی پیدا کرده چنانچه اکثر اهل عما و اهل عشاق را مصیبه دل آمده او می سرود و بسا ری کلامش را چون کلام سودا و میر سوز سر لوح دیوان خود می نگارند در علم نیز اداری اصلاح از میر سوز گرفته از همه تیرا مداد ال آن داد رگو سے سبقت بوده و امور دیگر نیز مثل سمت و حساب دانی و تدبر دانی اکثر بحیثیت مهر مسطور حاصل بوده عرصه از مقتضاب روزگار است سلامت باشد ادوست است

حاجت سا مگر گردش افلاک سے ہی ۔ مانی ہزار رنگ کی اس خاک سے ہی
مجھ ساتھ تری دوستی حیف ہو گئی آخر ۔ دنیا کی مرے دل سے طلب ہو گئی آخر
حاصل تو ہوا وصل ہمیں رات پر افسوس ۔ اک پل میں شب عیش و طرب ہو گئی آخر

سالک تخلص دکھنی است جیداشعار او در تذکرۂ میر تقی دیدہ شد چون ربط شک دیگر نداشتند نقلم بیاورد۔

سعدی دکھنی، بعضے این راسعدی شیرازی قرار دادہ اند و بعضے سعدی دیگر یعنی دکھنی واللہ اعلم

ہمسا تمکو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا — تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ رت ہے
دو ہیں کے کھسر کروں رو رو کے انکھوں دل بھروں — یس سنگ کو یت دھروں پیاسا نجاوے میت ہے
سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ — در ریختہ دُر ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

چون زبان فارسی دریں سال ست اغلب کہ سعدی شیرازی ست۔

از احوال متوسطین | میر ناصر با وجود بے سروسامانی سامان تخلص داشت متوطن جونپور اوائل سلطنت محمد شاہ بادشاہ در شاہجہان آباد آمدہ بخدمت خان آرزو استفادہ حاصل نمودہ از وست ؎

اُٹھنی کیونکر یہ اس دل سے کھوکے — کھوتے تھے اتنا ہم بھی کسو کے
رقیب اس طرح جلتے ہیں ہمیں دیکھ — گویا رستے ہیں ہم اس شمع رو کے

میاں سلیمان معشوق عبدالحی تاباں است، چون آن ماہِ تاباں در پردۂ ابر فنا پنہاں گردید این عزیز با او الفتے کہ داشت مانند گل گریبان چاک کردہ گریان گریان از گوشتۂ دنیا عزلت گزیدہ چندے بر تالاب فریدآباد با دلِ پُرغم وچشمِ پُرنم در ولیتا یہ بسر برد بعدہ بطرف الہ آباد رفت تا حال بلباس فقیری بسر می برد خدا ایشن سلامت دارد از وست ؎

تجھ سے ظالم سے ملا دیکھ تو طراری دل — کچھ بھی دھڑکا نہ کیا سلے حگرداری دل

میاں نجم الدین المتخلص بہ سلام خلف میاں شرف الدین علی خان پیام در عہدِ فردوس آرام گاہ بود بکمال خلق و اخلاق بسر برد خدایش بیامرزد از وست ؎

کہتا تھا کل آؤنگا سو آج تک آتا ہے
مدت میں کہا اس نے اقرار سو یہ تجھ
اس زار بیاں بھی توجھوٹ جانے کچھ دیکھا
صحرا ہی کو روتے تھے گلزار سو یہ تجھ
لگا کہنے کہ کہہ احوال وقت مختصر کرکے
دکھایا آنسوؤں سے خون کے ہیں داماں کو بھرکے
ہمیں تو فرش سے اور تکیۂ مخمل سے بہتر ہے
گلی میں اس کی پڑرہنا سرہانے ہاتھ کو دھر کے
کیا ہولی ہوئے زار کہ تو جانے لتیں ہے
اور اس کو تو خون برق کہیں میں نہیں ہے
کیا تجکو جوش آیا ہے یہ اے چرخ ستمگار
عاشق کہیں بیتاب ہے معشوق کہیں ہے
کیا تجھے زار اس کہہ درد دکھ کٹھن ہے
جو تو ہے اور رونا اور یہ اُجاڑیں ہے
لیجاؤگے تم اس کی گلی سے جہاں مجھے
آرام جو یہاں سہے ہوگا وہاں سے مجھے
فصلِ بہار تجکو مبارک ہو عندلیب
بن یار ایک سی ہے بہار و خزاں مجھے
رہتی نہیں ہے دکر کئے بن تو یار کا
رسوا کرنگی زار یہ تیری زباں مجھے

حروف السین

پارۂ از احوال متقدمین

سراج، تخلص از مردم اورنگ آباد در وقتِ عالمگیر اول بود از شاگرداں سید حمزہ علی دکھنی روش طبع معلوم می شود حدایتش بیامرزد از وست سہ

اُس بن مجھ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی
جس رات چاند میں ہے ساروں کی کیا کمی
نہیں ہے تاب مجھے تیرے سامنے جانا
کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب
شعلہ جو جب سے نظر آتا نہیں
لوٹتا ہے تب سے انگاروں یہ دل
مدت سے گم ہوا دلِ بیگانۂ اے سراج
شاید کہ جا لگا ہے کسی آشنا کے ہاتھ
وہ ظالم مجکو جلتا دیکھکر اتنا ہنس کہتا
کہ کیا تاثیر قدم ہی کو ہوا آخر سراج ایسا

له وہ   له کو اصل نسخہ میں ملاوں لکھا ہوا ہے

گر تیرے گل کے آنے نے کھوئے نہیں حواس — سجّاد کیوں پھرے ہے سحر آج بن ہوا
ہم نہیں گر گم ہوا بالوں میں تیرے جا کے دل — پیچ پر تجھ زلف کے گویا کہ اس کو بل دیا
تجھ کو اے سجّاد غیر از صبر بیداد کے — اور بھی کچھ قاتلوں کی دوستی نے پھل دیا
تناں تو چاہتے سجّاد تجھ کوں — کریں کیا پر خدا نے جو نہ چاہا
بتوں کی بھی یہ چاہ دو روز رہے — ہمیشہ رہے نام اللہ کا
جاں و دل سب قبول ہے جانا — پر گلی میں تری مجھے آنا
میں نے جانا تھا قلمبند کریگا وہ حرف — شوق کے لکھنے کا سجّاد نے دفتر کھولا
تیری صحبت سے جدا ہو کر — سر مرا مجھ کو تن نہیں دیتا
سجّاد مہرباں کرے کوئی اس کو کس طرح — غصّہ ہوا ہو یار ہیں کچھ اندلوں غضب
اس فصلِ گل میں جوشش جنوں کا ہوا ہی قہر — جنگل میں آ لگا ہے نکل کر تمام شہر
ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ — لاگی ہے جس زمانے سے جلتی ہے دہر دہر
تجھے غیر سے صحبت اب آ سی — ایسے دوستی ہم سے ہے دشمنی

لفظ ایسے دوستی زبان قدیم ست یعنی برائے ہیں

بادِ صبا سے زلفِ معطر کی ہم تلک — مدت ہوئی کہ بھیجی نہیں کچھ خبر عطر
گلی میں تری بیٹھتے ہیں سحر — ان آنکھوں سے آئے ہیں آنسو نکل
جب ہم آغوشِ یار ہوتے ہیں — سب طرف سے کنار ہوتے ہیں
تا جدائی تک ایک گریہ بیا — ایک کشتی ہیں پار ہوتے ہیں
اب تو ہم نے کیا گریباں چاک — تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں
کس طرح کوہ کن سے گزریگی — ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں
دیکھوں طبیب ورنیے دارو ہیں کس میں — مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں سستیا
نور ور وصل میں یہ سلے بیٹھے یاں کس کس کو — سب راتیں ہجر کی کاٹیں تھیں کیا اسی دن کو

حدیث زلف چشم یار سے پوچھ — دراری رات کی بیمار سے پوچھ

میر سعادت علی، سعادت تخلص از سادات امروہہ مرد سلیم الطبع کم سخن بود فی الجملہ چاشنی درویشی نیز داشت از مریدان شاہ ولایت میل بایہام بندی بسیار داشت یک مثنوی در عشق لیلی و مجنوں کہ دو عاشق و معشوق گرسنہ اند گفتہ و نام او نیز بجائے لیلی عون لیلی مجنوں گزاشتہ، اکثر مذاق از بیر مشہور است چنانچہ سواری ہوئی امیر المومنین کی از وست حدایق سامر زدان حیدیت از انست ؎

بسکہ ہوں گم طرف پیالوں میں چلا جاتا ہوں مست — ہوش کھو دیے ہیں میرا اُس کی آنکھیں مے پرست

یارسے جو رقیب لڑتے ہیں — یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

مت دکھا اس طرح کی آن مجھے — جینے دے کوئی دم تو جان مجھے

پیپہے کی طرح دارو کے پیتے — زبان حال سے کہتے ہیں پی پی

مطلع سر دیوان او اینست ؎

واللہ جو سر لوح ترا نام ہوتا — ہرگز کسی آغاز کا انجام ہوتا

سلالہ دودمان مصطفوی نقاوۂ خاندان مرتضوی موصوف باوصاف حمیدہ مخلوق ما خلاق سعیدہ شہرۂ انفس و آفاق در لطیفہ گویان و ایہام بندان طاق، سیادت و شرافت نہاد نیک سیر و خوش اعتقاد میر محمد سجاد ہم تخلص بہ سجاد خلف الصدق میر محمد عظیم ابن میر محمد اکرم خان مرحوم سر شتاء ملتیان بادشاہی مصحح فرامین شاہجہان بادشاہ ہمراہی یحیٰی خان میر منشی وطن آباو اجداد ایشان بعد آمدن از ولایت آدرینجا اکبرآباد بود و معاشرت ایشان شاہجہان آباد در بسیار امور کہ دخل نمودہ آن را بکمال رسانیدہ علم طب ہم حاصل نمودہ در اکبرآباد بمساکن قدیم استقامت دارد و شوق طلسمات و انشا و خوشنویسی و شعر فہمی را بمراتب اعلیٰ رسانیدہ اند، خدا سلامت داراد از وست ؎

ساقی بغیر جام کے جی کا بچاؤ ہیں — جوں فیل مست آوے ہے ابر سیہ بلا

هجویه مهیا دارد، قصائد عذب و دلاویز و بیان هجو ملمعش طرب انگیز، مردیست از
از مغتنمات روزگار، خوش خلق و نیک خو و یار باش، مولدش شاهجهان آباد،
بس تشریف به معنا درسیده باشد، نوکری پیشه، الحال در سرکار نواب شجاع الدوله بهادر
بوسیلهٔ فن شاعری سرافراز است، در علم موسیقی نیز ماهر است و تصانیف بسیار دلپسند
دارد تا حال مثل او در هندوستان خوش لسان کسے برنخاسته، اکثر فقیر در خدمت آن
بزرگوار میرسد بسیار کرم میفرماید. اگرچه بنده را نه یاراست که انتخاب دیوان او نماید
دریا را بکوزه نمیتوان کرد. از بسکه اشتهار دارد محتاج نوشتن کسے نیست حق تعالیٰ
بسیار سلامت با کرامت دارد که زندگی سخن وابسته ذات اوست دام افضاله. از وست

مقدور نہیں اُس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا

اس ہستیِ گلشن میں عجب دید ہے لیکن
جب آنکھ کھلی گُل کی تو موسم ہے خزاں کا

بیکس کوئی مَرے تو جلے اس پہ دل مرا
گویا یہ ہے چراغ غریبوں کے گور کا

بزم جہاں میں جس دم وہ رشکِ مہ گیا تھا
آئیں میں پری رو منہ دیکھ رہ گیا تھا

کسی بیدار کا مجھ کو خیال اتنا نہیں آتا
سحر کیا ہو چکی سودا کی سر پر شام کیا ہوگا

قابو میں ہوں میں تیرے گو اب جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسی نے ٹک دم لیا تو پھر کیا

سودا ہوئے جب عاشق کیا پاس آبرو کا
سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا

ٹوٹے اگر نگہ سے تری دل حباب کا
پانی بھی پیجئے تو مزا ہو شراب کا

موجِ نسیم گرد سے آلودہ ہے بہت
دل خاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا

سو بیا تھا کیا جنوں نے گریباں کو مرے
لیتا ہے اب حساب جو یہ تار تار کا

ہیں دشمنِ جاں ڈھونڈھ کے اپنا جو نکالا
سو حسرتِ دل سلمہ اللہ تعالیٰ

مانگا جو میں دل کو تو کہا بس یہی اک دل
ایسے تو مرے کوچے میں کتنے ہیں اٹھا لا

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

لبِ شیریں پہ اُس کے مرتا ہوں — زندگی ایسی تلخ کرتا ہوں
یار کا جانا ہمیں ہیگا عزیز — یوسف اپنا پیرہن نہ کر رکھے
ہاتھ ہی میں رہے ہے طفلوں کے — نہ تماشے کا دل کھلونا ہے
سختوں یاری کہیں سخن ملجائے — لیکن ایسے کہاں نصیب مرے
جب تلک ہیں بیٹھے ترے آستاں تلک — تب تک ہمارے خاک کی مٹی خراب ہے
کچھ یہ سجاد ہی کے دل کی عجب حالت ہے — ورنہ اس درد کے ہیں دیکھے ہیں بیمار کئی
ناہروں یہ شمع محفل میں — جیسی روشن ہے سب پہ روشن ہے
ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لیجاوے اسے — خواہ زلفیں خواہ مژگاں خواہ ابرو خواہ چشم
مرے دیکھکر حال داماں کا — پھٹے کیوں نہ سینا گریبان کا
کیوں مستِ نگل بھی دل کے نہ رونے میں گئی — سجاد مجکو باقی ہے چشموں سے یہ گلا
تیری ان کالی کالی زلفوں پر — کیا گھٹا کی طرح برستی ہے
کیسے جنگل اُجاڑ کو دیکھیں — یہ ہی "سجاد" دل میں بستی ہے
سُرخیِ لب ہر آں میں کچھ ہے — یوں کچھ اور رنگ یاں میں کچھ ہے
اس زمانے کی دوستی کا رنگ — آں ہیں کچھ ہے آں میں کچھ ہے
یعقوب کے عشق پڑا سر پہ ٹوٹ کر — آنکھوں نے اُس کی رو دیا آخر کو پھوٹ کر

مرزا محمد رفیع المتخلص بہ سودا، اوستاد اوستادانِ کامل و نقادِ سرآمد شعرائے زماں در میدانِ نزاکتِ بیاں فکرش چوں مہر گرم تازست، و در عرصۂ لطافت و قدرت و متانت سخن باروئے فطرت او چوں تیر راست اندازست، فلک از علو رتبۂ فکرش انگشتِ ہلال بدندانِ پردیں گرفتہ و خورشید از سمو منزلت خاک قدم طبعش را بجاروب مژگاں رُفتہ، اُستاد شعرائے عصر و مقتدائے ملحائے دہر، میدان بیانِ او وسیع و طرز معانی او بدیع سپاہ دانش شاہ و بر آسمان بینش ماہ، در قصیدہ و

ٹک جاگ سے تو چھوڑ کر غافل پلنگ و خواب
آخر کو یہ رہی ہے کہ چھاتی پہ سنگ و خواب

کیا کیا لڑائیاں تھیں سرک سوتے ہیں ہم
جاگیں گے پھر بھی سخت کہ ہوگا جنگ و خواب

ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست
دونوں میں آن کسی کو نہ آشنا پرست

سودا گرفتہ دل کو نہ لاؤ سخن کے بیچ
جوں غنچہ ہو زباں ہے اس کے دہن کے بیچ

گل رخصتِ بہار تھی شبنم صفت ہیں روئے
روتا ہر اک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

سودا کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لیکے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلیں کلیاں
چمن میں لیکے خمیازہ کسی نے انکھڑیاں ملیاں

غیر کے پاس نہ ایسا گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

دل کے ٹکڑوں کو لعل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج ان کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

بہار و باغ ہو مینا ہو جام صہبا ہو
ہوائے ابر ہو ساقی ہو اور دریا ہو

روا ہے کہ تو بھلا اے سپہر باانصاف
رہائے زہر چھپے راز عشق رسوا ہو

اے لالہ گو فلک نے دئیے تجکو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

بدلہ برے ستم کا کوئی تجھسے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

فکرِ معاش و عشقِ بتاں یادِ رفتگاں
دو دن کی زندگی میں اب کوئی کیا کرے

گر ہو شراب و خلوت و معشوق خوب رو
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

عشق سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

جگ میں شراب خوار کی تشہیر کے لئے
سودا جو محتسب ہو تو زاہد کو خر کرے

میں کہتا ہوں دل ایسے کہ سنگ نام سے گزرے
ہوں گر اس میں نہ باتیں تو کیا آرام سے گزرے

سارے نہ برا مانو تو اک بات کہوں میں
کس لطف کی امید پہ نہ جور سہوں میں

گر چھپکے کہیں تجکو زرا دیکھ رہوں میں
ہر ایک سے مجھے آکے سناتا ہے کہوں میں

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

کس گلی دیکھ کے ہیں اس کو پکارا نہ گیا
مڑ کے ٹک دیکھنے کا ہائے گوارا نہ کیا

کسی کا دیں کیا حق نے کسی کی دنیا
سب کا سب کچھ کیا پر تجھ کو ہمارا نہ کیا

نہ کھینچ اے شانہ ان زلفوں کو یاں سودا کا دل اٹکا
اسیرِ ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا

پھرے نہ برقِ خارِ آشیاں اپنے سے کہتا ہوں
اڑے گا دھجیاں ہو کر جو یاں دامن ترا اٹکا

موجِ آتش ہے سیل آنکھوں میں
شاید اس دل کا آبلہ پھوٹا

نہ جیا تیری چشم کا مارا
نہ تری زلف کا بندھا چھوٹا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

ترا جی مجھ سے نہیں ملتا مرا جی رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

سودا سے یوں کہا میں دل اس قدر نہ کھو
کہنے لگا کہ ناداں کیا پوچھتا ہے ہونا

تیرے کوچے سے ہم نے آپ کو جلتے دیکھا
جی کسی تن سے نہ اس طرح نکلتے دیکھا

سوجھی تدبیر نہ تقدیر کو بہلانے کی
جب تجھے قتل پہ عاشق کے مچلتے دیکھا

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا
جوں اشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائے گا

فرصت ہو باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن
جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا

جی مرا مجھ سے یہ کہتا ہے کہ ٹل جاؤں گا
ہاتھ سے دل کے ترے اب میں نکل جاؤں گا

قطرۂ اشک ہوں پیارے مرے نظارے سے
کیوں جدا ہوتے ہو پل مارتے ڈھل جاؤں گا

چھیڑ مت بادِ بہاری کہ میں جوں نکہتِ گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

اس خرابی سے تو مت مجھ کو نکال اے گھر سے
تو کہے آج نکل میں کہوں کل جاؤں گا

کیوں اسیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہو گئے کون سے گلشن خراب

مری آنکھوں میں تو رہتا ہی مجکو کیوں رُلاتا ہی
سمجھکر دیکھ تو اپنا ہی کوئی گھر ڈھاتا ہے

عیاں ہی شوق ملنے کا مرے مانے کے کا عدسے
کہ جب کھوے ہی تو اس کو تو ڈلیٹا ہی جاہے

اسکے بھی دن بہار کے یو ہی چلے گئے
پھر پھر گل آ چکے پہ سجن تم بھلے گئے

پوچھے ہی پھول دیکھل کی حراب تو عندلیب
ٹوٹے جھڑے حراں ہوئے پھولے پھلے گئے

گل بھیجے ہی عالم کی طرف ملکہ تمر بھی
اے جانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

تصور میں ترے کہیو صبا اس لاابالی سے
گلے لگ لگ میں رویا رات تصویر نہالی سے

ڈرتے ڈرتے ترے کوچے میں جو آجاتا ہوں
صید جائف کی طرح رو نقفا جاتا ہوں

نہ تلطف نہ مروت نہ محبت نہ وفا
سادگی دیکھ کہ اس پر بھی لگا جاتا ہوں

سوچوں ہوں لے تئیں جوں سحر رفتہ رفتہ
گاہ گاہ اگر آپ میں آجاتا ہوں

کیا اتنک مرا پاؤں تلک ڈھلتا ہے
سرک کا ترے قدم تلے رُلتا ہے

اے غنچہ دہن بہار سے ٹک ہنسکر بول
کیا دل ہے مرا تو کہ ہنس کھلتا ہے

میر سوز سلمہ اللہ تعالیٰ شعلۂ عالم سوز و گوہر گیتی افروز محمد میر المتخلص بہ سوز فقیر پسے مثال و درویش باکمال، مستی بے لطر و خوش سوس دل پریز، شاعر شیریں بیان و سحر سنج زمان دان، مجلس نشیں دانشمندی قصر ہفت در عات بلندی، گلدستۂ تر و تش چون گلشن حسن دلبران تازہ و گلہائے لطمش در کثرت چون ستارہ غم بے اندازہ، فضائلش چون حسن خوبان عالمگیر و خصائلش چون جمیارۂ بار محبوبان دلپذیر، مسخر قلم و شیریں رقم رسحات مداد قلمش از در یاے اعزار گلاب عسر ریزش از بوستان اعجاز رسالۂ در علوم تیر اندازی نوشتہ تذکرہ جون تیر در راستی بکمال قوت در میدان سخن انداختہ و خود چون کمان از یک رنگی آفاق نگوستہ نشینی ساختہ در عہد خود از جملہ اساتدان ممتاز، طرزادائش بیک اوست و خوامدن اشعارش از زبان او سکوت، از خواندنش بیان خوش نماید کہ در گفتش نمی آید، مردیست متواضع و متوکل قابل دوست و جوہر شناس، این سید

ہر چند آئینہ گرد اس غم سے اپنے منہ نہ ملتا ہے   خدا جانے کہ کیا کیا صورتیں اس خاک میں گڑیاں
ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں   تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں
مت ڈھانک رخ کو تم اپنے حق میں کیوں کانٹوں کو بوتے ہو   یہ عارض گل ہو دینگے خط سبزہ بھی کھوتے ہو
رقیب سے میں ہوں نہ یہ آسماں تک جان دو قالب   مخاطب تم ملغط جاں ہم دو لوں کے ہوئے ہو
مگر اُن کا ہے جو تجکو صنم کر یاد کرتے ہیں   میاں ہم تو مسلماں ہیں خدا ہی کہتے ڈرتے ہیں
کس کس طرح کی دیکھیں اس باغ کی صفائیاں   کیدھر گئے وہ ساقی وہ ابر وہ ہوائیں
صورت میں تو کہتا نہیں ایسا کوئی کب ہے   اک وضع ہے کہ وہ تمہیں آفت ہی غضب ہے
کہتے ہیں جسے عشق وہ کیا چیز ہے سودا   جوں ذات خدا جس کو حقیقت نہ نسب ہے
یاں نہ ذرّہ ہی چمکتا ہے فقط گرد کے ساتھ   جلوہ گر یوں ہی خورشید کا ہر فرد کے ساتھ

صبحدم آج چمن بیچ ملے جو سودا   ق   ملتا اک شعر یہ پڑھتا تھا بیٹھ درد کے ساتھ
دل کو چاہا تھا کہ خالی کرے ناسپد حیات   ہو گئی جان ہوا اک نفس سرد کے ساتھ
کہے ہے مجکو جو زاہد کہ تجھکو دیں تو نہیں   کھڑا دے ختم ہیں مرے منہ سے جل نہیں تو نہیں
اس دل کو دیکھے لوں دو جہاں نہ کچھو نہ ہو   سودا تو ہو وے تب نہ کہ جب اس میں تو ہو
قصہ تو حسن و عشق کا چکتا ہے دل کے بیچ   گر محکمے میں قاضی کے تو رو برو ہو
تنزل میں بھی ہم ہرگز ترقی سے نہ کم ہوتے   جو سنگ کوہ سے پتھر تو پتھر سے صنم ہوتے
ہوا ہو وےگا کیا کیا مژدہ رموز و تلطف کا   خبر کل حال مدلیے کے اسدم کاش ہم ہوتے
خاک پر بھی تیرے دیوانے کے نہ تدبر ہے   ہر بگولا طوق ہر موجِ ہوا زنجیر ہے
تولے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں   نہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں
جس نے پوچھا کہ دلِ خوش ہے کہیں دنیا میں   رو دیا اس نے اور اتنا ہی کہا کہتے ہیں

سلے تیں

کم نہیں ہوتا غبارِ خاطرِ جاناں ہنوز
خاک سے میری جھٹکتا ہی کھڑا داماں ہنوز

غم سے تیرے ہوا یہ سوز وہ گداز
پر نہ آیا تو اسی ضد سے باز

یوں کھپ رہا ہی گُل کے کلیجے میں خارِ حیف
عشق ہی صد لیک تو اب تک ہرا رحیف

صورت کو دیکھتے ہی گئے ہاتھ پاؤں بھول
گھبرا دیا نہ اے دلِ ناکردہ کار حیف

دیکھا تو کچھ نہ آکے جہانِ خراب میں
کیوں رند کی خلل ہی کیا تو نے حواس میں

پیری میں عشرِ گریہ بھلا اور کیا ہے سوز
دریا کی سیر ہے تو شبِ ماہتاب میں

قتل سے ہر استخواں میں درد کی آواز ہے
کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے

اس فرشتہ شکل پر کھویا ہی کتنا مہر سوز
بے پروبالی میں جس کی عرش تک پرواز ہے

اُمیدِ وصل ہر طمعِ خام کچھ نہیں
ہر صبح ہی قسم یہ قسم تمام کچھ نہیں

بلبل کہیں پتنگ کہیں اور ہم کہیں
اکٹھے یہ دل جلے ہوئے ایکدم کہیں

گو آہِ متصل یوں ہی آتی رہیگی سوز
اندیشہ ہی مجھے نہ نکل جائے دم کہیں

اٹھ جائے سوز دو دو قدم لے بس ایک جا
جا نہ ہمارا کھجاتا ہے ابھی دستار کو

سوز گردش سے غمِ گردوں کی مت دلتنگ ہو
جوش کھا کھا دل مرا آپ ہی بادہ گلرنگ ہو

کس طرح روتے ہوئے دیدۂ تر دیکھیں تو
کس طرح بہتے ہوئے لختِ جگر دیکھیں تو

خوش تو ہوتا ہی گلا دیکھ کے سٹ کی عالم
ہوش اڑ جائیں گا تیری اگر دیکھیں تو

نوکِ مژگاں نہ تو آجاؤ جھمک کر پیارے
لختِ دل آج تمہارا بھی ہنر دیکھیں تو

یاں تو نکلی نہ حسرت دل کی آیا ہے گا ہے
اے فلک سرِ حد رخصت آہے گا ہے

ایک نے سوز سے پوچھا کہ صنم سے اپنے
اب بھی ملتے ہو یہ سوز کہ گاہے گاہے

ق

دیکھکر منہ کو گھڑی ایک میں بھر کر دم سرد
یوں اشارت سے جتانا سر راہے گاہے

اس تنگ وقت میں تو نہ تاخیر شرط ہے
ہے صیدِ نیم جاں اسے تکبیر شرط ہے

جس گلستاں جہاں میں کہ صیاد کا ہو خوف
رہنا برنگِ بلبلِ تصویر شرط ہے

ضیاء الدین بخاری از اولاد قطب عالم گجراتی، بر فقیر بسیار کرم می فرماید و از کلام شده محظوظ ست
حق تعالیٰ بسیار سلامت با کرامت دارد۔ سوز و ام افضالہ۔

میں کس کے ہاتھ لکھ بھیجوں میاں صاحب سلام اپنا
مجھے تو بھول جاتا ہے ترے دھڑکے سے نام اپنا

دل کے ہاتھوں بہت خراب ہوا
جل گیا لوٹ گیا کباب ہوا

جن کو تب دیکھتے تھے اس آن کا
دیکھا ہیں خیال و خواب ہوا

یارو دور جائیے اللہ
کیا زمانے کا انقلاب ہوا

سوز کچھ منہ سامنے آتا ہے
آج محشر کا پھر جواب ہوا

کسی نے روم کی قسمت میں کوئی شام لے آیا
ہمیں کچھ لے نہ آیا ایک تیرا نام لے آیا

صدا ہی در پہ کچھ پیغامبر کی سی صدا جاسے
تو پید وصل ہے یا ہجر کا پیغام لے آیا

اہل ایمان سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
آہ یارب راز دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا

کہے ہی کا اب قصد یہ گمراہ کرے گا
جو تم سے بتاں ہوگا سو اللہ کرے گا

بغیر از عاشقی کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا
تڑپنے کے سوا آرام مجھ سے ہو نہیں سکتا

وہ میرے نام سے بیزار ہیں ملنے کے کیا معنی
نہ صاحب وصل کا پیغام مجھ سے ہو نہیں سکتا

کہاں میں اور کہاں اندیشہ بوس و کنار ان کا
نہ کھائی یہ خیال خام مجھ سے ہو نہیں سکتا

غم تو کہتا ہے کہ میں تجھکو ستا جاؤں گا
پر مری جان ترے غم کو میں کھا جاؤں گا

مجھ سے مستی کو لگا دکھ نہیں رہنے کا
میں مسافر ہوں کوئی دن کو چلا جاؤں گا

سر از پیرشام آئی اب تلک منزل نہیں پاتا
کہاں بستر بچھاؤں میں کسی کا دل نہیں پاتا

دور سے دیکھتے ہی سوز کی شکل
کیسا بھاگتا ہے وہ شتاب شتاب

ایک بوسہ تو مجھکو دو صاحب
سنتے ہی منہ پھرا لو صاحب

مانگتے ہیں ہم اپنے یار کی خیر
آنکھیں کچھ تو دے بہار کی خیر

ابر کہتا ہے بار بار مجھے
بھیجو چشم اشکبار کی خیر

زلف کے پیچوں میں کیا جا کر دھنسی | یا الٰہی ہاتھ ہوں شانے کے خشک
اس کے دل میں ہے کہ گوہر روئیے | ہوں سراسر آب دکھلانے کے جتنک
کہوں اک بات میں تجھ سوں اگر جی کی اماں پاؤں | مجھے قربان ہونے دے ترے قرباں ہو جاؤں

رباعی

جو میرے عدو تھے اُن سے تو یار رہوا | مجھ سے لڑنے کو اب تو تیار رہوا
رہ رہ کے مرے دل میں یہی آتا ہے | اللہ تو مجھ سے ایسا بیزار رہوا

اکثر اشعار میر سوز و مرزا رفیع سودا در دیوان ہمراہ حال یافتہ میشود ازین جہت اشعار او را قلمی نکردم اینجہ دو سہ نوشتم بر ہمان اکتفا کردم

سلک متاخرین میر یادگار علی سید تخلص تخلصے است از سادات بہادر پور کہ مشہور ضلع سوات ست طبع موزون دارد دوران دیار عزیز بر کسے ست سلامت باشد از وست

خدا کے واسطے صیاد تہ کر اب تو دام اپنا | کہ گلشن سے لیا ہے تو نے خاطر خواہ کام اپنا
شورشیں باقی ہیں دل میں تیسرا آتی ہے بہار | دیکھئے کیا کیا شگوفے اب کے لاتی ہے بہار
کیا اب آمد کریں وصل کی مرتے مرتے | عمر تو کٹ گئی رنج ہجر کے بھرتے بھرتے

میر سلیم المتخلص بہ سلیم مردیست سلیم الطبع، از ساکنان عظیم آباد تجارت پیشہ خوش اندیشہ بندہ و برادر بندہ برمالی دیگران بستدہ کہ گاہ گاہے فکر غزل می نماید و الفاظ را درست می نشاند سلامت باشد از وست

پڑھائے عشق نے جب ہم کو نکتے علم مستی کے | پریشاں ہو گئے اوراق سب دیوان ہستی کے
ہوئی معلوم تو یہ حول دل کے جوشش سے مجکو | کہ رحم تا رہ پہنچے گا کسی کی جوشش سے مجکو
سراب سحودی سے کیا کچھ تھی تیغ قاتل کی | کہ رحم اُس کا لئے جاتا ہے ہر دم ہوش سے مجکو

ہاں مثلِ گُل شگفتہ ہو غنچہ ساں خموش　　ماتم سرا ہیں صورتِ دل گیر شرط ہے
یوں پوچھا کہ سچ ہے رلانے کو عشق ہے　　صدقے ہیں جان جو تجھ بُھلانے کو عشق ہے
دل جانے جدا ہے جدا لا شریک ہے　　پر اس میں سوز تیرے سمانے کو عشق ہے
اشکِ خوں آنکھوں میں آ کر جم گئے　　دُور سے بھی دیکھنے سے ہم گئے
پاس آ کر دیکھا تیرا بڑا ارماں ہے　　مجھ کو مشکل ہے لیکن تجھ کو سہل آساں ہے
اے نکہتِ گُل جائیو محفل میں کسی کے　　ٹک دل کو مرے ڈھونڈیو تو دل میں کسی کے
بیمار کی آ لیے شامِ ہجر لے　　اس پہ اب جدائی ہو جو ظالم وہ سحر لے
جوں حصر ہوس عمرِ ابد کی نہیں مجھ کو　　اس دم کی تمنا ہے جو تجھ پاس گزر لے
پیتا ہوں یادِ دوست میں ہر صبح و شام جام　　لے یادِ دوست مجھ کو ہے ملنا حرام جام
[illegible] وقتِ نزع منتظرِ کلمہ سوز سے　　حسنِ لبوں کی دیکھی تو کرتا تھا جام جام
اندوہ سے تیرے مر گئے ہم　　رووں کیوں کر نہ گھر گئے ہم
کاہے کو تو گھورتا ہے ظالم　　کچھ پیتے تیرا مکر گئے ہم
بس بس آنکھیں نکال مت واہ　　اپنے غصے سے ڈر گئے ہم
زماں سے ہو سکے کب دلربا تیری ثنا کہنا　　مگر صورت کو تیری دیکھنا اور واہ وا کہنا
پرکار کی روش پھرے ہم چلے چل سکے　　اس گردشِ فلک سے نہ باہر نکل سکے
رونا بھی تھم گیا ترے غصے کے خوف سے　　تھی چشم ڈبڈبائی پر آنسو نہ ڈھل سکے
دل کی قدر و منزلت ہاں کچھ نہیں　　لاؤ مالِ یار کی سرکار ہے
ہم نے کون و مکاں دیکھ لیا　　پل میں سارا جہاں دیکھ لیا
دیتی ہے کے لئے ہی ہستی ہے　　ہاں مرے مہرباں دیکھ لیا
اشک کب ہوں تیرے ستانے کے خشک　　کوچے کب ہوتے ہیں بہانے کے خشک
چوری چوری تیرے منہ ستاند لگا　　ہونٹھ تو ہی ہنسے ستانے کے خشک

جو دھو کر داغ دل سے پاک کیجے — تو جاری دیدۂ نمناک کیجے
جلا جو آتش غم سے سراپا — علاج اس کا بھلا کیا خاک کیجے

حرف الشین

احوال متقدمین | شعور دکھنی **شعور** تخلص این شعر شعور او ظاہر است ؎

برسات میں نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب — روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھ پہ آفتاب

شاہ قلی خان **شاہی** تخلص از ساکنان بھاگ نگر بود مدتے بر توسل نوکری بادشاہی در بلدۂ حیدرآباد بسر می برد آخر بمنصب مدحی **تاناشاہ** مقرر گردید بیشتر مرثیہ میگفت در ولایت ہندوستان دست بدست می آوردند عفی اللہ لہ ؎

ملا تمہن کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ مجھ کہے — کس کس کا موند موندوں سچ کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

احوال متوسطین | محمد شاکر **شاکر** تخلص از یاران محمد علی حشمت در علم نجوم ماہر بود طبع موزون بر داشت فکر سخن خالی از درد نیست **ازوست** ؎

کیا پوچھے ہے حال بلبلوں کا — جو ان پہ گذر رہی ہے گذر لے
گلچیں تجھے کیا تری بلا سے — گل توڑ کے تو تو گود بھر لے

حکیم یار علی **شفا** تخلص در ہمان زمان بود گاہ گاہ دو سہ ریختہ بہم میگفت در طبابت دست تمام داشت خدا اش بیامرزد **ازوست** ؎

جوں ڈاک کے دئیے سے نہ ہو ماکھلے ہیں یاقوت — جھمکا ہے رنگ پان سے جو ہر ترے لبوں کا

شاغل تخلص در عہد محمد شاہ بادشاہ بود شاگرد میاں بسمل کہ سابق بریں گذشتہ است و مصرعے موزوں میکرد خدا اش بیامرزد **ازوست** ؎

خالی نہیں ہے اس سے تری فکر زلف و رخ — **شاغل** کو روز و شب ہے ترا ذکر زلف و رخ

شاعر پر شوق میاں حسن علی المتخلص بہ **شوق** مرد سپاہی پیشہ صاحب دیوان ا ر

سلیم اس بیکسی سے ہائے زیر خاک جاتا ہوں　　کہ رو دیگے لگا کر تکبیر آغوش سے مجھکو

از امرای عالیجاه نواب احمد علی خان ولد افتخار الدوله بهادر مرزا علی خان قائم الدوله مخاطب بشوکت جنگ المتخلص به **سوزان** جوانیست در سخن سنجی نگاه ... اوستاد زمانه در وقتیکه میر ضیا سلمه الله همراه آن نیکو خصال بود گاه گاهی ... بر در میدان عمل جولان می نمود اکنون مدتی شد که راقم ... طرف نسبت حق تعالی آن سرو موزون را در گلستان جهان سرسبز داراد ؎

بس کہ دیکھ تیرا گرم ستم یاں میں رہا　　طپش جگر میں رہی اضطراب جاں میں رہا
اگرچہ کعبے ہی پہنچے تو کیا ہوا اے شیخ　　یہاں تو دل میں رہے اور دل یہاں ہی رہا
تھا ہیں یوسف کو بیچا واہ یوہی چاہیئے　　خوب کی تو نے زلیخا چاہ تو یوں چاہیئے
مت دل لگا بتوں سے کہے یہ جا کسی کے　　ہرگز ہوئے نہ ہونگے یہ آشنا کسی کے
سوزی ہے کیا ستمگر اس ہفتہ دوستی میں　　ایسا کسی کو کیجے ہو رہیئے اکسی کے

رباعی

جانے سے نہ پوچھ اس کے کیسی گذری　　دشمن پہ نہ گذرے ہم پہ جیسی گذری
جوں مرگ کا وقت گذرے ہوتا یارب ہے　　یہ زیست ہماری ساری ایسی گذری

میاں سکندر عرف گهسیٹا از مرثیه گویان متاخرین ست اکثر در زبان پوربی و پنجابی و مارواری مرثیه گفته و بسیار مربوط گفته و در قصه جوانی و غرق کشتی سرمایه ست. یک قصه ملاح و ماهی و بادشاه دل جوار بسیار با آب و تاب نظم نموده است اگرچه علم ندارد ولیکن بر کلام او جای انگشت نیست چون با همه مردم خوش طبعی دارد و شراب میخورد و در نظر بعضی ها سبک مینماید عرض عرفه ... گاه گاه بطرز قدیم شعر میگوید. طبعش مائل ایهام بسیار است سلامت باشد **از وست** ؎

اے کج مدار چرخ ہاتھوں سے ترے — اوراقِ جہاں تمام ابتر دیکھے

احوالِ متاخرین | میر کلو سلمہ اللہ تعالیٰ المتخلص بہ **شاعر** از اقربایاں و خویشاں خواجہ **میر درد** دام افضالہ، جوانے است بکمال صلاحیت آراستہ و بعلم و عمل پیراستہ اہل دل، منصف، متواضع، مودب، بزرگ و بزرگ زادہ، فکرش عالی و طبع رسا و سخنش سوا لیق خوشنما، دیوان ریختہ مرتب کردہ و بیشتر رباعیات بطور **میر سوز** عمداً گفتہ ہمراہ میاں الم در فیض آباد آمدہ بود بندہ با وے ملاقی شدہ است، خدایش سلامت دارد

ہمیں یارب خبر اصلا نہیں ہے — کہ سینے میں دل ہے یا نہیں ہے
تجھے حق سے صنم دیکھا کہے کیا — خدا پر علم سے پردا نہیں ہے
تری زلف آن الجھی ہے مرا دل — کسی سے آج تک الجھا نہیں ہے
بیچ نگہ لگا ٹک اور رحم دل فگار پر — آہ نہیں یہ واہ ہے تیرے ہر ایک وار پر
ہمارا دل لیے جاتا ہے وہ جو تکرار کیا کیجے — سوائے صبر کچھ چارہ نہیں ناچار کیا کیجے
گریباں پھاڑ کر کدھر نکل جاویں ہم اے وحشت — ہوئی ہے زندگی ناحق گلے کا ہار کیا کیجے
وہ سو جاتا ہے جھوٹھی موٹھی سن کر نہیں سنتا — حقیقت اپنی ایسے شخص سے اظہار کیا کیجے
مثل مشہور ہے شاعر کہ سوتے کو جگاتے ہیں — جو کوئی جاگتا ہووے اسے بیدار کیا کیجے
ہم دیکھتے ہیں یوں کسے اے یار جہاں میں — اک تو ہی تو اس بات کے قابل نظر آیا
دیتے تو دیا آہ دل اپنا تجھے لیکن — جانا بھی پھر اس بن ہمیں مشکل نظر آیا
گر کہا ٹک بھی میرا کیجے گا — پھر جو جی چاہے کہا کیجے گا
عوضِ لاکھ جفا ہے یہ ہمیں — ایک گر وعدہ وفا کیجے گا
ٹک بھی گر چینِ جبیں سے کیجے گا — پھر نہیں ہم بھی یقیں کیجے گا
اپنے مطلب کی کہے جائیں گے ہم — گرچہ سو بار نہیں کیجے گا
تکرار ہو جو ظلم و ستم کی تو کیا مزا — ظالم تمھی ہے لطف کہ ہر دم نئی رہے

شاگردان سراج الدین علی خان آرزو مدتی در سرکار نواب عماد الملک غازی الدین خان
بوسیلهٔ سپہگری بسر بردہ الحال معلوم نیست کہ کجاست شعرش بسیار رماندادہ است و مشتاق
سرار کلامش بودہ است اکثر این غزل اورا العمہ سرایان ہند در ہر دیار مسموع است
سلامت باشد

ہے غرض اپنی ہمیں یار کے ملجانے سے — اور کچھ کام نہیں کعبہ و بت خانے سے
میں ہوں مخمور و خرابات نشیں بادہ پرست — جی ہے مخطوط مرا گردش پیمانے سے
مدت سے یہ بحث درمیاں ہے — پر علم نہیں کہ سر کہاں ہے
اگر قاصد پرے کو جے سے ٹک جلدی نہ آویگا — تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جی ہی جاویگا
میں ایسی کم رہائی سے عزیزاں گریہ کرتا ہوں — لب زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ہوں
ماتم میں میرے کوئی بھی رویا تو غم نہیں — تربت پہ میری شمع کا ہنسنا بھی کم نہیں
آپکا خط بھی نہ تیرا ت پیا اک بار ہے — ہو چکی آخر بہار اور اب نہیں آعار ہے
بھڑکی آتش دل ہمارے جانا تھا بہار آئی — ہوائے ابر نے دونی وہیں یہ آگ بھڑکائی
کیا کیا ستم نہ تجھے کئے ہیں ستم یار سے — جو سختیاں ہیں مجکو زمانہ دکھا چکا
آج ہی ملو تو بہتر وعدہ غلط ہے کل کا — جوں طفل اشک میں تو مہماں ہوں کوئی پل کا
تیری جفا اٹھاوے یا جور آسماں کا — انصاف کر تو ایسا پتھر ہے دل کہاں کا
خط مرا پڑھکے نہ جواب دیا — نامہ شوق کا جواب نہیں
تو نے چمن میں اس کو آنکھیں دکھائیاں ہیں — نرگس نے تجھسے تو ہی آنکھیں چرائیاں ہیں
گر عاشقی کرو تو معلوم ہو حقیقت — اے ناصحو تمھیں تو باتیں بنائیاں ہیں
سنتے ہی نہیں یہ بت گمراہ کسی کی — ان ساتھ کٹے کس طرح اللہ کسی کی

رباعی

اس دور میں ہم تماشا اکثر دیکھے — تھے وہ جو غلام تاج برسر دیکھے

رات کیا ہو گیا تماشا تجکو شفیع | جب کھلی آنکھ ہے روتے دیکھا
عمر سے لیٹے کو کرں گو سہ نبیع | دل میں بٹھا رکھنا چاہئے
یار کا ناگوسس میں دور کچھ | اسے نہیں خاک ہوا چاہئے

حرف الصاد

احوال متقدمین | صبائی، تخلص، احمد آبادی ست از وست سہ

ررسے ہو آسمائی رر سے ملے پرہائی | رہیں تو ہو جدائی و ماہیں جو ہو رر کہ

ملک متوسطین | صفدری، تخلص تخصے گرستہ است از وست سہ

سرجانا پر میں لی گئے رنگ لجا دیکھو | شمع کافوری یہ پروانہ سی بیا دیکھو

نور حدیقہ محمدی دکل بوستان جعفری سلالہ دودمان مرتضوی و مصطفوی میر جعفر خان ابن میر محمد خان ولد میر سید محمد قادری نور اللہ مرقدہ صادق تخلص، جوانے بود بکمال خوبی و فصاحت و ملاعت و صلاح و تقویٰ در فن شاعری متقعد و طالب علم جید طبعش بغایت متین و لطیفش بہایت مبین بہارستان جعفری کتابے از تصنیفات اوست اصلش از ساتھواں آباد است از بالۂ پیرم دی درگاہ جدا رست میر سید محمد، او سجا مجلس ہر ماہ می شد، مردم بسیار می آمدند و قوالاں میخواندند و صوفیاں بوجد می آمدند۔ از چندے شنیدہ میشود کہ بہ رحمت الٰہی واصل گشتہ ہماں جا مدفون است غفر اللہ لہ سہ

وصل کے شور سے عاقل سبھی دیوانے گئے | شیخ بھی جائیے آج تو رندانہ بیئے
یوں ہیں عیسٹر لب اور مثال نرگس | ہم رہیں دیکھتے ہی ہاتھ میں پیمانہ لئے
لوح پر زلف کے مارنے کے لکھا دیکھا تھا | موئے بھی لہر گئے اسے تیرا کاٹا ڈسے
دل ہو یہ یا کباب ہے کوئی | عاشقی بھی عذاب ہے کوئی

میر فتح علی المتخلص بہ شیدا از ساکنان متوطن آباد است پسر خواندۂ میر سوز خواہے بکمال اخلاق متواضع، مؤدب، از شاگردان مرزا رفیع سودا سلمہ اللہ تعالیٰ سیاہی پیشہ است بندہ او را یک مرتبہ ہمراہ میاں آفریں دیدہ است طبعش بلند افتادہ از کلامش بوئے درد مندی ظاہر است

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں — اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں
آسے تھے کیوں عدم سے کیا کر چلے جہاں ہیں — یہ مرگ و زیست یا رو تو آیس میں ہستیاں ہیں

لالہ خوشوقت رائے، شاداب تخلص، مولد او چاندپور بدیہ ست، منشی است شعر خوب می گوید در جہاں آباد خود باعزاز و اکرام بسر می برد، جدالیق زندہ دارد

دیکھو اس کے بندہ بہ زلف سیاہ کے تئیں — کیا ریت دی ہے کفر نے اسلام کے تئیں

واقعی این کافر مضمونے خوب یافتہ است کہ کفر ارو می بارد ولہ

بس ہو چکی تسلی تو دل زار کے تئیں — اے کاش موت ہو ترے بیمار کے تئیں
حسن تا ملک ہو کام مژگاں سے تو ابرو مت چڑھا — تیر کے ہوتے بھی کھینچے ہے کوئی تلوار کو

میر محمدی شرف تخلص، برادر زادۂ نواب خان دوران مرحوم، بندہ ندیدہ لیکن اکثر از زبان یاران شنیدہ کہ طبع خوبے دارد و بسیار زیرک ست متنبر بطور بامر علی مرزا خلال اسیر ریختہ میگوید حالا در شاہجہان آباد است

عکس ہے کس مہ جبیں کا دلنشین آئینہ — ہمسر کِ کاک دری ہے سر زمین آئینہ
صاف دل کا مرتبہ ہے عرش و کرسی سے بلند — جلوہ گر ہے آسماں زیر زمین آئینہ

میر محمد شفیع سلمہ اللہ شخصے است مجمع اخلاق و منبع استحقاق، عاشق ریختہ گویان و در جمع نمودن اشعار ایشان طبعش پویان، با میر و مرزا و میاں قائم یکجا صحبت داشتہ الحال بہ لکھنؤ در عالم تجرد بسر می برد و اشعرے بسیار گاہے یک دو سہ بیتے خود ہم میگوید خدایش سلامت دارد از وست

شعر پر دردش بر جگر عاشقان نشتر را ماند و برای سوختن عشق تیر آتش است، اکثر غزل زمین سنگلاخ گفته و الفاظ نامانوس را در بندش مقبول نماید، کار دست طبعش از شاهجهان آباد است، از حیث ادب عظیم آباد استقامت دارد، اسیر اجتناب راسخ لطایف بدرکم و بیش حسن گیرائی می است، شده ام که از حیثم فکر شعر میکند، با حال شده ام اکثر شاعران آن دیار اصلاح سخن از سر موصوف می گیرند، شده ام استفاده سخن از آن بزرگوار حاصل نموده، استاد فقیر مؤلف کتاب همان است، غوطه اینچنین آشنا درست در آشنائی مدید و نشسته، متواضع، خوش، اهل دل، منصف مزاج، دردمند از هر که شعر پر درد شنید محظوظ شده و گریستید، دیوانش ترتیب یافته است، قصیده و هجو و مثنوی و رباعی کم گفته منتشر و لیات از آن مشهور است، خدا سلامت با کرامت دارد

جمع کرکے درد سارے توٹ پیدا دل کیا
کہ تو اے دست قضا پھر اس سے کیا حاصل کیا

کیا مرے سے جی نکلتا جو وہ ٹک پھر دیکھتا
کام آساں مجھ پہ قاتل نے مرے مشکل کیا

ماؤ بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ مرجھانے لگا
آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کمھلانے لگا

قیس دیوانہ ہوا اور کوہکن جس سے موا
عشق ہم کو بھی وہی اب کام فرمانے لگا

ایک دن وہ تھا کہ روز روشن رہتے تھا پاس ہائے
اب خبر بھی بھیجنے سے ہم کو ترسانے لگا

کل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے سگ حلق
اُس کے کوچے میں ضیا تو آج پھر جانے لگا

میں نے کل پوچھا ضیا سے دل کو کدھر کھو دیا
اُس نے کوچے کو ترے بتلا کے ٹک پھر رو دیا

دیکھیو اے دوستاں جھکا ضیا کیوں ہو گیا
مر گیا بیتاب ہو یا روتے روتے سو گیا

ضیا ہی کون کیا جانوں ترے گھر میں جو آتا تھا
کوئی حسرت سے پھر پھر دیکھ ادھر روتا جاتا تھا

برس اے ابر قبلا چاہیے تو اب تیری باری ہے
کبھی دل تھا تو میں بھی رو رو اک دریا بہاتا تھا

کیوں گریباں و مدام کرتا ہے اپنا چاک تو
ہاتھ سے ترے ضیا کس گل کا دامن چھٹ گیا

آہ کرتے ذرا ٹک گئے ہیں ہم
کیا بتائیں بھڑک گئے ہیں ہم

شرم سے نام تو نہیں لیتا — پر ہمارا خطاب ہے کوئی
مجھکو قدرت بھی خدا کی نظر آتی ہے بڑی — تیری سنتے ہیں وہ ناحق کہ کسی کی نہ سنیں
ہم اگر جیتے رہے بھی تو بھلا کیا حاصل — دیکھتے ہیں کہ تری ہم سے وہ آنکھیں رہیں

صابر تخلص کسے گذشتہ است از سلک متوسطین، سرسری میگوید کلامش بپختگی نرسیدہ است از وست

یار اس طرح گیا کہ ادا کو ہوئی خبر — جور اس طرح کیا کہ جفا کو ہوئی خبر
صابر نے اپنے یار کے پاؤں پہ سر کو دھر — جی اس طرح دیا کہ قضا کو ہوئی خبر
سارے عالم میں جو ڑا تھا شوخ — میری قسمت میں وہ دھرا تھا شوخ

میر محمد علی صبر تخلص، از سلک متاخرین ست، بیشتر مرثیہ میگوید، از متوسلان میر عالم صاحب با وجودیکہ او ہم در فیض آباد میباشد لیکن بندہ او را ندیدہ و نہ اشعارش شنیدہ مگر مرثیہ، خدایش سلامت دارد

گو کہ دلبر نے مجھ پہ قہر کیا — میں بھی دل دیکے اس کو صبر کیا
غم ہجر صنم میں رات دل کی بیقراری سے — نہ تھی فرصت مجھے وقت سحر تک آہ و زاری سے
وطن تجھ سا کوئی اے صبر دنیا میں ہوویگا — زمیں میں گڑ گیا آخر تو اپنی خاکساری سے

حرف الضاد

درین فصل کسے از قدما بنظر نیامدہ مگر در سلک متوسطین — سر آسمان سیادت و گوہر بحر شرافت دکانے وے بکمال ضیا و بہائے او بر نہایت بہا المتخلص بہ ضیا بدریست از سپہر کمال و صدریست از محفل جلال، شمعیست پر ضیا و عاشقے است با صفا طبع عالیش بلند و دل و جانش گداز و دردمند طرزش ماما لطرز مولانا نسبتی ع صکہ

چوں شدم نزدیک دیدم از تحصن ہا بسے   یکدلے بیسوخت ناوسے حد وداع حسرتے

ضیا

سب آ بد اپی کر حصول گئے   اک ترے در سے ہم ملول گئے

بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا   ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے

رکھ محروم لوسے سو ہیں قاتل کہ مرتے ہیں   جو مانگے سو اسے دیتے ہیں جس کو قتل کرتے ہیں

ملا دے آب خنجر ہم کو قاتل تشنہ جاتے ہیں   جو کوئی مرتا ہے اس کی حلق میں پانی چواتے ہیں

نہ ماتم کس دوانے کا ہے یارب آج صحرا میں   کہ سیلیں روتی پھرتی ہیں بگولے خاک اڑاتے ہیں

برعکس وصیعں آئیں اس کے بیاہ کی   شاید یہی ہے تاثیر اس دل کے چاہ کی

جلدی ضیا جنازے آتی ہے تجھ سے کرے   آواز ناتواں سی دل کے کراہ کی

رو دو ہم زمروں کو کیا اپنے دنوں کے پھیر ہیں   شمع محفل تھے جو کل سو راکھ کے اب ڈھیر ہیں

گل جو تو گلشن میں آکر پھر چمن سے مڑ گیا   چیپی لگ گئی بلبلوں کو رنگ گل کا اڑ گیا

ایک دو ٹکڑے ہو ناصح تو تو سیوے چاک تو   پرزے پرزے ہے جو سینہ کیا سیئے گا چاک تو

ٹک آہ سرد نکل نہ کہیں دل تھلک پڑے   نہ جام بھر رہا ہے مینا (سینہ) وا چھلک پڑے

تیرے ضیا کا حال میں پوچھا تھا شمع سے   اک آہ اس نے کھینچی اور آنسو ڈھلک پڑے

کسی کا نام لے کوئی عشق انا یاد کرتا ہے   ڈرو ہوں بدگمانی سے کہ شاید تجھ پہ مرتا ہے

کسی دشمن کی بھی یارب گرے مت جدائی کی   کہ جیسا اس سے میرے وصل کا یہ دل گزرتا ہے

ضیا کیا درد مزمن ہے ترے دل میں میاں سچ کہہ   کہ جو تو بات کرتا ہے تو ٹھنڈی سانس بھرتا ہے

کیا جور کیا تعدی جو کچھ کرو بجا ہے   بدلا ہے دل دہی کا اس کی یہی سزا ہے

برعکس حال اس کا میں کیا کہوں عزیزاں   جوں (لہ) جوں ادھر دعا ہے توں توں ادھر جفا ہے

نہ آزردہ ضیا کے دل کی شاں خدا دے   تم اس کو گالیاں دو اور وہ تمہیں دعا دے

دل مجھے پھر اسی کوچے میں لئے جاتا ہے   دل کو ہی قتل جہاں رات جہاں شحنوں ہے

آپ کو آپ میں نہیں پاتے — آہ کیدھر بہک گئے ہیں ہم
جوں حباب اس جامہ سے پھولے ہیں کھل لاتے ہیں ہم — حسب ادای کو بھیجے ہیں تو جلجاتے ہیں ہم
جیسے ہمدرد آپس میں کریں غمخوارگی — دل ہمارا درد اسا دل کا غم کھاتے ہیں ہم
جان کر زلف دل نہ دھنس اس میں — دام ہے دیکھ تو نہ پھنس اس میں
ہے قلمرو میں حسن کے سب کچھ — اک نہیں ہے سو وا دسترس اس میں
دل کو غنچہ کھٹ پڑا افسوس — رہ گئی کھلنے کی ہوس اس میں
ہوں میں بے صبر وصل دو مجکو — کچھ کہو مت اسے ناصحو مجکو
مجھ سا بندہ نہیں جدائی میں — ہاتھ سے اے صنم نہ کھو مجکو
خط تو ستہ میں اس واسطے لکھوں ہوں دلبر کو — کہ لکھتا شوق میں گر کچھ تو لکھتا ایک دفتر کو
پڑی برق تجلی ایسی ازل لن ترانی پر — کہ موسیٰ ہو وے بے خود اور ہو وے مدار پتھر کو
آہستہ پانو رکھیو اے لوٹے گل چمن پر — سوتے ہیں اس میں میں مارک داغ کتنے
جوں گل لگائے منہ سے پھرتے تھے آگے آہا — ہوتے ہو دیکھ ہم کو اسے داغ کتنے

تربت ضیا کی دیکھی کل رات دور سے میں — آئے نظر مجھے واں شمع و چراغ کتنے
جاکر جو آج دل کو دیکھا میں کر تفحص — ق — اک دل جلے ہے اس میں حسرت کے داغ کتنے

اس مضمون را از میر ضیا سلمہ اللہ شنیدہ سلام اللہ خان تسلیم در فارسی ترجمہ نمودہ نام جو شہرت را داین مدایست کہ در نظر صورت شناسان معانی انتقالے و قرد دیو ستیدہ می ماند مثل ہندی مشہور است

"ہاتھی پھرے گانو گانو جس کا ہاتھی اُس کا نانو"

مضمون فارسی ایست تسلیم

دوستان رفتم بر مزار کشتۂ تسلیم جو شمیں — می نمود از دور صد شمع و چراغ حسرتے

مولانا میر غلام حسین المتخلص به ضاحک از مرزبان اسعد والد این فقیر مؤلف
از سادات عالی شان سپهر مکان عالم و فاضل، ماهر و ماطسم لعایت فهیم، هزل دوست
مزاح پسند بذله گو و نکته سنج، درویش مزاج، متوکل، از سی سال ترک روزگار نموده
بکمال بے پروائی بسر می برد در فهمیدن علم موسیقی کوشش نموده در فکر آورد فکر رسا۔
باوجود قوت آن علم که در هیچ مولوی ساجد بکار برده اند چون طبائع سامعان را در خور
سخن بلند نیافتند بقدر حوصله آنها به طرف هزل توسن قلم راندند لیکن زبان تحسین عرب
احصار کرده اند که از آدم تا ایندم کسے نگفته چنانچه یک مطلع ترقیم می نماید مشتے نمونه

یا ایها الملائکه کرّوا و فصلاکم — کل توجی ترابیه قرّوا کاسره

غزلِ ایشان کم از هیچ پیچاه مثنوی باشد و بر هر غزل و هزل پاره سر لوحش بر
شعار او شایست، چون گنجایش درین مایه نکا بد بود از هزل گذشته بر غزل اکتفا
نمود تا زور و قوت این علم هم مفهوم گردد، حق تعالیٰ ایشان را همیشه بر سر ما خوش و خرم
سلامت نگهدارد ولہ

وہ مشق اگر روزِ ازل آہ ہوتا — غصہ تھا محبت کا نہ کوتاہ ہوتا
کیا دیجئے اصلاح خدائی کو تو لیکن — کافی تھا ترا حسن اگر ماہ ہوتا
آنسو ان تھمے آنسو جس آں کہ جی ڈوبا — سب جاں سے ہم اٹھے جب دیدۂ نم بیٹھے

ولہ

رباعیات فارسی در مدح امام علیه السلام

کشاف حقائق و نکات توحید — آن راکب دوش احمدی شاه شهید
خود معنی آیات کلام اللّٰهی ست — تفسیر حسینی است به قرآن مجید

اک تبسم میں کیا خلق کو ساری تسخیر / مسکرانا ہے ترا یا کہ کوئی افسوں ہے
اس گلی کا جو گرد ہوتا ہے / دربدر شہر گرد ہوتا ہے
کون سے رحم کا کھلا ٹانکا / آج پھر دل میں درد ہوتا ہے
رسوائیوں کی اپنی مجھے کچھ ہوس نہیں / ناصح یہ کیا کروں کہ مرا دل بہ بس نہیں
ہنس کھلنے کی امید ہی نہیں نہ کوئی آس ہے / غنچہ ہوں دل کا مجھ میں فقط داغِ یاس ہے
تم تو ہمارے پاس سے جاؤ گے کل پہ ہائے / اپنی نظر میں آج جہاں سب اداس ہے
دل تیرے پاس ہے کہ نہیں خیر ہے ضیا / کچھ ان دنوں مکاں تو بہت بے حواس ہے
گریباں و خاک اڑاتا جوں ابر جوں بگولا / صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیا بھی دیکھا
کبھی جا گل کو دیکھے ہیں کبھی دیکھے ہیں نرگس کو / خدا جانے یہ چشم اپنی بھرے ہیں ڈھونڈتی کس کو
ہم نہ منتہی نہ ہم بحال ہوئے / اُگتے ہی ہم تو پائمال ہوئے
دل جگر اشکوں میں بہہ گئے یوں ہی یک سر رہ گیا / جوں جدا ہو قافلے سے کوئی تنہا کر رہ گیا
دل کے جلنے پر نہ کی رقت کسی بے رحم نے / خود بخود جل مل کے انگارا دہک کر رہ گیا
ہر طرف رحم رحم تھا ہر سو سے داغ تھا / دل بھی ضیا ہمارا کبھی رشکِ باغ تھا
کعبے میں چھپ رہا ہے یا دیر میں نہاں ہے / جانانہ ترا اب جلدی تو بول اٹھ کہاں ہے
آہوں سے سینکڑوں کٹ تک اے شعلہ تو بھڑک اٹھ / بجلی کی طرح مجھ پہ یکبارگی کڑک اٹھ
تم تو غبار جاں کے دامن جھٹک اٹھے / پر میری حسرتوں کو رہیں پر پٹک اٹھے
کیا کہا قاصد ضیا سنتے ہی جس کے مر گیا / بات تھی کچھ بس کی یا ہجر کا پیغام تھا

رباعیہ

کیا عیش و نشاط شادمانی کرتے / کیا یار و سار جاودانی کرتے
گر یار کبھی میں اپنے ہوتا تو ہم / کیا خوب طرح سے زندگانی کرتے

اگر مرا خلاص نماید میگویم حاشیہ مین ملک ما این وسیلہ بر دید، بادشاہ فرمود کہ مصرع ما نیست

ع بستریم خاک وحشت مالین است

عطا گفت قربانت شوم

ع یکے از سر گرشتہ من اینست ››

بارے خود از فکر عمدہ طرز خود را اینین مقرر کردہ بود خدایش بیامرزد از وست ؎

اے دو سر دھن توکنی پچھاڑ جیتم | زیر فترہ بھنتہ جیو آہو پچھاڑ جیتم

بر فلک ست می طپید انجم | دل رستم ز سہم می دھڑ کد

دست و پا میزند عدو در رن | ہیچو بیڈری کہ در قفس پھڑکد

حرف العین

احوال متوسطین، محمد عارف المتخلص بہ عارف اکبر آبادی ہست متصل دہلی دروازہ ساہ جہان آباد دکان دارد، رفوگرست، حالا سن او قریب ہفتاد رسیدہ باشد از ایام سداں ست اکثر شعرلے ہم میسرست او ورانہ اُستادی ستودہ اندار لنکہ لسیارکم میگوید خوب میگوید سلامت باشد ؎

دھتیر رہے کہہ کہ اُس سے ملے | ورنہ عارف انہم کہاوے گا

ہزاروں معنی باریک آویں دل میں اے عارف | اگر رلف سیہ کا پیچ اس کے منہ پہ کھل جاوے

خوں کی قطع اب تو تاک سے کیجئے | بہار آئی گریباں چاک کیجئے

عاجز تخلص، در عہد فردوس آرامگاہ از شاگردان میاں کمترین بود از وست

دل لعل پارے لئے جاتے ہیں سب تکتے کے طفل

شیخ سعدی تم بھی اپنی ہے گلستاں دوڑ لو

افسوس دلا کہ غمگساراں رفتند ۔۔۔ سیمیں بدناں گلعذاراں رفتند
چوں بوئے گل آمدند بر باد سوار ۔۔۔ در خاک چو قطرہ ہائے باراں رفتند

حرف الطاء

مرزا طالب طالب تخلص از متوطنان قصبہ برسد ہست کہ متصل اورنگ آباد واقع ہست، جوان عالمگیری بود، ایں شعر نام او دیدہ شد

ہما کے جون چشم سے آ دو وہ کب کرے ۔۔۔ وہ یک حسے گرائی ہر رنگ حنا سیتی

حرف الظاء

ظہور تخلص، جوان محمد شاہی از سلک متوسطین بود معلوم نیست کہ کجاست

کچھ کٹی وصل میں کچھ ہجر میں گریاں گزری ۔۔۔ کیا مری عمر کی اوقات پریشاں گزری
چشم گریاں جس سے معمور رہے ۔۔۔ جیا بدلی برسات کی مشہور رہے

حرف العین

اول از متقدمین عزیز اللہ دکھنی از اورنگ آباد ہست یک عرے گفتہ است کہ نام ہمہ اولیا را در و درج نمودہ مقطع آں یاد بود قلمی میباید

مجھ ناتواں میں کیا سکت جو لولوں و لساں کی صفت ۔۔۔ عاجز عزیز العدید رکھ سکے سب پیراں مدد

خواجہ عطاء اللہ عطا تخلص، شخصے در عہد عالمگیر بود، اوباش وضع، موافق طور خود شعر بلند میگفت، ہندی و فارسی ہر دو، نقل ست کہ بادشاہ دیں پناہ ایں را سا بر گناہے گرفتہ حبس نمودہ بود، روزے بحسب اتفاق بادشاہ بالی جاہ مصرعے مورد لب گرداں کسے بیت مصرع ادحوسہم نمیرسد ایں سخن فال قال نگوستش عطا رسید گفت

شعر

کرے ہے یار اگر دل کو صاف کینے سے   عزیز موت بھلی پھر تو ایسے جینے سے

عسکر علی خاں شخصے بود عمدہ روزگار اطراف بنگالہ، طبع موزوں داشت ہ

روتے روتے رہا نام کو نم چشموں میں   آبرو کیونکہ رہیگی مری ہمچشموں میں

غازی الدین خاں عاجز تخلص شخصے بود در عہد فردوس آرامگاہ، اکثر در بحر کبت و دوہرہ ریختہ می گفت چند اشعار از دیدہ شد چوں دریں بحر خوشنما بود بنگارش بیاورد۔

ازاحوال متاخرین | نواب معلی القاب غازی الدین خاں عماد الملک، کتاب جامع طبعش صحیح و بیان منقش فصیح، دستگاہ فضلش وافی و شراب لطفش شافی، والی صدر عالی قدر بر جمیع علوم قادر، در فنون سخن ماہر، از وزرائے ہندوستان در عہد خود بودہ الحال سرور کاراں عہدہ ندارد ہمت قلم و ہفت زباں ہست، اشعارش مابین سبب استتار نیافتہ کہ شعرہائے خود را سر بمہر گراستہ و کسے را ازانی فرمودہ، نظر بر آں ہست کہ در شعر لست و بلندی باشد منتخب نمودہ استتار باید داد سوائے ایں چند بیت نگوش نخوردہ از وست ہ

دل گرمی نگاہ سے بیتاب ہو گیا   جب تک اُسے میں تھاموں جگر آب ہو گیا
زلف کا کھولنا بہانا تھا   مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

بس اب اس سے مت زیادہ نہیں داد خواہ کیجو
تجھے اپنی ہی قسم ہے ٹک ادھر نگاہ کیجو

ٹک ادھر دیکھ سخن ہم بھی تو جی رکھتے ہیں
گو کہ ظاہر میں ہم اب دست تہی رکھتے ہیں

سید عبدالواسع **غفلت** تخلص، متوطن سورت، ولد سید سعد اللہ قدس سرہ، درویش وضع، عالم و فاضل، متوکل، فارسی ہم میگفت لیکن مائل ریختہ بسیار بود، در وقت محمد شاہ تازہ وارد ہندوستان بود بہرہ از دردمندی داشت ؎

سحر امید سے وفاؤں سے | جی سلامت رہے تو پھل پایا
چین ابروئے بتاں سے مرا جی الجھا ہے | دل کھلے گر کبھو دو لوں میں گرہ پڑ جاوے
دل میں رندوں کے پھولا ہوا عمامۂ شیخ | یارب اس بزم سے یہ رہ کا مکڑا جاوے
نہ پوچھو ہو کے کیفیت چشم یہ سرمے کھری ہے | گریباں گیر ظالم کے سخن فریاد میری ہے
سحر رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا | سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

رائے سکھ رام **عاقل** تخلص، متوطن پنجاب، طبع موزوں داشت گاہ گاہے فکر میکرد ؎

نہ بس اپنے سے کہا اس کو میں رخصت **عاقل** | جب مرا بس نہ چلا میں نے خدا کو سونپا

عزیز شاعر زباں دان، ہستی خوش بیان، بیٹۂ باغ بہتر رائے بھکاری داس المتخلص بہ **عزیز** سیل طبعش رواں و توسن خامہ اش دواں، ہر دو بیت سیہ فام و جسم مشتاق قدیم ارشاگرد خواجہ میر درد، مولدش شاہجہان آباد مدتے در الہ آباد بسر میبرد سلامت باشد ؎

ساتھ لے نکلے ہے جی آہ جگر آخر شب | شمع ہو بزم سے سرگرم سفر آخر شب
دل بے غفلت نے کیا پیری میں اس طرح ہجوم | نیند جس طرح کرے آنکھوں میں گھر آخر شب
میں کیونکر بھلا اس شوخ طفل لاابالی سے | کہ سوتے سوتے جو چونکے ہے تصویر نہالی سے
دل بے معرفت سے خار پہلو بیچ بہتر تھا | لعل میں کاش ہوتا سنگ اس بیمایہ حالی سے

رباعی

دن تو گزرے ہے اشکباری کرتے | اور رات تمام آہ و زاری کرتے
گر ہجر فراق ہم کو ہوتا معلوم | واللہ کہ ہم نہ تجھ سے یاری کرتے

درویش متیال عرف مرزا گھسیٹا المتخلص بہ عشق، مرد صوفی است کہ بسیل مریدان و معتقدان حلقۂ غلامی دارند، سلسلۂ نقشبندیہ نقش رد، اصلش از شاہجہان آباد است، بیشتر نوکری پیشہ بود، فی الحال از دستے ترک روزگار نمودہ بہ عظیم آباد مقیم است، مرزا صاحب وی از شاگردان و معتقدان اوست، شعر عارفانہ در کلامش بسیار است، گاہے در ذوق و شوق یا بعالم وجد و سہ شعر مستر یاد دارم از صالہ

آہ جا سوز کو بسم اللہ دیواں کیا — عشق تو دیکھے ہو پہلے ہی طوفاں کیا
کہنے کو ادھر اُدھر گئے ہم — سچ تیری طرف جدھر گئے ہم
تا جاں ہو جسد دل حکمی — تو نے کہا مر تو مر گئے ہم
تھا کعبہ و دیر سے کیسے کام — مقصود تھا وہ جدھر گئے ہم
جز عشق نہ سمجھے کفر و دیں کو — طرفیں سے لے جز گئے ہم
تصرف چشم کا گر میں دکھاؤں — تو اک پل میں ابھی طوفاں اُٹھاؤں
ہر ہر دم ملسلا سا پھوٹتا ہے — کہاں تک شیشۂ دل کو ساؤں
عالم تمام کر چکا ہوں میں برباد — اس پہ وہ میرے گھر نہیں آتا
خاک جو تھر میں لگی اُڑنے — عشق کیا چشم تر نہیں آتا
بے درد دل ہو باقی نے آہ نہ فغاں ہے — اے سوز عشق سچ کہہ تو اب وہ یوں کہاں ہے
رونق بوستاں کیا کیجے — تو ہو تو یہ جاں کیا کیجے
ڈرتے اُس کے زباں پہ حرف نہیں — شیوہ ہے بدگماں کیا کیجے
بے نشانی ہے یار کو منظور — عشق نام و نشاں کیا کیجے
حرم میں نام سنا دیر میں نشاں دیکھا — سوائے تیرے نہ دیکھا عرض جہاں دیکھا
اسی کا آئینہ ہژدہ ہزار عالم ہے — دولے کیا کہوں تجھ سی کہاں کہاں دیکھا
نہ عزم وادیِ ایمن نہ طور کا ہے قصد — جو کچھ کہ دیکھا تھا دل میں عیاں دیکھا

صاحب طبع سلیم و ذہن مستقیم محمد عظیم المتخلص بہ عظیم، فردیست شاعر و درستی ظاہر
حسن معانی از کلامش پیدا، بر سادہ عذاران شیدا، از شاگردان میرزا رفیع سودا
سلمہ اللہ، مدتے در فرخ آباد ملابس بود۔ ولیکن بسر بردہ الحال شنیدہ ام کہ در
شاہجہاں آباد است بطور تکیہ لیکن از درویشی داشت عرصکہ ہر رنگے کہ باشد خوش باشند ﮧ

اس قدر بھرے کب پایا تھا یار و رنگ سرخ   کوہکن کے خون کی دولت ہوا ہے سنگ سرخ
آکر ہماری خاک نہ کیا یار کر چلے   اب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے
کیا سحر تھا نگاہوں کہ گلشن میں آن کر   بلبل کو گل کی شکل سے بیزار کر چلے
خواہی سنبھال خواہ سو کر ہمیں نکال   ہم اپنی خاک پر تجھے مختار کر چلے

خان مہربان علی اعظم خان عاشق تخلص از مریدان میرزا گھسیٹا عشق تخلص
برادر بزرگ میاں محترم خاں است کہ محترم تخلص دارد، در اوائل فکر سخن کم کم میکرد
از چندے ترک دنیا نمودہ مشغول در یاد الٰہی است، سلامت باشند ﮧ

شمع کی طرح کوں رو جانے   جس کے دل کو لگی ہو سو جانے
دوبدو تب یار سے ملا کیجے   جیں اس پر ہو تو کیا کیجے
جتنے جور و ستم ہوں تو کر دیکھ   یہ نہ ہوگا کہ کچھ گلا کیجے

میرزا عسکری نخچے است در فرخ آباد از یاران شاہ قدرت اللہ قدرت یک
مطلع ازو بگوش خوردہ ﮧ

بات اب امتحاں پر آئی   قصہ کوتاہ جان پر آئی
اے اشک تو اس کوچے میں اب مجکو ڈبا دے   چاہے ہے صبا یہ کہ مری خاک اڑا دے

خورشید سپہر حال، و سپہر خورشید کمال، مالک کنوز دقائق و کاشف
رموز حقائق، کلامش بمذاق تصوف آشنا، و انوار صفائے باطنش چون
آئینہ صبح دلکشا و عین صفا، عارف صاحب کمال و

ای دل اس ماہرواں کی مہربانی پر نہ بھول — جی کا دشمن ہے جو وہ کرتا ہے باتیں پیار کی
حال کہی کا کبھی جو وقت پاتا ہے غریب — بھول جاتا ہے باتیں دیکھ صورت یار کی

میر تقی غریب تخلص دیگر در سلک متوسطین بود احوالش معلوم نیست **از وست**

الٰہی مت کسی کے پیش دردِ انتظار آوے — ہمارا دیکھیے کیا حال ہوے تک بہار آوے

محمد امان خان غریب تخلص در سلک ماحرین در شاہجہان آباد در وقت احمد شاہ بود
بطرف بنگالہ رفت **از وست**

میری بغل میں جو دل پر داغ ہے غریب — حسرت چمن کی کھانے کو یہ باغ ہے غریب

غلامی تخلص در شاہجہان آباد بود از قوم ارذل نہ بیتہ جمعداری نوکری داشت لیکن
در فن شعر کمال سے جری بسر برد مگر طبع موزونے داشت **از وست**

سُرج لاتی ہیں لٹے بیچ جو ڈورے انکھیاں — دل رحمی پہ لگاتی ہیں ٹکورے انکھیاں

حرف الفاء

از احوال متقدمین | **فخری** تخلص از مردم دکھن بود شاگرد ولی

ست دیکھوں ہیں تجھے تو چکا یو مد لگ رہے — ہر گز کہیں دکھا ہے بطر بھر کر آفتاب

فراقی تخلص از مردم دکھن بود ہمراہ فقیر اللہ آزاد بہ ہند آمدہ بود **از وست**

فراقی کشتہ ہوں اس آن کا جس دم کہ وہ ظالم — کمر سے کھینچ کر خنجر چڑھاتا آستین آوے

فضل الدین خان فضلی تخلص در بیان جو دار خوشگویان بودہ یک مثنوی در تعریف
ماہر ادہ قریب بالصد بیت تاب و تاب گفتہ حد ایش سیاہ مرد **این از آن مثنوی است**

عرق منہ پہ جوں آرسی میں حباب — تبسم لباں پر جو موج سراب
سرج جوں مُرتا دِسے سیو کا — یہ وال ہاتھ تک بڑے سکے دیو کا

از احوال متوسطین | مرزا مرتضیٰ قلی **فراق** تخلص از ملازمان نوّاب پادشاہی بود اکثر

دل سا گہر جو رکھے سو اُس سے دُور نہ ہو
مُنہ دیکھو آئینہ کا جو اُس کے روبرو

کیا کیا جفائیں ظالم میں نے تری سہی ہیں
تس پر شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

ہی کہ بعد قتل مجھکو کس طرح چین آوے
جو حسرتیں تھیں دل کی سو جوں کی توں رہی ہیں

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سئے ہے
یہ عاشق جانسا جت کس دل کے لئے ہے

زلف نے جس کے تئیں دکھائی شام
دوسری پھر اُسے نہ آئی شام

کعبے میں بہت خاک اُڑائی ہم نے
بتخانے میں صورت بھی نہ پائی ہم نے

آخر کو کہا عشق نے ہم سے کچھ اور
دیکھا تو یونہیں عمر گنوائی ہم نے

دل لے کے یوں پوچھتے ہو کہ دلدار کون ہے
ہم کس طرح کہیں کہ طرحدار کون ہے

پہلے پی راہ کسی عاشق کے دل سوں ملے ل
فی الحقیقت تب نظر آویں یہ شتہ گل کا گل

حرف الغین

<u>ازاحوال متقدمین</u> **غوثی** تخلص محمد غوث خلف مولانا قطب الدین گجراتی قاضی حیدرآباد صاحب حال وقال بود گاہ گاہی بمقتضائے موزونی طبع دو سہ ریختہ میفرمود آخر بزیارت حرمین رفت ہمانجا جان بجان آفرین سپرد عمرا متدلہ ؎

شیخ جوان سوں کس کہا گھایل نکو کرو
پلکاں کے پاچھ سیتی بسمل نکو کرو

غواصی تخلص در وقت جہانگیر بادشاہ بود طوطی نامہ تحتی را نظم نمودہ است، بزبان قدیم بعضے فارسی و بعضے ہندی بطور ریختہ کہانی سرسری دیدہ بودم شعر آں نظم بیاد نیست ۔

غریب تخلص در سلک متوسطین بود معاصر میاں آبرو طبع معقولے داشت اردو ہمیں یک غزل مشہور ست ؎

دیکھ دستار بستی ساقی سرشار کی
کھل گئی ہیں آج انکھیاں نرگس بیمار کی

بات رہجاویگی قاصد وقت لینے کا نہیں
دل تڑپتا ہے سنا لا خبر دلدار کی

پس از چہ شتاب رائے بسر می بُرد از حد سے جاں نکال آفرین سپرد، دیوان فارسی
ہم نصیب داده است خدا لیکن با مرد اروست

صنم سا تو جدائی میں تجھکو کیا ہوا — ہزار شکر کہ تو بت ہُوا خدا نہ ہوا
رحم دل تو سنا نہیں جاتا — پُر سینے میں چھپا نہیں جاتا
اے فغاں دیکھنا سمجھ لینا — دے کے دل پھر لیا نہیں جاتا
ایسی نگاہ کی کہ مرا جی نکل گیا — جھگڑا مٹا عداوت سے چھوٹے خلل گیا
جب گلشن بہار کو رنگِ خزاں نہ تھا — مشفق ہماری حال یہ تو مہرباں نہ تھا
دلبستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے — گویا کبھی چمن میں مرا آشیاں نہ تھا
یہ امتحاں نہ کرلے مری مہرباں عزیز — جہاں میں کوئی تجھ سے رکھتا جاں عزیز
ملے ہے عمر سے ہر گز اُسے حجاب نہیں — کہوں تو کہہ نہیں سکتا ہوں تاب نہیں
خراب دیکھ کے گا مری خرابی کو — ہزار حیف کہ وہ جانتا خراب نہیں
عاجز ہوں ہاتھ سے کیا کام کروں میں — کر چاک گریباں تجھے بدنام کروں میں
اس قدر طاقت نہیں جو نالہ زیرِ بھی وا کروں — کس گرفتاری میں آیا ہوں الٰہی کیا کروں
تقویت ہی داغ سے میری دل بیمار کو — اے فلاطوں کہہ تو کیا کہتے ہیں اس آزار کو
چھوڑ کر مجھکو کہاں جاتا ہے اے جانِ خراب — سوچتا ہے کیا مرے مرنے سے در و دیوار کو

ہم نے شبِ فراق میں سمجھا ہے اے فغاں — کیا خاک ہو کے حسرتیں دل کی نکالیاں
ق
نہ تھا خیال خواب میں دیکھیں گے روزِ وصل — آنکھیں جو کھل گئیں وہی راتیں تھیں کالیاں
نکالا خط ہمیں پیغام کیسا ہو — اب اس آغاز کا انجام کیا ہو
نہ اُلفت نہ محبت نہ مروّت — تری خاطر کوئی بدنام کیسا ہو
ہوا جو وصل تو دھڑکا نہ جایہ — الٰہی صبح کیا ہو شام کیا ہو

شعر بفرس میگفت گاہ گاہی ریختہ ہم بہ ندرت موزوں میکرد ولہ

ہماتا اس چمن کا کس کے دل کو شاد کرتا ہے — کہ یاں اک لب تبسم غنچہ کو برباد کرتا ہے
اسیروں کی قسم مجکو صبا سچ کہہ کہ گلشن میں — کوئی اُن ہمنواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہے

میر شمس الدین فقیر تخلص احوال ایں بزرگوار در تذکرۂ فارسی مسطور است، شاعر زبردست بود و در ریختہ ہم از آں بزرگ مشہور است در ین لا بطرف کربلائے معلی تشریف بردہ بود ہماں جا بجوار رحمت ایزدی پیوست رحمۃ اللہ

ترا منہ دیکھ بلبل گل سیتی بیزار ہو جاوے — اگر گل تجھ تلک پہنچے گلے کا ہار ہو جاوے
زندگی موج آب ہے گویا — دم کا آنا حباب ہے گویا
خال تیری بیاض گردن پر — نقطہ انتخاب ہے گویا

محمد محسن فدوی تخلص از شرفائے شاہجہان آباد است در علم موسیقی و ستار نوازی بہرہ دارد، گاہ گاہی فکر ریختہ ہم میکند جوان محمد شاہی است تا حال زندہ است حقتعالیٰ سلامتش داراد ازوست

ایک ملاپیر کا تو چھوڑ سکتا نہیں سجن — دیکھ تو عاشق سے تیری واسطے کیا کیا سہا
طلب میں یار کی رہنا ارادت اس کو کہتے ہیں — پھر اس میں جو اذیت ہو سعادت اس کو کہتے ہیں

میر امام الدین فدا تخلص از سلک متوسطین بود الحال معلوم نیست کہ کجاست سلامت باشد ازوست

یہ چاہتی ہیں کہ لیں دل مرا تری باتیں — مری نظر میں ہیں سب دلربا تری باتیں
جو بات بات میں ہوتا ہے مجھسے آزردہ — یہی تو کچھ نہیں اے بیوفا تری باتیں

از ہنگامہ آرایان زمان ظرفائے دوران خوش طبع و شیریں بیان اشرف علی خان المتخلص بہ فغان کوکۂ احمد شاہ بادشاہ عمران پناہ، جوان ظریف طبع و خوش اختلاط بود باہر کس خوش طبعی داشت شاعر مربوط بطور خود لطائف و ظرائف او مشہور است، از مدتے بطرف عظیم آباد

نالاں نہ ہو تو یار کے شکوے سے بار بار ‏ — ‏ سن پائیگا جہاں کوئی فریاد رس ابھی
کٹیں مجھے یاد ہیں اس طرح راتیں ہجر کی ٹریاں ‏ — ‏ لکیریں انگلیوں کی مٹ گئیں گنتے ہوئے گھڑیاں
اسکوں نے لے سفینۂ الفت ڈبو دیا ‏ — ‏ کچھ بس نہ چل سکا تو مری جان رو دیا
اس کے وصال و ہجر میں یوں ہی گزر گئی ‏ — ‏ دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

ہجو یک اکول خوب کردہ است کہ مطلعش این ست ؎

ایک شخص آشنا ہمارے ہیں ‏ — ‏ نہ ہمارے نہ وہ تمہارے ہیں
دل سے وہ آشنا ہیں کھانے کے ‏ — ‏ متلاشی ہیں آب و دانے کے

میر فرخ علی فرخ تخلص از سادات اٹاوہ است طبع رسائے دارد، ریختہ و فارسی ہر دو می گوید ؎

اس قدر کیوں مجھ سے ہو لے مہوشاں نا آشنا ‏ — ‏ میں بھی تو آخر کبھی دل تھا تمہارا آشنا
گو ہوا شیریں تجھے خسرو کی دولت جاہ و مال ‏ — ‏ پر کہیں ہوتا ہے پیدا کوہکن سا آشنا
چشم سے نور گیا تن سے توان جی سے صبر ‏ — ‏ عشق میں تیرے ہوا مجھ سے خدا کیا کیا کچھ

از مو ر دان جہان فضائل علی خان بے قید تخلص جوان محمد شاہی بود خوش خوراک و خوش پوشاک، بکمال خوبی بسر می برد، در متعدد ماری و صحبت یاری کامل بود طبع نیز درد مند داشت، مثنوی او بسیار مشہور است۔ با یکے از زنان ہند تعشق پیدا کردہ بود از گردش روزگار ہمراہ نواب عمدة الملک بہ الہ آباد رفت از فراق محبوب چون ماہی بے آب در آبہوان بے صحرا می طپید و دحشت می نمود، روزے از برائے دلبری او نواب موصوف جمعے از اہل نشاط جمع نمود و بہ آن طوائف اشارہ کرد کہ این را از یار دلربا باید مدام آرید شاید کہ دل این غم دیدہ شاد شود و اندوہ و غم فراموش کند، غرض از آن جمعے یک نازنین آمد و لیتا را ہمراہ فریب و عشوہ رام کرد در ان مقدمہ حسب حال خود مثنوی گفتہ و لیے دُرہائے معانی در و سفتہ لیکن تماشا در آن جاست کہ چون ایشان کام دل حاصل نمودہ بر بستر راحت آن

مت کوئی روشن کرو مجنوں کی تربت پہ چراغ — روح جل جاوے گی دیوانے کی پروانے کے ساتھ

جسم کہیں سے کب خوش ہے وہ کاہو — جدائی کا تصور بندھ رہا ہے

خیال کو وصل میں آرام کیا ہو — جدائی کا تصور بندھ رہا ہے

نہ اے قاصد میں رو رو یار کی فریاد کرتا ہوں — تری دیکھے سے میں اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں

گر کوئی مارا پڑے ہے یہ مری بلا سے کیا تجھے — بلکہ خوش آتا ہے اے ظالم یہی جی جا تجھے

یہ دل ترے وصال کا مذکور کیا کرے — مقدور جب ہووے تو مجبور کیا کرے

ترے فراق میں کیوں کر یہ دردناک جیئے — مرے تو مر نہیں سکتا جیئے تو خاک جیئے

کہتے ہیں فصل گل تو چمن سے گزر گئی — اے عندلیب تو نہ قفس بیچ مر گئی

مجھ سے جو پوچھتے ہو بہر حال شکر ہے — یوں بھی گزر گئی مری ووں بھی گزر گئی

شکوا تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا — تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

(۵)

اس شعر را مرزا رفیع سودا سلّمہ اللہ در قطعہ تضمین نمودہ است

ق

تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یوں کہوں — انصاف کو نہ چھوڑ مروّت اگر گئی

آخر وفا وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا — وہ کیا ہوئی بتا کہ وہ الفت کدھر گئی

اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے — عجب حالت ہے میری اے مرے اللہ کیا کیجے

مجھ دل ناشاد کو ہر وقت غم سے کام ہے — کیا خوشی یارو زمانے میں کسی کا نام ہے

کٹ گئی ساری عمر غفلت میں — کچھ تری بندگی ادا نہ ہوئی

عکس میرا شب ہجراں میں تماشائی ہے — ایک میں آپ ہوں اور گوشۂ تنہائی ہے

میں تو وہ ہوں کہ مرے لاکھ خریدار ہیں اب — لیکن اس دل سے میں ڈرتا ہوں کہ سودائی ہے

دل زلف میں الجھے مجھے آرام یہی ہے — میں صید بلاکش ہوں مرا کام یہی ہے

صیاد اور صید کے منکر ہوں بس الٰہی — معمور مشت پر سے ہے کنج قفس الٰہی

خود دیکھا تھا تم رنگ سرخ و سفید — مرے تار سر اس پہ رکھیو امید
دو لکھو ہیں کہ کشتۂ حسن کے غلام — پہرہ کو پھر کر کریں ہیں سلام
مرے من میں پوچھ کر جی کی بات — اگر سانچ آہو او پریت برات
سو ہارا ہو جیسے تم اسے دیجئے — جو بادہ ہو مرہم اسے سیجئے
کروں کیا لکھی نہیں جات رہی — کہ یہ میری غلطی کا آوال ہے
زیادہ نہیں اس سے کچھ مدعا — یہی مدعا تھا لکھا والدعا

قریب بالصدقیت گفته است لیکن در اول خوب ست که عمره و ادا ہائے زبان و بیان حسن ادا کرده و بعد آخر احوال دیوانگی خود آورده در حالت دیوانگی پریشان گفته د ـ اشعار است اول یہ شعر سے یہ سنتے شہرت گرفته سوائے ہمیں شعر

ہوا انتظار لب سے سودا ابر آنکھوں سے ماءاللہ — گرہ میں ایک دل رکھتے تھے آج اسکو بھی رو بیٹھے

خوش تخلص خوب بود حدالیکن سیار مرد ـ

فدوی لاہوری شاعرے بود برخود غلط، برائے مباحثه و مجادله در فرخ آباد پیش مرزا رفیع سودا سلمه الله آمده ہنگامه برپا نمود بعد از دوات بسیار به وطن خود برگشت یوسف و زلیخا را ریخته گفته بود و بهمه عالم می نمود، ہر کسے که از لطف بہرہ می داشت ازو مخطوظ می شد حالا معلوم نیست که زنده است یا مرده ازوست

خرد کی نوک سے ہیں نگاہ یار سے ڈرتی — کہ جیسے بال توڑے ہیں سری باٹ رلڑ دولی
نہ پوچھو رنگ سامہ سدی کا کیا قاتل سپاہی بارو — کسی کے خون میں اس کے ہاتھ کو تلوار رولڑ دولی

میر شیخ علی ستمیدا ہجو او را خوب کرده است قصۂ نقال و بوم حسب حال او درج نموده است

انتہا احوال متأخرین

محمد فرحت الله المتخلص به فرحت قاضی زادہ فرخ آباد است سیزده ساله بدار است، رطب و یابس بسیار دارد، از آن جمله این چند بیت ترقیم می نماید

ایک عرش پہ تنہا طور پہ تیرا — نگاہ کیجے جیدھر کو نور ہے تیرا

پریزاد سر گرانستند بخواب رفتند در خواب محبوبهٔ اوّلیں خود را دیدند کہ چنیں می گوید ع

مثنوی

عجب خواب دیکھا میں اس خواب میں — ہوا جس سے میں پیچ و تاب میں
ہوا تھا جنھوں سے میں اوّل جدا — سو کیا دیکھتا ہوں وہی دلربا
کہ جو چاہتی تھی مجھے دل سیتی — جدا جس ہوا تھا میں مشکل سیتی
سو کہتی ہے یوں میرا دامن پکڑ — کہ چھوٹے ترے غم سے میرا جگر
شب و روز رونا مرا کام ہے — ترے نام لینے سے آرام ہے
پھر اے میرے یوسف تو کس کی گلی — ترے چاہ میں میں ہوئی باؤلی
یہاں تو جو چاہے تو کر میرے ساتھ — قیامت کو دامن ترا میرے ہاتھ

چوں از خواب بیدار شدند گفت کہ کسے در تلاش صاحبش بیروں آمد قاصدے دید کہ نامہ در دست داشت چوں نامہ را دید معلوم کرد کہ از آں محبوبہ است بیان آں نامہ میں

نظم نمودہ ع

جو دیکھا لفافے پہ لکھا ہے یہ — کہ کھولو شتابی برہ کی گرہ
لکھا بعد یا جامع العارفیں — سلامت رہو قاتل الزاہدیں
تمھاری خوشی سے یہاں خیر ہے — سدا شہر کے باغ کی سیر ہے
بہت پھول لالہ دکھائے مجھے — ترے داغ سے کچھ نہ بھائے مجھے
سدا غم کی چوپڑ بچھا کر نحیف — برہ کو میں کرتی ہوں اپنا حریف
سو کچے ہی پڑتے ہیں ہر سال میں — گئے جگ کئی بیت اس حال میں
نہ پوچھی جو تم اب تلک میری سار — تو جلتی ہوں میں اپنی قسمت سے ہار
کہو کون ہے وہ جواہر مثال — لیے کس کے ہیرے ہیں ای میرے لال
جو تم آکے دیکھو برہ کی تماش — کہ سر جگ کیا کیا دیئے کر تلاش

جوں شمع گو کہ سر سے ملا رات ٹل گئی | دیوانے فکر آج کی کر کل کی کل گئی
دل سے یہ ڈر رہا ہے آج کی تب ہی گی صبح | تب فرقت ہے جدا چاہیئے کب ہو گی صبح
دم غنیمت ہے تب وصل کوئی دم ہیں ملے | وقت رخصت کے اے فدوی غنیمت ہی گی صبح
ساقی سماکے اب کے بھی تو لے بہار کو | محروم ہیں رکھا دل امیدوار کو
حکمت ہے عین طبع مکدر کو جام مے | یالی پھٹا ہی دیوے ہے آخر غبار کو
ٹرا دیں مثل شیشۂ مے آ سلے اٹھی | رو کر اگر نہ دل سے کے نکالوں بخار کو
فدوی مرا ہی کام ہے رہ رہ کے کھٹکے جس طرح | رکھتا ہوں ہم مقام دل سے ترا رہ کو
کس دل جلے کی تیر سے تپش بد دعا لگی | اے شمع اب تو آہ تری سر پر آ لگی
مدے کی سد گی کا کسی کو لیقت بیں نہیں | مارے جدا کے واسطے لوں اٹھ جدا لگی
فدوی تو کل جو مار کے پھرتا تھا آس پاس | اس سے کہیں کہا تھا کہ ساں کی ملا لگی
محفل میں شمع سے کہے یہ لولی تینگ سے | جانے حرات تجکو بھی مال کی ہوا لگی
ہماری کب آ مرد کے اور اس اہر کے تئیں فلک لطر ہے | رکھی ان آنکھوں نے سر م یار جگر جگر ہی دگر دگر ہے
ملے وہ عمروں سے مہر وش جاہیں کب آتا ہے رشک اس کا | یہ ڈھلتی پھرتی ہے جہاں تو فدوی کبھی ادھر ہے کبھی ادھر ہے
(۵) سمجھ تو دل میں مرے نفاق پڑا | جواب آیا ادھر کا تتاق پڑا
جمے کی طرح ترا دل نہیں | جوش کھاتا ہے اشتیاق پڑا
یار ملا یا وے گا فدوی | دیکھ لیا گر اتفاق پڑا
دل میں کس بات سے ملال گیا | یار تیرا کدھر خیال گیا
ایک دل بھی نہ اس کو دیکھا حیف | یوں ہیں اب کا تمام سال گیا
تجھے ہوتے ہیں ور دمند جدا | گو کرے (بھی) کوئی سد سد جدا
ساتو رہے گو رہے ست تماشا ہیں | ایسی ایسی یہ سے لیسمد جدا
گلا آئیں ہیں آگے بھی کچھ تو تھا | تکلف برطرف ایسا ہی تو تھا
برنگ آئینہ جو حیف جو تھا | وہ پانی پانی اس کے روبرو تھا

قدم سر دو رکھوں کیوں نہ جادۂ عشق اوپر — مری نگاہ کو یاں حضور ہے تیرا
زندگی میں تو رہے صد مے دل غمناک یہ — بعد میرے دیکھئے کیا ہو قیامت خاک پہ
جس میں باتیں اس عجب دہن کی جس گھڑی چلیاں — خجالت سے حقہ کا گرمیہ (ترا دل) کو ایسے رہ گئیں کُلا
جائے دلبری کا کیوں گلہ کرتا ہے عاشق یہ — نہیں لگتی ہے فرصت مجکو یہ باتیں تری کہلا
ہر گھڑی جی میں مرے جلوۂ قدوسی ہے — طور سینا ہے مرا اور یہ جی موسی ہے
آہ یہ کون سی ہے راہ کہ در پیش ہے مجھے — ہر قدم منزل مقصود سے مایوسی ہے
اور کوئی کیوں سکے میں جاہوں کہ سوا تیرے خیال — رو رو سے دل میں مرے در پئے جاسوسی ہے
اس چشم سے کس اثر نمک ناہ در آوے — دریا کے تئیں موج سے جس کی جدر آوے
دل چھوڑ کے تجکو ہو کہاں آوے مرے پاس — پر اس سے کچھ احوال کی مجھ تک خبر آوے

رباعی مجر بہ برجستہ لسان خود گفتہ

اک عمر ہوئی ہے کہ نہیں ہے سوتا — مدت سے بہت غم میں ہے ہر روتا
ظالم تو جائے مدّ سے اس کی ڈرتا — ہے ستارہ مدار کا یہ فرصت ہوتا

میرزا ابجو المتخلص بہ قدوی جوانے ست از مستعدان زمانہ در شعر و محاورۂ ہندی یگانہ، بحسن ادراک عالی و طبع رسا بہ نظم متوالی مقبول انام، خوش طبع و شیرین کلام اصلش از شاہ جہان آباد، از شاگردان شاہ عشق دام افضالہ و نوال و اول زمانہ آشفتہ بعد از آن جوت ترگفتہ، بہرہ از علم موسیقی و ستار بہاری قدرے حاصل بیر کردہ در دو مسدد عا مزاج در کجا قرار می کند، گاہے رعظیم آباد و گاہے مرشد آباد، گاہے بنیں آبادی کالحال شنیدہ ام کہ در بنگالہ پیش نگر سیٹھ بسر می برد، با فقیر حاضر و غائب دوستی دارد

گو تجکو نہ اعتبار ہو وے — کافر ہو جسے قرار ہو وے
یگانگی ہمیں نہیں تجھ سے تری طرح — ہم سب طرح ترے ہیں سمجھ تو کسی طرح

کج بحثی کرے ہے اسی اس رخصت پر — ماہوں نہ وسے جدا رڈالے کے تئیں

دیگر

غیروں سے وہ آہ گرمجوشی ظالم — اور ہم سے ملے تو یہ خموشی ظالم
سودے میں ترے تو ہم کہیں کے نہ رہے — پھر کس کے لئے یہ خود فروشی ظالم

دیگر

کیوں اس سے کہیں کہ چشم و دل سمجھیں گے — یا آپ ہی ہو کے منفعل سمجھیں گے
دل آنکھوں کو دوس دے ہے آنکھیں دل کو — یہ جانے لے انکو کا کام ل سمجھیں گے

غزلیات

تری ہم نے ماتیرس آہ دیکھی — نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی
ہیں ایسی جان بلب حاضر ہوں پر تو اس کو کیا جانے — ترے دل میں تو یہ کچھ دیں سرے دل کی صدا جانے
ہمیں تو عین راحت ہے جو کچھ تیری عنایت ہے — گرفتار جفا ہو وے جفا کو جو جفا جانے
کون اسے یہ کہہ سکے کیوں قتل عالم کو کیا — کیا کسی کا ڈر پڑا ہے جی میں آیا سو کیا
گالیاں کیوں کر نہ دیوے تو نے وہ دی چھیڑ چھیڑ — ایک تو وہ تھا ہی اس کو اور بھی بدخو کیا

شاعر خوش تقریر زباندانِ دلپذیر گوہر کان فتوت مرزا الف بیگ المتخلص
به فرصت متوطن الہ آباد است، سندہ او را ندیدہ مگر از یاران آن دیار شنیدہ کہ در اوایل مثل او کسی نیست، فصیح بیان و شیرین زبان، غالب کہ اصلش از شاہجہان آباد است از کلام او ہویدا و ظاہر است علی الخصوص در غزل قطعہ او بکمال خوبی می سراید و سلامت باشد از دوست

اس کو طرز جفا خوش آتی ہے — مفت میں اپنی جان جاتی ہے
اک عمر جاگ کوٹے تاں سحر نگاہ کی — شارفتہ رفتہ اس نے کا رسے را دکی
شاکی میں تیرے ظلم کے ہاتھوں سے کتنے بار — ایسا ہی سخت جی ہے کہ ہرگز نہ آہ کی

ٹک اثر ہو زباں میں پیدا
پھر کبھی کچھ ہے آن میں پیدا

زندگی کا نہ کچھ مزا پایا
کیوں ہوئے تھے جہاں میں پیدا

رفتہ رفتہ اپنے جوہر یہ دکھلانے لگا
آستیں کا سانپ نکلا تو جی کھانے لگا

کیا تسلی کر گیا تھا یار اس دل کی مرے
یہ تو کچھ جانے ہی اس کے اور گھبرانے لگا

دل بڑا ہے نہ شمع ساں اپنا
سر جلا دیں کہاں کہاں اپنا

ساتھ پھرتے ہیں مت مال لگے
دیکھتا کیا ہے انھیں قاتل گلے

مجھ سوختہ دل کو تو نہ کہہ بیکر طاؤس
جلتے ہیں مرے داغوں کے آگے پر طاؤس

رباعیات

دل ہی اپنا جسم و جاں ہی اپنا
اپنا کسے سمجھئے کہاں ہی اپنا
اپنی تو نظر میں فدوی اللہ سوا
یاں ہی اپنا نہ کوئی واں ہی اپنا

دیگر

یارو ملے اب کوئی کسی سے کس طور
منصف ہو ذرا دل میں کرو نے غور
جوں آئینہ کب تلک یہ خاطرداری
منہ پر کچھ اور بیٹھے پیچھے کچھ اور

دیگر

کیا ملئے نہ آشنا گھڑی کے ہوگئے
آخر دشمن پھر اپنے جی کے ہوگئے
ان سنگدلوں سے کیا توقع فدوی
یہ کس کے ہوئے ہیں جو کسی کے ہوگئے

دیگر

گلشن میں کہاں یار جسے دیکھیں گے
ہیں اس کے تو ہرگز نہ اسے دیکھیں گے
قاصد لے تو ملنے کی توقع کھو دی
کیوں پھڑکے ہے آنکھ ہم کسے دیکھیں گے

دیگر

ہر سیدہ لال تیرے ابرو سا ہمیں
نزدل سے سپہر کے نہ ماتم نہ گئیں

شاہ فصیح، افصح الفصحاء املح الملحا مردلیست از شاگردان مرزا بیدل، مرزگاش از مردم طائفان اندکہ بطرف پوراں رہیں آمدہ است، عمرش قریب صد سال رسیدہ است بکمال درویشی و بے تکلفی تکیہ ساختہ ودرانو بہ توکل وادہ بسر می برد دیوان فارسی دارد بمذاق تصوف بطور استادی خود، از سبب پیری رابیوں کہ بسیار تنادل نماید قائل شدہ است قوت بر خاستن ندارد، ودر سال یک ہزار ویک صد ونود ودو برحمت حق پیوست جد اش سامرد افصح تخلص ورفاسی نماید لیکن چوں شاہ فصیح مشہور بود برائے این درر دلیف فا نوشتہ شد ؎

(۱) کریادستے ادھر سے گئے ہم | ہم تو نہ رہے کدھر سے گئے ہم
زاہد سوئے کعبہ ہم سوئے دیر | ادھر سے گئے اُدھر سے گئے ہم
کیا حال شورہ کی قیامت دیکھی | ہم نے جیتے ہی قیامت دیکھی
سرمیٔ چشم جہاں میں ہو یا | خاکساری کی کرامت دیکھی
جب موئے تجھے جدا جیتے ہیں کیا مرتے ہیں | زندگانی ہے کہاں موت کے دن بھرتے ہیں

حرف القاف

از احوال متقدمین | میر عبد القادر قادر تخلص از باشندگان سندر آباد است بیشتر مرثیہ ارو مشہور است، مرد مقدس و اہل دل بود، از اوائل مذاق درویشی داشت چوں عمرش از بحاوز متجاوز گردید یکے از مشائخ آں دیار کہ بست وسے شیخ شہاب الدین سہروردی می پیوست خرقہ پوشید وار دنیا عزلت گزید عمر اللہ لہ این رباعی ازوست

ہر چند ہمیں سے اٹھایا ہے ہاتھ | اس پر بھی نہ آزاد کہلائے ہیہات
عالم مے ہر ایک یہ کہتا ہو گا | دکھیں ہیں ہی قادر اچھوں رقید حیات

از سلک متوسطین | قدرت تخلص شخصے بود در زمان محمد شاہ عمر اللہ از تذکرہ میر تقی

بسکہ مضطر ہوں جب سے وہ گیا ہے ۔۔۔ خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
یا تجکو کوئی دست بُریدہ ۔۔۔ یہ اپنے حق میں کانٹے بو گیا ہے
شمشیر کھینچ قاتل آیا جو میرے سر پر ۔۔۔ ق ۔۔۔ مرنے کی آرزو میں گردن میں اپنی خم کی
فرمایا تب نہ آنسو بہا اے کشتۂ محبت ۔۔۔ ملتی ہے ایک ساعت کر شرح اپنے غم کی
میں نے کہا کہ یہ غم وہ غم ہے جس کے لکھتے ۔۔۔ کاغذ کی چھاتی پھاٹی کٹ گئی زبان قلم کی
میں کس طرح سے تجکو احوالِ دل سناؤں ۔۔۔ جی میں ہزار باتیں فرصت ہے ایک دم کی

میر فخرالدین فخر تخلص، مردیست مؤدب و متواضع از تلامذۂ مرزا محمد رفیع سودا خلف اشرف علی خان صاحبِ تذکرہ فارسی، اکثر ہمراہ مرزا میباشد و غزلہا ترتیب می نماید۔ غرض مرد خوبے ہست، سلامت باشد ؎

بات اُٹھتے غیر سے اور ہم سے منہ کو موڑیئے ۔۔۔ ٹک خدا سے ڈریئے اس غول کو ابھی چھوڑیئے
منہ نہ موڑے گا یہ عاشق گر یوں ہی منظور ہے ۔۔۔ لیجئے سنگِ جفا اور شیشۂ دل توڑیئے
توڑنا دل کا تمھارے آگے تو آسان ہے ۔۔۔ پر نہیں تب جانیں جب ٹوٹے بھی دل کو جوڑیئے
اگر وہ اُٹھ گئے یاں سے تو پھر کس سے کہیگا تو ۔۔۔ جو کہنی ہے تو کہہ لے فخر ایسے میں ہیں ڈھنٹے

میاں ثناء اللہ فراق تخلص، برادر زادۂ میاں ہدایت، از شاعرانِ حال است در شاہجہان آباد می ماند، شنیدہ ام کہ شعر خود بخدمت خواجہ **میر درد** میگذراند و مربوط میگوید ازوست ؎

دلِ دیوانۂ عاشق کو ناصح رنج راحت ہے ۔۔۔ جراحت پر مرے جو سنگ ہے سنگ جراحت ہے

فارغ تخلص، سید و نجیب است وکالت پیشہ از شاگردانِ میاں حاتم و از مریدان مولوی فخرالدین، حالا در شاہجہان آباد استقامت دارد از تازہ گویان است ؎

اشک آنکھوں سے جو نکلا سو وہ گوہر نکلا
بعد مدت کے مری جسم کا جوہر نکلا

آملی مہاراج تو بہار سے لے بہار گئے تھے لیے ور ہاسے والی سمت کم گئے کم گئے فقیر اور ابر سے
اکثر حوں ہاتے وہ شہر وہاں روز دل مراد آباد سے جدا عشق لامت دار وہ
تو تو ہا نیچے سے ہا

سردی اسکے برس ہو اتنی شدید — صبح نکلے ہے کانپتا خورشید
صبح کی اطلسی قبا نہ ہیں — ہیں یہ کہکشاں پہ دامنیں
ان دنوں صبح پر ہیں یہ شہر — گود میں کانگڑی لئے ہے سحر
دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات — کالے کمبل میں رات کاٹے رات

مطلع دیوان

ہرگز نہیں مقدور تری حمد بیاں کا — یہ حال ہے دعوے کی طرح عجز بیاں کا
جب تک کہ ہے تو ہم میں ترے ساتھ ہیں لیکن — جول موت کہ بلا رمہ ہو آسماں کا
جلوہ ہر رنگ میں ہے اُس بتِ ہرجائی کا — یہ پریشاں نظری جرم ہے بینائی کا
چھوڑ تنہا مجھے یار اُٹھیں کیونکر گزری — غم تجھے آٹھ پہر تھا مری تنہائی کا
عہد سے اُس صنم کے پھر آیا نہ جائیگا — یہ بار ہی تو ہم سے اٹھایا نہ جائیگا
کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ — کچھ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائیگا
میں کیا کہوں کہ جو کچھ مجھ پر تمام ہوا — وہی نہ جانے جو تڑپا نہ اور تمام ہوا
سرمایۂ سے نہ اُس یک دل رنجور گیا — مرتا عشق کا مال جس سے کبھی دور گیا

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا — آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی نادم ہوں — کیا کہوں پر رہا نہیں جاتا
یہ کہو تو قاصد کہ ہے پیام کسی کا — پر دیکھو لیا نہ کہیں نام کسی کا
جو ہاں کی طرف دیکھے ہمیشہ ہوں میں قائم — ملتے ہیں کہیں نام سے ہی نام کسی کا
ہم نے ہر طرح تو ہجر میں دل بہلا دیکھا — ہچکی گر آئی تو سمجھے کہ نہیں یاد کیا

معلوم شد که مرد اوباش وضع از قید مذهب و ملت آزادگاهے در کوچه و بازار بنظر می آمد
این شعر او بسیار مشهور است چنانچه مطربانِ هند اکثر میخوانند ؎

آج آئے ہو تو رہ جاؤ سحر رات کی رات — لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات
عشق تو کچھ بھی نہیں ہے کیوں ہر وقت روتا ہے — مگر غم اسے دوانے عشق میں ایسا بھی ہوتا ہے

غنی بیگ قبول تخلص از مردم کشمیر بود احوال او در تذکرۂ حال آرزو مسطور ست شاعرِ فارسی بود چون دید که ہنگامۂ ریختہ گرم است خود ہم بطور خود میگفت از وست

حاضری میں محل میں کھاتا — سگھی سے ہے یہ منعم کا

بدھ سنگھ۔ قلندر تخلص آبا و اجدادش دولت بسیار داشتند او یکے از بتانِ ہند عاشق شدہ از قومِ خود گسیختہ قلندر روش بر آمد حالا معلوم نیست کہ کجاست طبع موزونے دارد از وست ؎

چھپا ہے ماہ کہیں ڈھل جا کے اسے ڈھونڈوں کدھر — کہ آدھی رات ادھر ہے اور آدھی رات ادھر
قلندر وقت مرنے کے جو یار آیا تو کیا حاصل — جو آتی عمر گزری تھی تو یہ بھی دم گزر جاتا

رباعی

جی میں جو قلندر کے کبھی آوےگا — دل اپنے کو چھین تجھ سے لیجاوےگا
یہ دور کا تیرے نہیں برابر رہنا — سب طاق اوپر دھرا ہی رہ جاوےگا

نخلِ حدیقۂ فصاحت و غنچۂ بوستانِ بلاغت شمع بزم سخندانی بہار چمن نکتہ رانی برق فکرش دائم شیخ محمد قائم شاعریست خوشگو شاہینِ طبعش تیز بال و شہبازِ فکرش بہ اوجِ کمال، قولی اشعارش چون حسنِ محبوبان دلپذیر، و الفاظش مسلسل مانند زلفِ خوبان بے نظیر، در اوائل در سلک داخلِ جرگۂ خواجہ میر درد بود آخر شاگرد مرزا محمد رفیع سودا قائم گردید، متوطن چاندپور است، چون از ابتدائے جوانی در شاہجہان آباد آمدہ بسر بردہ یاران محاورۂ او درست گشتہ، طرزے بنظر طالب

تیرے دامن تلک ہی پہنچوں اور | خاک ہو رہنے سے کچھ مراد نہیں
میں کہا عہد کیا کیا تھا رات | ہنسکے کہنے لگا کہ یاد نہیں
مجھے اس ابی مصیبت سے ہے فراغ کہاں | کسی سے جاہوں کہ صحبت رکھوں دماغ کہاں
پاس ہیں تجھ غم کے میں ابی بھی غمخواری کی | حال دے گریہ یہ ظاہر دل کی بیماری کی
دم بدم اس رحمت میں سجا کو کیا کہتے ہیں شوق | دل دیا تجھکو تو کچھ نہ لے گنہگاری کی
بعد جفا آپ کے اُس سے بھا وفا کا احتمال | لیک واں تک عمر ہے اپنی وفاداری کی
دل مرا دیکھ دیکھ جلتا ہے | شمع کا کس یہ دل پگھلتا ہے
ہمنشیں ذکر یار کر کچھ آج | اس حکایت سے جی بہلتا ہے
گرمی رنگ جو ہی دیکھا میں | میری چھاتی یہ مونگ دلتا ہے
ماں سدا اشک ملا وقت جگر ریستی ہے | کہیے کیا حال مری عالم درویشی ہے
اپنے مذہب میں قرابت نہیں اعدا کی شرط | تجھے نسبت ہو جسے اس سے نہیں خویشی ہے
مار ڈالا کہیں سحر و سار ہے | کس کس طرح سے یار دلا حلوہ سار ہے
جب میں دکھا ہی تو اس دل کو غمگیں دیکھا ہے | نہ جا جاؤ محبت کا نہیں دیکھا ہے
حسرت دل کو مری سمجھے وہی جسنے | یار کے آگے دم باز پس دیکھا ہے
گو کہیں یار بلاتا ہے وہ اب آتا ہے | یہ آسے ہیں تو سمجھتا ہوں وہ کب آتا ہے
شام ہوتی نہیں اک دل یہ بلا ہوتی ہے | صبح ہوتی نہیں اک جی یہ غضب آتا ہے
مر جائیے کسی سے پر الفت نہ کیجئے | جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے
شب گریہ سے وابستہ مری تشنگی تھی | جو بوند تھی آنسو کی سو ہیرے کی کنی تھی
مر دل دشوار میں یہ حال نے لُٹتا ہے | حسرت دل سو طرف سے بس کو دامنگیر ہے
گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے | کہنے کو بات رہ گئی اور دل گزر گئے
کیسے گلگشت گلشن کی ہوس ہے | اسیری کا جگر پر داغ بس ہے

کوہ اور دشت میں بھی ہم نہ رہے آسودہ
ماتم قیس کیا یا غم فرہاد کیا

ہیں اس چمن سے اور یہ مجھ سے چمن گیا
سے دل میں اپنے حسرت سرو چمن گیا

شعر میں تو ساتھ شعر کے جوں جاہے کر معاش
ٹھہر تھا تری چھاتی پہ سو کوہکن گیا

رو دوں گا زیر سایۂ دیوار بیٹھ کر
جس دن تری گلی میں کہیں داؤں گیا

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپھی اور آپ ہی من گیا

ہمارے درد دل کے تئیں یہ کب سید رد پوچھیں ہیں
ہم ایسے جی سے بیمار ہیں ان کو عبث پوچھیں ہیں

دریا ہے پھر تو نام ہی ہر یک حباب کا
اٹھ جائے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا

دل وہیں ہووے گا میرا وہ جہاں ہووے گا
پر جدا جسم سے وہ جز وہ کہاں ہووے گا

زلف دیکھی تھی کس کی خواب میں رات
ہم سحر تک سے پیچ و تاب میں رات

خوب نکلے ہم اس کے کوچے سے
ور نہ آئے تھے اک عذاب میں رات

ق

تک حالی سی کچھ لگے ہے لعل
دل گرا تھا بد اضطراب میں رات

اب تو نہ گل نہ گلستاں ہے یاد
اس کے مکھڑے کی ہر زباں ہے یاد

آہ اے پیر صبح قائم نام
یاں جو رہتا تھا اک جواں ہے یاد

سے شغل نہ زندگی بسر کر
گر اشک نہیں تو آہ سر کر

کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی
اس سے جو کوئی جیا سو مر کر

ہاں کیوں نہ کسی کو آئے افسوس
حالت تو بری ہے ہائے افسوس

دیتے تو دیا ہیں دل ولیکن
چارہ نہیں اب سوائے افسوس

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی جو روئے تھے سو خون جم رہا ہے آنکھوں میں

میں مر چکا ہوں پہ تیرے ہی دیکھنے کے لئے
حباب وار ابھی دم رہا ہے آنکھوں میں

وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ
نگہ سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

خوش رہ اے دل اگر تو شاد نہیں
یاں کی شادی پہ اعتماد نہیں

آج اے گریہ حسرت مرے دیوانے کی — کچھ رکا جاتا ہے دل گرد سے ویرانے کی
آج کی رات جو اس گل کا میسر ہو وصال — شمع روشن کروں میں خاک پہ پروانے کی
بتوں کی دید کو جاتا ہوں پر یہیں قائم — مجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نکرے
ہر طرف وہ نگاہ لڑتی ہے — کبھی ادھر بھی آن پڑتی ہے
کیا ہی نکھڑا ہے وہ کہ جس کے حضور — آئینے کی قلعی اودھڑتی ہے
قائم آتا ہے پھر وہ بن ٹھن کر — دیکھیں کس کس سے بات بگڑتی ہے
اٹھاوے ستم یا جفا کیا کرے — بچارا یہ دل ایک کیا کیا کرے
میں جاتا ہوں کعبے کو اب دیر سے — بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے
نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتی ہیں جب لڑ کر — کہ یک کھل گئیں دو طرف دل کی کھڑکیاں

قدرت بلند پایہ و قوی پایہ درویش خصلت میر قدرت اللہ قدرت دہلویست از متوسلان میر شمس الدین فقیر رحمہ اللہ، درویش وضع خلق طبع، رشتۂ قدرتش بدیع شستوہ معاشش مدبر، سمند طبعش در میدان فارسی و ہندی چالاک وحشت و تصویر لے لطیر معاشش در احوال بدی الفاظ درست، بندہ ویرا یک بار در مشاعرہ بہ لکھنو دیدہ ام اگرچہ از سلک متوسطین است لیکن شہرۂ اشعارش در عشاق جزو اشتہار یافتہ و بوالہوس نظر یافتہ مگر ہمیں غزل کہ مشہور عالم است با چند شعر دیگر نگارش می آید۔ شنیدہ ام کہ میر ... در مرشد آباد اقامت دارد، صلاح سخن از میر شمس الدین فقیر گرفتہ است، در جوانی ... بعالی ... وارد از دو ...

سیر چمن کی فرصت اے بلبلو کہاں ہے — ہو گل لطف ... و عارض خزاں ہے
بیت الحزن میں شب کو میرا اسطار تھا — ... ایک در تا قدر ہے جی کے پار تھا
اہل عدم کو رفتہ کا تھا کب شعور — ... رفتگان ہر الوح قرار تھا
تڑپا ہوں ہوں خاک خوں میں ترا حسن کے وارے — قدرت میں کیا کہوں کہ وہی شہسوار تھا

نہ پوچھو مجھ سے گلشن کی حقیقت
برس گزرے کہ میں ہوں اور قفس ہے

زاہد درِ مسجد پہ خرابات کی تو لے
جی بھی یوں ہی چاہے تھا کرامات کی تو لے

ادھر تو میں نالاں ہوں ادھر عشرتِ جاں میں
اب کس سے مری جان ملاقات کی تو لے

قائم رہ پُرخوف ہے اور دور ہے منزل
کب پہنچے گا ظالم جو نہیں رات کی تو لے

پھرے زمانہ جہاں تک ہی ہم سے نہ پھرے
کسی سبب سے پھرے نہ پھرے بت کیا خدا نہ پھرے

فلک ولائے تو ہے ہم کو لیک نہ ڈر ہے
کہ کھلا سا کہیں آپ ہی بلا نہ گھر سے

مرا بھی تجھکو گریہ ہارا نہیں ہے
پر اتنا بھی تو ناکارا نہیں ہے

نہ مرلے دے یہ ہم قائم کو لیکن
خداوندی سے کچھ چارا نہیں ہے

بہارِ عمر ہے قائم کوئی دن
اسے جوں گل بہارے کاٹ ہنسکر

اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم
پھر تجھکو نہ منہ دکھائیں گے ہم

جو شرط ہے دوستی کی پیارے
سنتے ہیں تو کر دکھائیں گے ہم

ایسا ہی جو دل نہ رہ سکے گا
ٹک دور سے دیکھ جائیں گے ہم

مجھ سا کوئی جہاں میں آشفتہ سر نہیں
ہے تو مو زلفِ یار بھی پر اس قدر نہیں

اے دل برنگِ صبح نہ مل گلرخوں سے تو
ایسی گرہ میاں ان کے کھلانے کو زر نہیں

ابھی اے دیدہ و دل مجھ پہ بیداد کرو
دیکھیں کیا ہوئے خدا کو تو ٹک اک یاد کرو

دل مرا چھین یہ کہتا ہے وہ دلبر قائم
جی جہاں چاہے تمہارا مری فریاد کرو

کبھی دکھا کے کمر اور کبھی دہاں مجھکو
بیٹھ تنگ کیا تو نے اے میاں مجھکو

تو اپنے واسطے اے باغباں نہ کاوش کر
بہت ہی سایۂ دیوار گلستاں مجھکو

دامانِ گل تلک ہے کہاں دسترس مجھے
تکلیفِ سیرِ باغ نہ کر اے ہوس مجھے

قائم میں عندلیبِ خوش آہنگ تھا ولے
زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہم قفس مجھے

کیا جانیے ہم کہاں ہیں اور دین و دل کدھر ہے
عالم میں تفرقے کی کس کی کسے خبر ہے

از احوال متاخرین | قرین تخلص از مردم کشمیر است لیکن تحصیلش [illegible] اکبرآباد
حسرت، طبع موزونے دارد شده اورا لکھا دیده ام به فقیر [illegible] مشاعره آمده بود
و مشق سخن سلامت باشد ازوست ع

سارے سے وفا نا وفا ہو	عرض تم [illegible] لیے کیا ہو
ہمارے مرنے کا [illegible] سوچ غم کرے نہ کرے	پھر کسی [illegible] کوئی کرے نہ کرے
کہا تو یہ کہ مری آرزو ہے گھر [illegible]	غرور [illegible] کہیں کرم کرے نہ کرے

از تازہ گویان زمان میرزا حسن [illegible] تخلص به قربان جوان [illegible] سالہ [illegible]
بود و در [illegible] و سال بکمال خوبی [illegible] [illegible] سلمه الله تعالی
[illegible] آباد [illegible] [illegible] میرزا [illegible] [illegible] [illegible]
در [illegible] افتادن [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] یاران [illegible]
ناگہانی [illegible] انکسار [illegible] آمده عذر خواست که ما [illegible] افتاده [illegible] عرض
آن [illegible] هیچ پروا نکرده [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] ازوست ع

یوں [illegible] لگے [illegible] کے	کیا [illegible] [illegible] کے
کیا [illegible] دل [illegible] کرے [illegible]	[illegible] [illegible] یار [illegible] کے

قانع تخلص [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
شاہجہان آباد است [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
سلمه [illegible] آمده بود [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] داشته باشد [illegible] [illegible] [illegible] ازوست

ا مرتا ہے سب موج دم شمشیر کا — اسے جو دیر یار کچھ بھی فکر اُس تحریر کا
اسے قدرت کو نکالے کیا مجال — ہو خط جیسا یہ سرخط اُس کے تقدیر کا
ئے سو نکتے مرے گستو رحاں سے — کوں انکھڑیاں ملتا یہ اُٹھا خوابِ گراں سے
دھری آہ کبھی ہو نہ رسن گیر — نہ سرو لگا ہے چمن کا گلستاں سے
گر آنکھ سے ہے کچھ تو تری دید — مقصود اگر ہے تو ترا نام زباں سے
سرگی نہ شمع پردۂ فانوس ہی — تو شرر دل سے اُٹھا سو جلوۂ طاؤس ہے
ی پردے کی گر سمجھو تو ہی نہ ست لائے — گرہ ندائے بانگ ہے و نغمۂ ناقوس ہے
اقت تو کبھی کے کوں یاں سے گر گئے — الوداع تنگ ہے اور رخصت ناموس ہے

ق

اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے — کیا ہوا ملکِ عدم کیا ہی سرزمین طوس ہے
و تو کس عشرت سے کیجے زندگی — اس طرف آوازِ طبل اودھر صدائے کوس ہے
ا شام ہوتا ہے گلگوں کا دور — شب ہوئی تو ماہرویوں سے کنار و بوس ہے
ی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے — چل دکھاؤں تو جو قیدِ آز کا محبوس ہے
لیا رگی گورِ غریباں کی طرف — جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے
دو تیں دکھلا کر مجھے کہنے لگی — یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے
ل سے کہ جاہ و حکمت و ریاست لے — کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے
درت مائے جم رکھتے تھے تسخیر ریا — آج زیبِ جام ہے یہ خرقۂ سالوس ہے
ے صبح جیں ہم سے جیں چھوٹے ہے — فردہ اے شامِ غریبی کہ وطن چھوٹے ہے
ی قدم ہیں ترے وہ خاک نشیں ہم — تا مٹ نہ چکیں آپ سے چھوڑیں نہ زمیں ہم
ہماری تری جوں سایہ و خورشید — جس جا ہیں تو ہم ہیں جہاں تو ہی وہیں ہم
کا ہے دل اس کا ہے جگر اُس کا ہے — تیر سیدھا جدھر کو کرے گھر اُس کا ہے

مگفت کہ این شعر ست بلکہ این ٹیکہ است ازیں جہت کا فر ٹیکہ در شعرا مشہور گردید غرض عجب تخصے بود حدایش بیامرزد

کس کس طرح سوں کی صورت سے رنگ بگڑے — کافراں اکھڑوں سے دیکھے ہیں کیا جھگڑے
سوں سکے تہیں اس قدر ماننا ہے — یہ کافر مراجی جدا جاتا ہے

رباعی

کیا پھرتی ہے میکدے میں مٹکی مٹکی — راہد عابد سے دور کھٹکی کھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر — یہ دختر رز رہی جس سے اٹکی اٹکی

شاعر زبردست و مشاق قدیم میر محمد حسین المتخلص بہ کلیم جوان محمد شاہی گندم گو و درار قد بود با میر تقی قرابت قریبہ دارد و در فن شعر شاعری استاد سخن بحر دھار طبعش در شعر و نظم موجزن رسالہ در عروض و قافیہ ہندی تصنیف نمودہ و فصوص را کہ کتاب عربی است بزبان ریختہ ترجمہ کردہ کتابے در شعر ہندی بیرایجاد نمودہ چنانچہ یک فقرہ او سادہ مادہ قلمی میباید، در وقتیکہ احمد شاہ را میل در چشم کشیدند دراں مقدمہ میگوید **فقرہ** کل کے دن تھے بادشاہ اور وزیر، آج کے دل ہو بیٹھے ہیں اندھے ہو بصیر، ایسی دولت سے رہا رنہار، فاعتبروا یا اولی الابصار، باوجود ایں رو در قوت شاعری نمک در کلام سادہ ساریں استعارش اشتہار بیافت۔ غرض شخصے خوب بود در شاہجہاں آباد بہ رحمت الٰہی پیوست۔ خدا لیش بیامرزد، ایں چند بیت تحت از دست

آتی ہے دل بہ قلقل مینا سے آتی شکست — وہ دل گئے کلیم کہ شیشہ سنگ تھا
عرق ہے سہ پیتر سے یا کلاب ٹپکے ہے — عجب ہے تجکو کہ شعلے سے آب ٹپکے ہے
تجھے ہیں آنکھوں میں کیونکار رکھوں کہ ہو برسات — پھر ایسا گھر کہ یہ خانہ خراب ٹپکے ہے
بوسہ بھی میسر ہے اسے مری جان اس قدر — جس پر رہیجو ہو الم ہے ترا ماں ہمیشہ قند ر
ہم گم ہوئے ہیں صحبت سے جوں بو میان باغ — پھرتا ہو رنگ گل کہ ہمارا اگر سے سراغ

شعلہ اگر اُٹھے دلِ پر اضطراب کا ـــــ جل جائے سوختگی سے جگر آفتاب کا

حرف الکاف

میان کمترین از ایہام بندان، در سلک متوسطین مردے بود نوکری پیشہ در سرکار نواب عماد الملک سردار بود موافق استعداد خود میگفت این چند شعر از شعر آشوب او نگارش می آید[1]

شاہ کاکل۔ ہم از سلک متوسطین درویشے بود معاصر میاں آبرو، کاکل تخلص می نمود، اوائل نوکری پیشہ بود آخر ترکِ لباس کرد این دو شعر از و نگوش خوردہ ؎

وعدہ کیا تھا صبح نہ آیا وہ اب تلک ـــــ کھینچوں گا اس جفا کو سجاؤں میں کب تلک

جب اُٹھ چلا لعل سے تو پوچھا ملے گا کب ـــــ کاکل کو کھول منہ نہ بتایا کہ شب تلک

شیخ لطف اللہ کاکل، تخلص از شاگردانِ خاکسار بیرار متوسطین سخنے بود ازوست ؎

وہ مرا ہے جو قاتل اس قدر جو بری ہے ـــــ کانپتا نکلے ہے جس کے ڈر سے یارو آفتاب

میر علی نقی کافر تکیہ، جوان محمد شاہی، از سلک متوسطین است از مریدانِ لطف مرشد آباد وقت بسیار خوش رو و ظریف طبع بود، اول فارسی می گفت تسکین تخلص می کرد بار دیگر ہم تسکین یافت **جنون** تخلص کرد چون در خدمت خاوند حال خواجہ سرا نوکر شد ریختہ گفتن آغاز کرد روزے قبلہ گاہ این فقیر را از ظرافت باوے فرمودند کہ شما فارسی و ہندی گفتہ اید الحال غزل بگوئید و ملعون تخلص کنید درین سخن بسیار خندید، وجہ تسمیہ او اینست کہ تخلص فقط کافر میکرد ہر شعرے ہجو اندر دلش میجوڑ

---

[1] چونکہ اشعار خلاف تہذیب تھے لہذا خارج کر دیئے گئے

دارد ازوست ـــ

مجھ دل کا اے طبیب سمجھکر علاج کر
مدت سے ہے یہ عشق کا بیمار دیکھا

کھنچن رسلے گزشته است معلوم نیست که از کجاست. ایں دو شعر او شنیده شد

عشق میں راحت ہو یا آزار ہو یا ہو سو ہو
کیا کریں اب ہو گئے ناچار ہو یا ہو سو ہو

کر گریباں چاک کھنچن چل بیاباں کی طرف
دیکھ لے پھر اک بار ہو یا ہو سو ہو

حرف الکاف فارسی

درین فصل از متقدمین و متوسطین سطری نیامده مگر از سلک متاخرین چنانچه حقا و تیریا
ساں میاں مدد علی خاں المتخلص بہ گماں مردیست سپاہی پیشه از یاراں کوکه خان فغان
اصلش از شاہجہان آباد است، به تیر و مشقت و غزل ہمه میگوید فکر خوبے دارد و روزگار
موافق زمانه موافق نیست در قصص آباد بسر میبرد از سلسله مشتاق است و روانی طبع دارد
کلامش خالی از اثر نیست۔ خدایش بسلامت دارد ازوست ـــ

حسن دم تر مجھسے آ کے ہم آغوش ہو گیا
غم دو سال یاد دل سے فراموش ہو گیا

قتل کرتی ہے ہمیں یہ ابروئے خمدار کج
کاٹ دونا کرتی ہے ہوتی ہے جو تلوار کج

راست کہہ کس نے کیا تجکو گماں سے بدگماں
اس سے کیوں کرتا ہے تو ہر وقت اے گفتار کج

دل پھنسا ہے تری زلف پریشاں کے بیچ
شب سے آرام نہیں جان کسی آن کے بیچ

مہربانی سے کبھی تو نے جو کی مجھسے بات
جی نکل جائیگا میرا اسی ارمان کے بیچ

گریہ ہے تیری یاد میں دن رات سے طرح
آنکھیں ہیں یہ مرے برسات کے طرح

خالی سے ملت ہائے یہ فصل بہار حیف
ہیں دور ہم سے یار ہمارا ہزار حیف

مدت سے ہو رہا تھا ہرا داغ داغ دل
اس گل کے دیکھتے ہی ہوا باغ باغ دل

فصل گل سے پھر ہوا اب گرم بازار چمن
مستی پر لے کر ہوئی بلبل خریدار چمن

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل — کہ پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

تم جام دو پیار سے کیوں کر کریں بس ہم — جوں خضر تھا تو بھی پی ہی گئے وہیں ہم

ق

تو یار ملے ہم سے جب ایک ہو گیا ہو — کس کو بعد جانے کس کو کہیں قریں ہم

تم ہو تو ہم کہاں ہیں ہم ہیں تو تم کہاں ہو — یا تم ہی سب ہو ہم میں یا ہیں گے سب ہمیں ہم

نے طنبور میں تو شور نہ معلوم اے مطرب — کسی کا دل ہوا ہے (آہ) شاید اس میں وہیں نالاں

عمر رفتہ کا پایا کھوج پھر گر اے کلیم — آپ کو جوں شمع میں پھر انجمن میں گم کیا

عرض حسن ممکن نہیں کسی کی داد کو پہنچے — عرض تم سے کیجئے احوال ہم فریاد کو پہنچے

بات اُس کی زباں پر آئی — پھر حسرت ابی جہاں پر آئی

پھر کیوں ہو گیا ہے اتنا کلیم — کیا ملا اس جوان پر آئی

تیری گلی بھی سیر کر گئے ہم — اس پل سے بھی گزر گئے ہم

جوں ایک کہ ہستی اور عدم میں — بس ایک قدم تھا دھر گئے ہم

وہاں غصے ہوئے رقیب پر تم — یہاں مارے ادب کے مر گئے ہم

تو نہ آیا باغ میں تمنا دم سے غم ہوا — طوق قمری کا وہاں سے حلقۂ ماتم ہوا

کس پریشاں لے قدم رکھا ہے صبح تیرا سے — جادہ آتا ہے نظر جوں زلف کج برہم ہوا

رباعیات

گرد تو چمن میں اچھلی سے نہ گیا — نہ دل بھی گلی سے بیکلی سے نہ گیا

جو کوئی گیا دل کو گیا چھوڑ یہاں — دل سے تو کوئی تیری گلی سے نہ گیا

دیگر

ہر چند لگاتے ہیں بتاں گل مہندی — تیرے ہی قدم تلے گئی رل مہندی

ہیہات کہ کس طرح کا ہو گا وہ ہاتھ — جس ہاتھ سے ہی فراغ ہوئی گل مہندی

لالہ کاشی ناتھ متوطن قصبہ شاہ لیہ رلوہرہ راے مشیکار دیوان ہیں، طبع موزوں

غصے ہو کر لگا یہ کہنے گداز   مجھ تو ہوگا مثلا صورت

خواہی وہ دلداری کرے خواہی دل آزاری کرے   دل ہی نہیں باقی رہا جو بار برداری کرے

مدہوش چشم اس کی کریں اور زلف پیچیں جال میں   کیونکر رکھے دل کو کوئی کس طرح ہشیاری کرے

گریاں، **میر علی امجد** ولد میر علی اکبر، جوانے است شایستہ متوطن شاہجہان آباد اوائل اصلاح از میاں قدرت و اواخر از میر صاحب سلمہ اللہ گرفتہ، سپاہی پیشہ است اگر روزگار فرصت میدہد بشوق سخن وارد سلامت باشد از وست ؏

شیخ قصہ مرا جو یکدم کوئی درد و محبت کا   نہ لیوے زندگی بھر نام پھر ہرگز محبت کا

مجھے جب دیکھتا تب ہاتھ سے ٹکڑا چھپا لیتا   نکالا طور اس نے اور ہی صاحب سلامت کا

دیکھے تو جسے نگاہ بھر کر   مر جاوے وہیں وہ آہ بھر کر

سنکر وہی یہ پروانے کی جی کو داغ کرتی ہے   کہ دو دن شمع پر رکھتا نہیں یار کس ایسا

حرف اللام

لطفی دکھنی، لطفی تخلص از قدیم است او راست ؏

تجھ عشق کی آگ سے شعلہ ہو جل اٹھا جی   دل موم کے موافق گل گل پگھل گیا ہے

ہیں عشق کی گلی میں گھایل پڑا ہوں تیر   جوں کا ناتا آکر مجھکو گھدل گیا ہے

حرف المیم

احوال شعرائے قدیم | ابو القاسم مرزا تخلص از مقربان ابو الحسن تانا شاہ رحمہ اللہ بود چوں فوج ہندوستان آن ملک را تاراج کرد این عزیز بمقتضائے غیرت لباس فقیری پوشیدہ از جہان عزلت گزیدہ در کنج تنہائی بہ عبد اللہ گنج کہ در حیدر آباد مشہور است بقیہ عمر بیاد الٰہی بسر برد و ہمان جا مدفون گشت۔ خدا بیامرزد از وست ؏

کون ہوویگا وہ دل جو ہم قفس سے چھوٹ کر — جا کے دیکھیں گے الٰہی پھر (وہ) دیوارِ چمن
دیکھتا ہوں جہاں بتاں کو میں — دور ہی سے سلام کرتا ہوں
مر جاؤں گر کہیں تو ابھی یہاں سے مجکو — خاطر عزیز تیری ہے اپنی جان سے مجکو
گل بھی تبسم سے نہ دیکھے یوں سحر بہکے ہوئے — وعدۂ عاشق ہیں جوں سے حسن قد بہکے ہوئے
سر جھکا پایں جو قدموں پر تو غصے ہو کہا — مت رکھ اے چشم میرے پاؤں پہ بہکے ہوئے
مرا دل دیکھنے کو حسن ستمگر کے ترستا ہے — مجھے دیکھے ہی جب اٹھے تو وہ سدا رہتا ہے
واسطے حسن کے سبھی مجکو برا کہتے ہیں — وہ جو سنتا ہے تو کہتا ہے بھلا کہتے ہیں
ہزار افسوس تو اپنا نہیں بدخواہ جانے ہے — میں جیسا ہوں ترا سب دا مرا اللہ جانے ہے
تری یہ تیغ میاں کاش مجھ پہ چل جاوے — چھٹوں عدات جھگڑا مٹے، خلل جاوے
میں اس لئے نہیں کہتا ہوں اپنی حالتِ دل — مبادا جی میں سمجھکر کہیں سہل جاوے
مجھے تو زیست بھی دشوار ہو گئی ہے اب — خدا کرے کہ کماں دل مرا سنبھل جاوے
اس بن نہوتے ہم ترے ہمدوشِ نقشِ پا — مل خاک میں ہوئے ہیں غم آغوشِ نقشِ پا
اس رشک سے کہ کوئی نہ پاوے مرا سراغ — میرا غبار ہے ترا روپوشِ نقشِ پا
دل ہے سوائے بتاں تھا مجھے معلوم نہ تھا — کعبہ میں جی کا زیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
کس صفائی سے ترا تیر نگہ تھا چھوٹا — رحم کا دل نہ نشاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
جستجو جس کی میں کرتا تھا خدائی سب میں — دل ہی میں اس کا مکاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
قتل کر مجکو مری نعش پہ لولاف قتل — ہائے مارو یہ کماں تھا مجھے معلوم نہ تھا

گداز تخلص از متاخرین است از شاگردانِ میاں حسرت، سپاہی پیشہ گاہ گاہے در لکھنؤ سطر می آمد احوال معلوم نیست کہ کجا است از وست ہ

تجھے گر آئیے کہاں سے لائے — اپنے ملنے کی تو بتا صورت
جب کہا میں کہ تجھپہ عاشق ہوں — مجکو اسی دم را دکھا صورت

از احوال متوسطین | خواجہ قلی خان موزوں تخلص صوبہ دار قلعۂ رہتاس بود در عہد محمد شاہ بادشاہ بود از شعر شاہ او دیدہ شد ع

موزوں نے راہِ عشق میں جب تک قدم رکھا
ہی مصلحت سے دور سخن کوں کرے گا کیا

میر میراں سید نوازش خان خطاب داشت از دوست ع

آہ گر باغ میں وہ سروِ خراماں گزرے
اشکِ قمری سے گلستاں میں طوفاں گزرے

رائے آنند رام مخلص از شاعرانِ فارسی است شاگرد میرزا بیدل، وکیل نواب اعتماد الدولہ، در آخر سن شعر خود را پیشِ خان آرزو مے نمود، احوال او در تذکرۂ خان مذکور مسطور است گاہ گاہے بہ ندرت شعر ریختہ ہم میگفت از آنجا ہر صفِ الفِ درگرشت از دوست

آنے کی دھوم کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ ارگجے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

میاں شاہ مزمّل مرد فقیرے بود حافظ قرآں، مرداں آں زماں از سبب فضل و کمال احترامش می نمودند۔ فکر الفاظِ تازہ میکرد ع

سیتل جس کا نام ہوتا ہے — اُس کو سونا حرام ہوتا ہے
اسم اعظم جو چاہتے ہو تم — سو مزمّل کا نام ہوتا ہے
من ہرن میرا مزمّل رم گیا — دشمنوں کے من کی چیتی ہو گئی
اے مزمّل مار کا گھوڑا گدا — سوتوں جو لولا چل لے چل آگے سے چل

مضمون گلشنِ لطف از حیص رتبہ ازسخن تازہ دیدلیب حاطرش برساختہ بیان ملند آوازہ، در بوستاں سخن سروِ موزوں میاں **شرف الدین** المخلص

عارض ہیں حدر کا ترے گال سوں اچھا — سمجھیں ہیں کلف کو یہ تجھ خال سوں اچھا

مرزا وہ لو بھے ساں کدھر ہٹ گئے حس — لگتا تھا حس کے ہاتھ یہ گل ڈال سوں اچھا

محمود بیگ دکنی از قدیم است متوطن بیجا پور معاصر نصرتی ملکہ قراتے بیر مادے داشت

لوگاں کہیں تھیر سوں کچھ سخت ہیں ولیکن — جو کوئی بیا سوں نچھٹرا وہ سخت ہی تھیر ہے

ملک دکنی او ہم از اں دیار بود از وست ؎

تن من فدا کروں اس ہتیار ساقی اوپر — یک قطرہ سے جکھا کر جس نے حسر کیا ہے

موسوی خاں فطرت و موسوی تخلص شاعر فارسی بود، فطرت و موسوی و

معز ہر سہ تخلص داشت در زمان عالمگیر بادشاہ، یک شعر ریختہ ہم از وست ؎

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے — در خانہ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

دو چیز سد مرا موسوی ز دور گوند — صدائے سکری و میر پاؤں پروں کی جھوم

محقق، تخلص از شاعران دکن بود ولیکن از کلامش معلوم می شود کہ با مردم ہندوستان

تربیت یافتہ بود از وست ؎

تم ہر کسی سے وعدہ دیدار مت کرو — اپنی زباں سے جھوٹ کا اقرار مت کرو

مہر علی سحطے بود از مردم دکن در کمال ظرافت و خوش طبعی لیسر خطیب بادشاہ

معاصران خود را بہ طعن و استہزا می رنجانید، ما ہمہ کس بہ تسخیر ملیتن می آمد بیایچہ نقل است

روزے در مجلس مذکور شعر بود، سحطے شعرے خواند، پدرش معنی او لطورے سکوت

وایں برعکس او چوں سخت در میاں آمد ایں عزیز با پدر خود گفت کہ صاحب شما نمیدا سد

(حامے [۱] خطیب کا) چوں پدرش خطیب بود ایں مثل بر موقع افتاد

ہدایت بیامرد از وست ؎

موتی دریا میں اسکے نہیں کاں لگ سودیا — کہ مجھ کے وہ ساگوش کے ہمسر ہودیا

۱؎ ضرب المثل کا لفظ خلاف تہذیب سمجھ کر خارج کر دیا گیا ہے

ایک بیٹھا ہی وہ جو دلپسند
ہوگیا دیکھ آرسی کے تئیں وحید

ہی سری سارے جھگڑی ہے
یہی عیسیٰ کے دل میں گھبڑی ہے

میکدے میں گر سراسر فعل نامعقول ہے
مدرسہ دیکھا تو واں بھی فاعل و مفعول ہے

کرے ہے دار بھی کاہل کو سرتاج
ہوا منصور سے نکتہ یہ حاصل آج

ہیں ہیں ہونٹھ سرے پان سے سرخ
ہوا ہے خون ہمارا آکے لب پہ

چلا کشتی میں جب آگے سے وہ محبوب جاتا ہے
کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی جی ڈوب جاتا ہے

مرا یہ اشک قاصد کی طرح ہرگز نہیں تھما
کسی بیتاب کا شاید کہ لکھا مکتوب جاتا ہے

اگر پاؤں تو مضموں کو رکھوں باندھ
کروں کیا جو نہیں لگتا مرے ہاتھ

مضموں تو شکر کر کہ ترا نام سن رقیب
غصے سے بھوت ہوگیا لیکن جلا تو ہے

مرزا مظہر از فصحائے زمان و بلغائے دوران مرزا مظہر جان جانان المتخلص بہ مظہر شاعریست مقدس و بزرگ، اصلش از اکبرآباد است، خوش تقریر مرتبہ الیست کہ در تقریر و تحریرش گنجایش و حرفی شاگردان او بیدرس بہر لفظش نزدیک بود رسیدہ باشد الحال بطرف سنبھل مرادآباد استقامت دارد و ہمانجا وعظ میفرماید اکثر اہل سنت مرید او شدہ اند حدالیتش سلامت دارد - از وست ع

جد اس کے واسطے اس کو یہ لوگو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

جواں مارا گیا خوباں کے اوپر مرزا مظہر
بھلا تھا یا برا تھا پر کچھ تھا ہوت کام آیا

ہے کی بے تو یہ اور وہ میں چھائی ہے بہار
ہائے کچھ جانا نہیں کس مفت جاتی ہے بہار

نرگس و گل کی دیکھ کلیاں کھلی جاتی ہیں سب
پھیر آں خواب سے نظروں کو جگاتی ہے بہار

رہتا ہوں برائی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چوری و سیکھا صبا کے ہاتھ

تشہیں کہو شرار کو گو کہ کہو
سب اس ستمگار سوختہ کو دل کہا کہو

پلی اب گل کے ہاتھوں سے جلا کر آشیاں اپنا
چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

مضمون مردے بود نوکری پیشہ متوطن جاجو کہ قصبۂ ایست متصل اکبرآباد۔ شروع جوانی از اکبرآباد درآمدہ بشاہجہان آباد در زینت المساجد استقامت ورزید ہر چند کم گو بود لیکن خوش گو۔ از اولاد شیخ فرید گنج شکر چنانچہ خود گفتہ ؎

کریں کیوں نہ شکرلبوں سے مرید — کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید

اصلاح سخن از جان آرزو میگرفت بسبب نزلہ و بواسیر ہمہ اوقات دقّے بود حال مذکور او را شاعرِ بیدانہ میگفتند۔ نقل است کہ میاں مضمون بسفارش آشنائے برائے روزگار پیش نواب عمدۃ الملک بود، نواب والاجاہ قبول کرد آں عزیز ہمیشہ در کار و بار حاضر میماند چنانچہ نواب را گمان آں شد کہ تنخواہ نمیخواہد و ایں نوکر کم زبان و ایں است کہ شاید من نوکر شدہ ام۔ چوں مدت دو ماہ گذشت صورت ایں حال میاں مضمون تقریر نمود او شان فی البدیہہ ایں شعر گفتہ پیش نواب عمدۃ الملک فرستادند۔ آں نواب قدرشناس ہماں وقت تنخواہ از تاریخ ملازمت حساب نمودہ بخشید ؎

عرضِ حال اپنے سے ہیں اہلِ شرافت بے نصیب — ہیں سخن رکھتے زباں کے بیچ گویا بے نصیب

غرض عجب عزیزے بود آخر ہماں جا در مسجد بقضائے الٰہی فوت شد خدا ایش بیامرزد

ایں اشعار از وست ؎

ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اے محبوب کیا — صبر ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا
ہوئے ہیں ہر قطرہ سیتی زلس آنسو ڈھلک دریا — کہیں کیونکر نہ چیتوں کو مری مردم پلک دریا
انسوں مار جھٹ پٹ لیتے ہیں دل کو انکا — کن ساحروں سے سکھا زلفوں نے تیری لٹکا
جھمکر مجالفوں سے اس طرح آ ملتا ہے — کوئی شے نہ پایا ترے قدم کا کھٹکا
نہ یہ ہے فتنہ قد و قامت سے — ہے کہ پھر دیکھنا قیامت ہے

در وقت محمد شاه غفر الله له. او هم تذکرهٔ مختصر معاصرین خود نوشته است احوالش معلوم

بیت ؎

جس سے سی ہے ایسے فصل بہار آئی　　گلشن کے بیچ بلبل پھولی نہیں سماتی
جو تجھے گلعذار چاہئے ہے　　اپنے دل کو بہار چاہئے ہے
آگے لبوں کے قرار رکھوں میں　　پر تو اسے قرار چاہئے ہے
گر برق تجلی دو ٹک اک جلوہ گر آوے　　سب حسن کے نظر دیکھا سب کا نظر آوے
ہم مستی ہوئے ہو لعل گہر بار سے　　معلوم نہیں مسری کب آمد بر آوے
دل داغ سے گلشن ہیں ہیں اشک سے دریا　　ہر جا پہ اسے عکس ہے ظالم جدھر آوے

میاں صلاح الدین عرف مکھن مشهور به پاک باز مکھن و پاکباز هر دو تخلص داشت
پسر شاه کمال همشیرهٔ شاه جلال قدس سرهٔ صحیفه بود گوشه نشین از سلک متوسطین حوالی
محمد شاهی متوطن شاهجهان آباد اکثر به ورد و وظائف مشغول بود شنیده ام که در لکهنؤ
آمده بر سر سوم مکھن که قوال بچه مشهور است نظر لطفی داشت عاشق و معشوق هر دو همنام گو
خود بر خود عاشق بود چنانچه در عشق او خود گفته ؎

نہیں دریا یہ جو آنسو سے جوش بحر بن دیا　　کہے ہے ساری بستی ہائے مکھن نے ہمیں کھو
جاوے مہاں عشق کے بت ہیں یہ ہم کہاں　　تم تو سخن سمجھے ہو افسوس ہم نہیں
ہمیں یوسف کی گئی گرمی بازار ہوا　　دیکھ لی ہے زلیخا کی خریدار ہوا

راجه رام نرائن صوبه دار عظیم آباد موزون تخلص از شاگردان شیخ علی حزین
صاحب دیوان فارسی بسیار خوش گو آشنا پرست و سپاه دوست بود شعر ریخته کم گفته
گفته گر و وقتیکه حضرت شهید سراج الدوله در شهر افتاد همان وقت فی البدیه این شعر خوانده
از چهره داران حرمی پرستند دیگر نهین شعر این یادگار ماند ؎

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی　　دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزرا

مرا جلتا ہے جی اس بلبلِ بیکس کی غربت پہ — کہ جن نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیاں اپنا

آج مت رنگِ حنا سے کفِ پا لال کرو — لے سجن اس دلِ پرخوں کو پامال کرو

میر بدر اللہ والد میر حمزہ علی رند کہ پیشتر مذکور شد جوانِ خوش تلاشی بود و تخلص مستی کرد۔ گاہ گاہے در صحبت مشفقت و با شعرا بسیار ربط داشت۔ در علم موسیقی مہارتے پیدا کردہ بود۔ احوال نعمت خاں را درست می‌خواند از وست

ایسا نہیں وہ شوخ جسے گھر کوئی پا لے — پر مجھ سا ہو کوئی کہ اُسے ڈھونڈ نکالے

اشک آنکھ سے دل ہاتھ سے جی تن سے چلا جائے — اے یار ترے مست کو کوئی کس کس کو سنبھالے

کرتے تو ہیں گھر دل میں سجن کتنے دلوں میں — سب خوباں ہیں پر ہے یہ جدا کام نہ ڈالے

شیخ محمد مراد مراد تخلص در سلکِ متوسطین شعرے گفتہ است از وست

جہاں ملتے ہیں یاں جام روں سے اڑتی ہے بہار — رہے ہی ساقی اگر جام میں صہبا کیسے

مست تخلص برادرِ بزرگ میاں محمد قائم، از متاخران نیست لیکن شعر رتبہ دارد مگو یا از کلامش پختگی ظاہر است از وست

کھولی نہیں ہے مجھ کو بتوں کی ادا ہنوز — دل کے تئیں یقین ہے نامِ خدا ہنوز

آنکھوں میں کس کے پائے نگاریں کا نقش ہے — ٹپکے ہی جائے اشک جو رنگِ حنا ہنوز

تصویر اس کی کھینچ کے مانی دل کے ساتھ — یاراں ہی لیتے آپ یہ دستِ دعا ہنوز

لوہو سے عاشقوں کے گلی لالہ زار ہے — مست وہ طفل کرتا ہے مشقِ جفا ہنوز

میرزا محمدی برادرِ کلاں میرزا فرید

ملنگ پیرا ایک رات آ میں ہرل مو — ہمارے من کا جیسا ہی کبھی ہو

میرزا احمدی نام تخلص بود از وست

مرا احوال سن قمری ہا درد ہے — وہ ایسا کھو دیا تھا ہر کا کھووے

سید امام الدین خاں ولد سید شمس الدین خاں سرجو کی رسالہ دار شاہی بود

رونق آئینه خورشید تیغ صباحت و روی رخشان ماه سپهر ادا و سادات صاحب قدرت؛ طرزش ما بالطرز شناسی، برادرزاده سراج الدین علی خان آرزو، و هم از شاگردان است، متوطن اکبرآباد، جوان خوش‌فکر، فی الحال در شاهجهان آباد است من او قریب صحبت رسیده، تذکره متقدمین معاصرین از مؤلفات او یادگار مانده است، زبانی و غزل و قصیده هجو و مدح همه می‌گوید لیکن ایجه گویند بعضی ابیات که بسیار بلند و بطرز اردو هم می‌گوید بلکه گرم بازاری او بهمت بسیار صاحب دماغ است و دماغ او هم رسیده، حق الحق سلامت با کرامت دارد

از وست ع

کیا دل سے شکوے کریاں بھی سرو آرمیدہ تھا
جوں آشیاں طائرِ رنگِ پریدہ تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بیچارہ گریہ ناک و گریباں دریدہ تھا

تجھے ہر آن میرے پاس کا آنا ہی گیا
کیا گلہ کیجے غرض اب وو (۵) زمانہ ہی گیا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

ئی گیا میر کا اس لعنت و ذلت میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ ستانا ہی گیا

اے قاصد وہ (۵) پوچھے میر بھی ادھر کو چلیا تھا
تو کہیو جس طرح ہو دل ہیں سب اسکا ہی نکلتا تھا

حال مجھ سے اس طرح جو قاتل ہو وے نگا
سے ٹکڑوں کا سینہ ہچکیاں لے لیکے رونے لگا

ماں آنے میسر مجھکو تجھے جو وسا لے
بیچ حسن اتفاق آئینہ سر سے روبرو ٹوٹا

ئی اس کی گیا سو گیا نہ ہوا کچھ
ئیں میر سے کراہت کیا ار رہا

سا تحریر میں کم نظر قلم کیا
کرتا لگاں پر حشم کیا

اس نے گل کا ہے کتنا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

ول ہیں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا

او دل ہے وداع جدائی سے تنگ باغ
تجکو بھی ہو نصیب نہ گلزار دیکھنا

ل سوئے میر رونا رہے گا
لو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

شیخ محمد محسن المخلص بہ محسن جوانے است بکمال علم و حلم از اقربائے شیخ سراج الدین
علی خان آرزو و برادر زادۂ میر محمد تقی، اصلش از اکبرآباد است تربیت در صحبت خان مذکور
یافتہ در علم شعر مہارت بسیار دارد و الحال در سرکار نواب ... خان سالار جنگ بہادر سرفراز
است از صعوبت تکلیفات زمانہ مدتے شدہ فراغت را عنان بایں طرف لکھنؤ در راہ اول
انچہ گفتہ ہمان گفتہ پارۂ ازان نگارش می آرد

محسن بہ دونوں میں تو بھلا کہہ کیا کروں | اک دل بساط میں تھا سو اسکو بھی کھو دیا
جس دن تری گلی سے میں عزم سفر کیا | ہر اک قدم پہ راہ میں پھر جگر گیا
کیا جانیے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں | ہم کو تو تن بدن کی ہی اپنی خبر نہیں
جاں بلب ہوں میں نکل جائے یہ جاں کہیں | دل میں حسرت ہی بھری جاتی ہے ارماں کہیں
مرا رنگ یہ زرد اسقدر زرد ہے | کہ یاں زعفران زار بھی گرد ہے
یوسف مصر بیچتا ہے کوئی | تجھ سے دلبر خرید لیتا کون
حرف تیرے عقیق لب کا شوخ | زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کون
ٹک آکے دیکھ نہیں کچھ بھی جان آنکھوں میں | پھرے ہے پر بھی تیرا جمال آنکھوں میں
پوچھ دختر رز کی تو مجھ سے کیفیت | لیے ہی جاتی ہے دل بے خیال آنکھوں میں

رباعی

سب تخم محبت اسے دل میں بویا | دین و دنیا سے ہاتھ ہم نے دھویا
اس عشق کا ہوئے خانہ ویران یارب | دونوں عالم سے اس نے ہمکو کھویا

میر شعرائے ہندوستان و افصح فصحائے زمان ساحر دلفریب سخن میر میاں محمد تقی
تخلص بہ میر رفعت رواق کاخ بیانش از طاق سپہر برتر و گوہر کان ضمیرش از جوہر مہر
لی گوہر فکر عالیش در ربیع خوش آبی و طبع روانش سحاب سان ... چراغ شرح ...
با حسن تخلص گلشن شعرش چون ... از نکہتش سحاب ... دکانے اور ...

کھلا لیتے ہیں جو بگڑی کا پیچ اُن کے ہمسر
سمجھا یار کو اک اور تماشا ہوا

باندھ تیغ آتش غم سے پگھل گیا
ہم جہاں میں شعلے ہی روتے میں گل گیا

ہم سے دل میں تجھے بھی یار کے مزاج پر
تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا

میں عشق میں کیا جو چلے آ دھر اُدھر چلا
لی کروٹ شوخی سے تھی اُدھر چلا

پھر چھوڑ دیکھ میکے ترچھی نظر سے
کہتا ہے مر رنگ تو کچھ اس طرح چلا

مرگیا میں ہلا نہ یار افسوس
ہائے افسوس صد ہزار افسوس

جب بہار باغ ہم کو ہوئی
تو ہی ساقی رہی بہار افسوس

گل کی حیا بھی دیکھی دیکھی وفا بلبل
اک مست بیٹھے تھے گلشن میں جائے بلبل

کیا سیر چمن لطف کلیوں سے گل میں ہیں
توڑا تھا شاخ گل کو نکلی صدا اے بلبل

ٹک لطف ہی پلا کر کبھی تو گو کبھو نہ ہو
سو سال کہ مجھ کو ہجراں سے سری ہو

ہم تو اسیر کنج قفس ہو کے مر چلے
لے ہے صبا فی سر چمن سیر کیا

جوں ماتم کی باتیں دیتا اور گلشن میں چلیاں
جوں گل لے دم مارا چھیڑیاں سدا کی بلبل

مطرب نے پڑھی جو غزل اک میر کی شب کو
مجلس میں بہت وجد کی حالت رہی سب کو

ہوگا کسی دیوار کے سائے میں پڑا میر
کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

مرتے ہیں میری نرگس بیمار دیکھ کر
جاتے ہیں جی سے کس قدر آزار دیکھ کر

جاتا ہے آسماں لیے کوچے سے یار کے
آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

افسوس وے کہ منتظر اک عمر تک رہے
اور مر گئے تڑپتے تئیں یکبار دیکھ کر

ڈھب ہیں تیرے سے باغ میں گل کے
بو گئی کچھ دماغ میں گل کے

جائے روشن وفا کرے ہے عشق
جوں بلبل چراغ میں گل کے

سیر کر میر اس چمن کی شتاب
ہے خزاں بھی سراغ میں گل کے

رہی نگفتہ مرے دل میں داستاں مری
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں
جسے ابر ہر سال روتا رہے گا

تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

بیاسی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا
جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

دل کا نہیں ٹھکانا بابت جگر کی گم ہے
تیرے بلاکشوں کا ہم نے حساب دیکھا

لیتے ہی نام اس کا سوتے سے چونک اٹھے
ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغ سحری کا

گزرا بنائے چرخ سے نالہ پگاہ کا
خانہ خراب ہو جیو اس دل کی چاہ کا

یک قطرہ خوں ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا
قصہ یہ کچھ ہوا دل غفراں پناہ کا

طوف مشہد کنی جو آؤں گا
تیغ قاتل کو سر چڑھاؤں گا

وصل میں رنگ اڑ گیا میرا
کیا جدائی کو منہ دکھاؤں گا

کہاں تک یہ ستم اٹھائیے گا
اک دن یوں ہی جی سے جائیے گا

شکل تصویر بے خودی کب تک
کسی دن آپ میں بھی آئیے گا

شرکت شیخ و برہمن سے میر
کعبہ و دیر سے بھی جائیے گا

اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدی مسجد
کسی ویرانے میں بنائیے گا

گل کو محبوب میں قیاس کیا
فرق نکلا بہت جو باس کیا

صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی
کیا پتنگے نے التماس کیا

سوچتا کچھ نہیں ہمیں اس بن
شوق نے ہم کو بے حواس کیا

تابمقدور انتظار کیا
دل نے پھر زور بے قرار کیا

ہم فقیروں سے بے ادائی کیا
آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

دل کی تسکیں آتش ہجراں سے بچایا نہ گیا
گھر جلا سامنے اور ہم سے بجھایا نہ گیا

گل سے ہر چند کہا باغ میں رہ پر اس بن
جی جو اچٹا تو کسی طرح لگایا نہ گیا

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے
ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے

دکھائی دیے یوں کہ بیخود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

کوئی ناامیدانہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے

کہو قاصد جو وہ پوچھے ہمیں کیا کرتے ہیں
جان و ایمان و محبت کو دعا کرتے ہیں

بیکسی سے تو تری بزم میں ہم بہرے ہیں
نیک و بد کوئی کہے بیٹھے سنا کرتے ہیں

اس کے کوچے میں نہ کر شور قیامت کا ذکر
ایسے ہنگامے تو یاں روز ہوا کرتے ہیں

دل پر خوں ہے یہاں تجھ کو گماں ہے شیشہ
شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ

شیشہ بازی تو ٹک اک دیکھیے آنکھوں کی
ہر مژہ پر مری اشکوں سے رواں ہے شیشہ

جا کے پوچھا جو میں یہ کارگہ مینا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ

کہنے لاگا کہ کدھر پھرتا ہے ہو اے مست
جس طرح کا جو تو چاہے تو یہاں ہے شیشہ

دل ہی سارے تھے پہ اک وقت میں جو کر کے گداز
شکل شیشے کی بنائے ہیں کہاں ہے شیشہ

گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کئی
جلتے ہیں رشک سے یوسف کے خریدار کئی

کب تلک داغ دکھاوے گی اسیری مجھ کو
مر گئے ساتھ کے میرے تو گرفتار کئی

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں

بیقراری جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے
کچھ تو ہے میر کہ اک دم تجھے آرام نہیں

نہیں وسواس جی گنوانے کے
ہائے رے ذوق دل لگانے کے

میرے تغییر حال پر مت جا
اتفاقات ہیں زمانے کے

دم آخر ہی کیا نہ آنا تھا
اور بھی وقت تھے بہانے کے

رنج کھینچے تھے داغ کھائے تھے
دل نے صدمے بڑے اٹھائے تھے

ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا — گئی ہے فکر پریشاں کہاں کہاں میری

آتا ہے جی میں حالِ ، اپنا بھلا کہوں — پھر آپ ہی آپ چپکے کہتا ہوں کیا کہوں

بارِ چمن وہی ہے بلبل سے گو خزاں ہے — ٹہنی جو زرد بھی ہے سو شاخِ زعفراں ہے

از خویش رفتہ اکثر رہتا ہے میر اُس بن — کرتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہے کیا نہیں — تم تو کرو ہو صاحبی بندے میں کچھ رہا نہیں

بارِ بتاں اُٹھا چکا دیر کو میر ترک کر — کعبے میں جا کے بیٹھ میاں تیرا مگر خدا نہیں

جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آوے — اس طرح کے رونے کو کہاں سے جگر آوے

نسیمِ مصر کب آئی سوادِ شہرِ کنعاں کو — کہ پھر چھوا یہ یہاں سے لگی گلہائے حرماں کو

گل و بلبل ہے بیرنگ تماشا سرسری گذرے — کہ بگڑے ہے ربط کج کیا کیا تھا اس گلستاں کو

کوئی کانٹا سرِ رہ کا ہماری خاک پر بس ہے — گل و گلزار کیا درکار ہے گورِ غریباں کو

کیا سیر اس خرابی کا بہت اب جی جلے سو ہے — کسی دیوار کے سائے میں منہ پر لیکے داماں کو

یہ رسمِ آمد و رفتِ دیارِ عشق باری ہے — ہنسی وو دل چلے میری اور رویا یوں چلا آوے

عمر بھر ہم رہے شرابی سے — دلِ پُرخوں کی اک گلابی سے

جی ڈہا جائے ہے سحر سے ہائے — رات گذرے گی کس خرابی سے

کام تھے عشق میں بہت پر میر — ہم ہیں فارغ ہوئے شتابی سے

یہ چشم آئینہ دارِ رو تھی کسی کی — نظر اس طرف بھی کبھو تھی کسی کی

سحر سجدہ دی پائے گل ہم کو لے گئی — کہ اس سمت یہاں میں بو تھی کسی کی

دمِ نزع دشوار دی جان اس نے — مگر میر کو آرزو تھی کسی کی

مر گیا کوہکن اسی غم سے — آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

کل پاس ہے ہم سے اُس سے ملاقات ہو گئی — دو دو وچن کے ہونے میں اک بات ہو گئی

کتنا خلافِ وعدہ ہوا ہوگا وہ کہ یاں — نومیدی اور امید مساوات ہو گئی

آفریں سید نور اللہ مرقدہ - از وست ؎

سیاہ بخت کے گھر کوں ہے دلاؤ چراغ | ہرے مرا یہ جلایا - ہے دل یہ داغ ہے تم پر داغ
مشکل کہ پہنچے اس صف مژگاں میں دل نصیب | کیونکر سپاہی جائے فرنگی کی باڑھ میں

مولوی غلام حسین المتخلص بہ مجروح الہ آبادی، عالم متبحر و فاضل جوش اقران مسار میدان دلائل جانکاہ سیار عرصۂ فضائل شاعر فارسی بود، بندہ با وے ملاقات نکردہ لیکن اکثر از زبان یاران آں دیار وصف آں بزرگوار شنیدہ، در اوائل بسبب ریختہ ہم گفتہ طبع ورد می داشت، از کلامش ظاہر است، اصلش از شاہجہان آباد وہ بہر تحصیل علم در آں شہر آمدہ اقامت نمود لیکن بہ تمامہ مشہور بہ الہ آبادی شد از تذکرۂ خان سخن آفریں سید رحمہ اللہ ؎

زمیں پر مت پٹک اسکو یہ ہے سنگ نہ سل ہے | ارے او بے مروت یہ کسی کمبخت کا دل ہے
کوئی منع کرو اس کو مے پرستی سے | ابھی نہ نام خدا عالم خیالی ہے
یہیں تمکین کرے زاری دل ناکام کم | گرچہ آنکھوں میں نہیں باقی ہے پر نام نم
جانتا ہوں دل الجھا ہے زلفوں میں نہیں کرتا آہ | صید کو لیتے نہیں دیتا ہے کافر دام دم
بات کہا غیر سے اور رو گیا ہر دم ہمیں | سب سمجھتے ہیں پیارے یہ تری ایہام ہم

میر قمر الدین المتخلص بہ منت از نجیب زادہاے قصبۂ سونی پت ہمراہ نواب عماد الملک بکمال خوبی بسر میبرد جمعا لے سلامت دارد از وست ؎

منت اپنے کو دل دیا تو نے | اے پریشاں کیا کیا تو نے

شیخ غلام احمد قادری المتخلص بہ نشتی ساکن دادری سرکار پارول کہ قصبہ ایست از دار الخلافۂ شاہجہان آباد، از شاگردان مرزا مظہر جان جاناں شہید و واقف تخلص داشت چوں از شاہ واقف دل تنگ شد "نشتی" نمود در السنہ داری خیلے مربوط است شعر فارسی خوب میگوید و ریختہ ہم، از چندے وارد فیض آباد است، خوش اوقات و پاکیزہ صفات، تلاش حرف

کچھ نہ سمجھے کہ تجھے یاروں سے — کس توقع پہ دل لگائے تھے
اس جہان اسباب میں ہم تم ہیں — یاں کبھی سرو و گل کے سائے تھے
اس راہ میں نامہ بر کی دیتے ہیں جان تلک تو — اس کا رسول یا پہنچا ہے یاں تلک تو
افسانہ غم کا لب تک آتا ہے مدتوں میں — سو جانیو نہ پہنچے اس داستاں تلک تو
دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں — اب ہم بھی سب سے آنکھیں لڑائیاں ہیں
ٹک سن کے سو برس کی ناموس جاسی کھو — دو چار دل کی باتیں اب سن بیانیاں ہیں
کام آوے گا ہمیں ایک بھی یار آخر کار — ہاتھ سے جائیگا سر رشتہ کار آخر کار
چشم وا ہو کے ٹک کیجیو ہیں نرگس — آنکھوں میں جاتی رہیگی یہ بہار آخر کار
ڈوبے اچھلے ہے آفتاب ہنوز — کبھی دیکھا نہ تجھ کو دریا پہ
مدت سے لگ رہی ہیں آنکھیں در حرم سے — پردہ اٹھا تو لڑیا نظریں ہماری ہم سے
ان دونوں یاروں کی نظروں سے نہاں ہیں تو — خوش رہو تم پر کہاں جہاں رہتے ہو

رباعی

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے — خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر — مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے
مدت کے جو بعد جی سنبھال آتا ہے — خاطر پہ جہان جہان ملال آتا ہے
دیکھو دن گئے جان یوں چلی جاتی ہے آہ — رہ رہ کے ہمیں یہی خیال آتا ہے

از احوال متاخرین وارث رقم دقائق و جامعت اقسام حقائق جامع بحر و رسوم و جامع مجموعہ علوم در گلشن فضل و کمال عندلیب حضرت شاہ قطب الدین المتخلص بہ مصیب برادر بزرگوار شاہ اجمل کہ بیشتر مذکور شد از فرزندان شاہ محب اللہ الہ آبادی، فاضل و عالم شاعر فارسی و عربی گاہ گاہے برائے خاطر ریختہ گویاں آن دیار ریختہ ہم میفرمودند چندے برائے زیارت مکہ معظمہ رفت و بعد از مراجعت منزل مقصود جاں نحال

ہوتی ہے دنیا میں جو کچھ سعی خیر — سب سے ہے ممتاز کو لاٹھی عزیز
کورح و مقام اس کا ہی سب اپنے ہاتھ — جب کہیں چلیے تو ہے عذر ساتھ
ہاتھ میں رکھتے ہیں اسے ہوشمند — ڈرتے ہیں سب اس سے ورنہ اور گزند
کھینچ نہ سکیے جہاں شمشیر و تیغ — اُس کو لگا بیٹھیے واں بے دریغ
اتنا کم آزار اور ایسا شفیق — اور بھی کوئی ہے کسی کا رفیق
کس میں یہ توفیق ہے کچھ چال — ہاتھ پکڑ گرتے کو لیوے سنبھال
جوش ہیں دلبر جو سبحہ ہے وہ — یار ہے وہ قوت بازو ہے وہ
اسکے گھرانے کو جو کیجے خیال — چھوٹے بڑے جتنے ہیں سب ہی کمال
کوئی تو ہے خامۂ سحر طراز — کوئی سمگر ہے نے نغمہ ساز
کوئی تو ہے ہمسر تیغ و قلم — ماہ بر رکاب نہ بر کی علم
اُس کے گھرانے کو بڑائی قدیم — وال ہے اعجاز عصائے کلیم
شہرہ رکھے ہے وہ وارستہ ہے — راستی اپنی یہ کمر بستہ ہے

عرض از این قبیل بسیار گفتہ و دُر ہائے معانی سفتہ من استعارہ سہ

ہزار مرتبہ دیکھا ستم جدائی کا — ہنوز حوصلہ باقی ہے آشنائی کا
عشق کے غم سے کوئی نہیں مقدم نہ سمجھ — یہ عجب طرح کی شادی ہے اسے غم نہ سمجھ
ڈروں میں کس لیے تجھ سی بیمار میں کیا تھا — ملا جب انکو جو نہ ووں بہار میں کیا تھا
ہائے ہائے نے کس طرح کر دیا مایوس — اور اپنی خاطر امیدوار میں کیا تھا
ترے ہی واسطے آئے عدم سے ہم یاں تک — وگرنہ ہستی ناپائیدار میں کیا تھا
کوئی ہزار دعا مانگے یا کرے تعویذ — لکھا ہوا نہ مٹے کوئی کیا کرے تعویذ
میں ترے داغ کو رکھتا ہوں اسلیے دلمیں — کہ آشنا کا دیا آشنا کرے تعویذ
کیونکے سر سبز ہو سا ہی گدائی کی ہوس — رہ گئی آہ مرے دل میں جدائی کی ہوس

باره می سامد خدا سلامتش دارد۔ از وست ؎

سخن تیرِ نگہ سے کہ مرے دل کو ستاں ایا — کہ میں قرباں گیا ہی تجھ کماں ابرو یہ جاں ایا
چُرا لیتا ہے نقدِ حُسن کو آئینہ آنکھوں میں — خدا کے واسطے ٹک کر حیا کو پاسباں ایا
نگر بیا سا ہے رحم دل بری سدا دکا ظالم — کہ بر کرتا ہے آسا تیغ سے ہر دم وہاں ایا
نہ پہنچی مجکو آفت ہر گز اس گردوں کی گردش سے — زمینِ خاکساری کو کیا میں آسماں ایا

مسافر تخلص میدانم از کیست و کجائیست اینقدر میدانم کہ از معاصرین من است تک شعر اردو نگس خورده از کلامش چاشنی تصوف می آید از وست ؎

اسے چھوڑ کر کنشت جو کعبے کو جائیے — واں بھی یہی صنم ہو تو کیا منہ دکھائیے

شیخ ولی اللہ المتخلص بہ محب مرد لست لوکہ می نشستہ خوش اندیشہ اصلش از شاہجہاں آباد است از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا سخن او خالی از لطف نیست حیف جوان حال لطرف ورح آباد لسر میبرد از وست ؎

عارض اُسکے تھے عرق سے یوں سحر بھیگے ہوئے — صحنِ شبنم سے دو گلبرگ تر بھیگے ہوئے
اشک سے مژگاں ہی ہم تجھ تک پہنچتی ہیں نگاہ — مانعِ پرواز ہیں طائر کے پر بھیگے ہوئے

میاں کاظم علی المتخلص بہ معشوق از جوانان الہ آباد است گاہ گاہ فکرے می نماید از وست
شکایت کیا رقیبوں کی کروں اس لاؤبالی سے — سمجھتا ہی نہیں کچھ نیک و بد وہ خورد سالی سے

شاعر درد مند وگداز حافظ فضل علی المتخلص بہ ممتاز سرِ رشتہ طرز کلامش استوار و گُل فکر یابش رشک لالہ زار سخن شاعرانہ و طرز سخن اُستادانہ، فردیست حافظ قرآن از شیخ زادہائے شاہجہاں آباد و از تلامذہ مرزا محمد رفیع سودا سلمہ اللہ شنیدہ ام کہ الحال بطرف دکن رفتہ۔ یک مثنوی مسمیٰ بہ لاٹھی نامہ خوب گفتہ کہ سلسلۂ او را تا بہ عصائے کلیم رسانیدہ وسلسے ماسد ستارح گل بروگلہائے فکر دواسدہ حیدسلیے ازاں ساد من مثنوی ؎

اردوست ۵

جو دل سے گزرے اہل دلوں کے وہ کدھر — دنیا کا دین کا ہے اِدھر کا نہ اُدھر کا
اے ہمسر سر کو کہاں جائیں — مارے سر لی ہیں سبھی جائیں
کوئی تیرا احسال جانا ہے — دل کو ہر چند یار سمجھائیں
ملنے کی میاں نری ہوس کر — رہتا ہے ہائے دل ترس کر
سو بار گر لوں پیا سری جان بھیجے — تو کبھی نہ دیکھے کو وہ بدگماں بھیجے
پیغام تو جنوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک — شاید ہمارے دل پر یک آن بھیجے
حسن نے دیکھی ہو یار کی صورت — کب حوش آئے ہمارے یار کی صورت
محترم کیا سال کروں تجھے — اس دلِ وا مدار کی صورت
جو دل ہو کر سرشک ہوتا ہے — اس میں ہوتی ہے یار کی صورت
پوچھوں اس کو اگر میں دامن سے — شکل پکڑے نگار کی صورت
یعنی پٹی نہیں ہے آنکھوں سے — ہائے رہی ہائے یار کی صورت

محمدول تخلص سستا و عظیم آباد طبع موزوں دارد سعر جو درایتش مسر
مبتلا سلمہ اللہ مگر را مدار مداق کلا مستکل بوسے دردمندی می آید اردوست ۵

جی ہمارا بس ترا مجو خیالِ نور رہتا — دل سے جو شعلہ اُٹھا تھا سو چراغ طور کا
دل میں سو سو بار اُس کے روبرو جاتا مجھے — اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے
کتنا سمجھاؤ کوئی سوزِ مرا سمجھے گا — مجھ پہ جو کچھ کہ گزرتی ہے وہ کیا سمجھے گا
خط تو لکھتا ہے پر اب حرف یہی ہے دل میں — میں نے کیا اس کو لکھا اور وہ کیا سمجھے گا
اتنو کھولا ہے تو باتوں پہ بیاں کی مجبول — پر کوئی دل کو مرے یار کھلا سمجھے گا
تیری لوگو کو بھی نہ ہرگز صبا لگی — اے مری ساک تجکو کہاں کی ہوا لگی
نہ دل ہے نہ جگرِ داغدار پہلو میں — بسا ہے آکے کوئی میرا یار پہلو میں

ہاں نہ پر تو کاٹ کے جب تو نے قفس کو سونپا | وہیں آخر ہوئی صیاد رہائی کی ہوس
طالبِ وصل سال بھر کی ہوا ہے مختار | دل میں باقی ہے کچھ اک داغ جدائی کی ہوس
گرا کبھی ہتا کہ وہ مہیا کے چمن میں | آتا ہے نظر جامۂ گل چاک چمن میں
اک روز میں مختار سے پوچھا کہ بلبل داغ | تاک غنچۂ گل دیکھیے اور چاک چمن میں
اس نے کہا سنکے مری بات کو گھبرا کے | یں یار کو دل سے رہیں چاک چمن میں
ہائے رونے میں دل سے سارا اٹھتا ہے | کہ جیسے پانی کے چھڑکے غبار اٹھتا ہے
سے اندلوں دلِ نالاں فرنگ کا گھڑیال | رہے رہے کبھی آتی پکار اٹھتا ہے
عشق میں عرض تمنا نالع و بیداد ہے | مرا ہی دست دعا مہ پر مرے دیوانہ ہے
دل کے لیے سب کچھ خاطر پرواہی تو ہلانا | جب تو رہ مختار پھر دلو لگا آخر بار ہے
یاد اس شوخ کی اس دل میں بھری رہتی ہے | لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں پری رہتی ہے
... ہم تو بھی ہے ہاں ہم باقی | حیثیت ہر جب کہ ہو جتک تری رہتی ہے
... ہر رو ہو یار ال مدت ہی شرط | قابلیت جو ہے مختار دھری رہتی ہے
خواہش ... میں تو کیا جاڑ میں ہو | جو رنگ و بو گل میں تو کیا بہار میں ہو
جلا ... تو روئی ہی اسکے حال پہ شمع | بلا سے ... کہیں طور پہ یا رہ میں ہو
کرو ... کا ہم پہ لے مختار | سخن تو کہتے ہیں اس سے جو اختیار میں ہو
لے ساری عمر کی وہ کچھ ہمارا مارا نہ | اس کا کیا انجام ہوگا جس کا ہی آغاز یہ

ار سور و ان جہاں و خوشگویان زمان حافظ صاحب مہربان محترم خان المتخلص بہ محترم ؛ الے است خوش معاشرت و مار باتن لوکہ ہی سینہ ہمراہ مرا دو خواجہ محمد ی خان کہ صاحب رسالہ در سرکار لواب فاتح علیخان بہادر بود عمدۂ روزگار ما بدہ ہمہ یاد راس شوق سخن دارند، دراں ما ل از ہمہ طرز کلامش مؤثر، ارشاگردانِ شاہ رکن الدین عشق تخلص، با فقیر لیاد آشناست، حالش سلامت دارد۔

معلوم نہیں کچھ دل مہجور کی خبر　　کس جا ہے کہ کیا ہے مرے یار کی خبر
یارا ہوں لے گو تجھے کچھ کچھ کہا لو کہا　　کس معتبر ہے کو خبر و یار ار کی خبر
کیا کیا کہوں میں تجھ سے دل زار کی ہوس　　مشہور ہے جہاں میں بیمار کی ہوس
ہوتے ہی دے قیمت آگئے ہی اپنا دل لگا کے جا　　دیکھیں کہاں ملک ہے خریدار کی ہوس
کہتا تھا کہ یار آ پر دم کی اس گھڑی سے　　آخر گیا یہ ظالم اک سیکیاہ جی سے
کچھ تعجب نہیں گر مر گیا سرا مائل　　یار کیا لگتا ہے انسان کے مرجانے کو
یار اتجھے تو فکر ہے کر تو کر یہ تو ماتم　　مشہور ہے کہ یار کے پیچھے سنوار ہے

منتظر تخلص تھے است در مرشد آباد احوالش معلوم نیست ہمیں مطلع بگوش رسیده

حلقہ برقع سے ترے مہ کا تل آوے باہر　　دید کو اس کی سویدائے دل آوے باہر

با وجود معنی این مطلع ہیچ نہ فہمیده نرسید نام قلمی نموده الا درین شعر سویدائے ساعت حال و سویدائے دل معنی و ربط کلام پیدا نیست ۔

شہرستان معانی و باغستان سخندانی طبعش لغایت متین و نظمش نہایت متین شیخ محمد معین الدین المتخلص بہ معین از شہر مدراس است، طرز کلامش شاعرانه وطبع دقت پسندش بر نکته چینی دلواله اکثر با شعرای معاصرین بحثین دارد چنانچه یکبار بر شعر فقیر اعتراض بجا نمود هر چند فهمانید هم نفهمید - سید مرزا رفیع وادم قبول نکرد و گفت دیوان مرزا صحیح دارم درو این طور نیست - غرض هر جا که بحسین لفظی با دیوان استاد خود را موافق طبع خود درست کند و سخن خود را سر سری نماید چون از شهر مدراس است حق بجانب اوست لیکن با وجود اینهمه خود آرائی و خود پسندی مثل او هم صاحب طبع پیدا نیست مثنوی و قصیده و هجو همه خوب میگوید هجو کشمیری و قصیده در مقدمه آب ترکه هندی ڈوسه میگوید بسیار آب و تاب گفته مدتی در اله آباد بسر برده الحال ستیز دام

جب سے آیا ہے وہ ٹکڑا اسلا آئینے کو — تب سے ایسی کچھ نہیں ہے حیرت آئینے کو
کھول کر سینہ کہیں اپنے کس دکھایا تھا — محو دی ہے اُدھر اُس کو ادھر آئینے کو
سر سے لے پاؤں تلک آپ سو اجالا ہی — لگ گئی وائے کس کی نظر آئینے کو
کچھ اور تو نہ لیے دل کا سراغ پایا — پھر پھر اُسی جگہ پہ سینے میں داغ پایا
گر یا ہوا ہے ایک زمیں آسماں رہوں — مانند رنگ شیشہ ساعت جہاں رہوں
ڈر رہا ہوں مناسب تھا دلدار کی آنکھوں سے — مارا ہے مجھے آخر کس پیار کی آنکھوں سے

(دہلی) صاحب رام ہمی تخلص از شاگردان شاہ قدرت در مرشد آباد دلسر میر دار در دامان پیمان دیار است گاہ گاہ فکر شعرے ساید از وست ؏

مرے دل سے گرہ کس کوئی تب کھولے — جو طلا گر مار سکے آپ گھر میں ماحی

امور و مان جہاں یاد بھیخاں سالک ساہجہاں آباد صاحب طبع و درد مند تخلص بہ محمد از شاگردان مرزا فدوی، از وست ؏

کھلا ہے لیے خبر صبا و آیا — موے جب ہم اُسے تب یاد آیا
رہ گئی وصل کی ہے بار امید — ہے مثل ایک دم ہزار امید
لگی ہے کس قدر کبر دل بیتاب میں آتش — نہ دیکھی ہوگی تونے شمع ایسی ہوا میں آتش

میاں محمد ہی مائل تخلص از ساکنان شاہجہاں آباد است الحال در مرشد آباد شعر خود در ابتدا شاہ قدرت میگذراند فکر معقولے دارد و سلامت باشد ؏

حلوہ گر تو نہ ہے ہی میں تو لے جانا بھی تھا — ور کبھی دکھا تو تیرا خاص حلوہ تھا نہ تھا
حال کہنے کی نہ دی گر ہے وحشت آنکو — آج پھر کیوں اُسے مائل وہ کہا افسانہ تھا
کیوں نکالے ہے مجھی ہر گھڑی اپنی گھر سے — میرے لینے سے تجھے کیا ہے چلا جاؤنگا
غیر کے پاس کھڑا تھا میں کہا جاناں سے — لگا کہنے کہ تجھے کیا ہے چلا جاؤنگا
تو تو مجھ پہ ہو کے غصہ ایک دم سوتا رہا — شمع کی مانند ساری رات میں روتا رہا

مرد سر و پا برہنہ با حال پریشان میگردد پیشتر حسرت تخلص داشت بعدہ حالی نمود چون بصحبت میر اسد الله بیتاب مخلص تخلص کرد، خود را از شاگردان میر تقی می شمارد لیکن بہمان مثل است جرعۂ اگر سگ رود، از وست ـ

پھرا سایہ جو پیچھا ہے کل وہاں قرار ٹھہرا — کہا ہے تجھے چل بے تو کس کا یار ٹھہرا
بوسے کے بدلے گالی دے بیٹھا مجھ کو جیٹ سو — تو لے مستے آج ہی پے اعتبار ٹھہرا

بدیع الزمان خان المتخلص بمخلص جوان است حسین عمدہ روزگار اصلش از شاہجہان آباد است مدتی در خدمت فراشخانہ سرکار نواب عالیہ سرفراز بود از حیدرے معزول شدہ بوطن خود رفت، از شاگردان شاہ واقف، حسبتہً شعر میگوید با فقیر آشناست خدا سلامت دارد ؏

ہاں نکلا ہو تجھ نالہ جگر سے باہر — اب لوں تیری ہے تاثیر اثر سے باہر
سکو خورشید صفت صبح کو ماہ بدلال — دیکھا اس کا تو ہے شام و سحر سے باہر
لیجا تو دل کو یوں تو ترا اعتبار ہے — پر شرط اس معاملے میں قول و قرار ہے

محمد علی خان ولد رحیم الله خان مشہور بہ ہرزائی مرد است بکمال قابلیت و انسانیت خوش معاش و عمدہ روزگار در سرکار نواب عالیہ اکثر خدمات ورود سرافراز میشود در علم موسیقی ہم دستگاہ رسانیدہ و دستی پیدا کردہ بیشتر مشغول ہمین است گاہ گاہے دو سہ شعر ہم میگوید حق تعالی سلامت دارد ؏

رباعی

جو کوئی کسی کو مار کیا وے گا — یہ یاد رہے وہ بھی یہ کل پاویگا
اس دور مکافات میں بس ای غافل — جو آج کرے گا آج کل پاویگا

میرزا علی نقی محشر تخلص از کشمیر است در بلدہ لکھنؤ استقامت دارد دیگرے نیز کہ تخلص قیامت دارد سلامت باشد از وست ؏

که بطرف حرآما داست چرآما داشد ار وست ؎

دیں جگہ تیری جفا کو دل صد چاک ہیں ہم　　دیکھیں گر کچھ بھی وفا تجھ سے سفاک ہیں ہم
نقشِ پا کی طرح لے راحتِ جانِ عاشق　　تیرے قدموں سے جدا ہو کے ملے خاک ہیں ہم
لختِ دل ہیں یہ جو نکلے ہیں بیت قاصد اشک　　تیرے حال ہی کے بھیجے ہیں تجھے ڈاک ہیں ہم

ایں مضمون بسیار خوب است لیکن بندش درست نیست ہر که محاوره داں است میداند۔

خوش ہم عریانی سے اتنے ہیں برنگِ بوئے گل　　نکلے جاتے ہیں پھٹے ہیں یو چاک ہیں ہم

"خوش ہم عریانی" ناموزوں است چرا که ہم با راریاں چسپیده است که عیں جوں چشمِ غزالاں رم کرده است و ایں سخت عیب است نیز ازوست ؎

نہ پھرے نالوں سے راتوں کو میں دل آہ　　آه کتنا رہینگے گردشِ افلاک میں ہم
یہ جان تاب شبِ عشق سے چلی افسوس　　کسی سے آن کے اکدم خبر نہ لی افسوس
نہ آیا یار دوپہری بھی اب ڈھلی افسوس۔

*مصرع اولے از خاطر رفته است ۔

ایں محاوره درست نیست، مردم شاہجہاں آباد دوپہر ڈھلی نمی گویند دوپہری مگر مردم سرونجاست ۔

اٹھائے دیتے ہیں اہلِ محلہ اس کو آج　　جس سے چھٹتی ہی نہ تھی یاں سے تری گلی افسوس
بیتاب ہونگے جو فانوس میں ہو شمع　　یارب کوئی اسیرِ جانگی ہو

مضمون خوب یافته مگر لفظ "ست جانگی" ناموس است فقیر در ہیچ جا نشنیده،

میاں یہ آرسی ہر ایک کو منہ دکھاتی ہے　　تو ایسی تجھ سے کیوں اکھڑیاں لڑاتا ہے

شاه مجنوں مجنوں تخلص، نومسلم، نبیرهٔ بست ناتھ که دیوانِ محمد شاه بود و پدرش نیز ہماں مذہب داشت ایں غریب مسلمان شده لیکن تا حال بوئے کفر و نفاق از دلش

دلا ناچند آہ و نالہ بس کر
کوئی دم تو صبر و ضبط نفس کر

کوئی جا اب نہ ہم سے جا سکے ہیں
ندا سی سن لے بانگ جرس کر

جہاں کاکل ہے وہ شوخ یار بس
مجھے لے اس چمن کا خار و خس کر

ہے اس کی آنکھ میں خط و خال پر لطف
کرتا ہے کب ہمارے وہ احوال پر لطف

قرباں ہوا ہے جس کے لیے یار کا یہ سم
مشتاق بوسہ رکھتے ہیں تمثال پر لطف

اک بار ہو وے گا زوال حشر میں
جب ہم کریں گے نامۂ اعمال پر لطف

مارے دو ہوں اگر کم ہوں تو کم ہیں بہتر
نہ ترا پیار بھلا اور نہ ستم ہیں بہتر

او نافہم مری جاں کوئی کیا سمجھے
کہ سمجھے ہیں تری بات کہ ہم ہیں بہتر

آج کا خط ہے سو مرے کیا بار ہو ور
ہے ابھی ڈھب یہ لگا دے غلط انداز ہو ور

ہے یہ دل کیا تو بھی قفس میں تنگ
جیس دی سے نہیں سوچی یہ دانہ ہو ور

ہوں میں لے مصحفی اندھیرا رنگ ولے
مجھے غافل ہی سرا آنکھ ہر دار ہو ور

ہے دلبروں میں تو ہی عاشقوں کا اک جو ہر
لیو کترا کیا وہ اس سے ہم کو دستاویز

اٹھا عار تو وہ بھی ہوا مستانہ خط
سو لے ہمد کے دیکھی نہ خاک فائل چیز

نادل سے بہ رہے ہیں مرے دیدۂ تر روز
ساون کا سا لگ رہے ہیں مہاں مجھ پہ تو ہر روز

اغیار کی مجلس میں جو تم جاتے ہو شب کو
آ رہتی ہے اس بات کی ہم تک بھی خبر روز

اے مصحفی اس کوچے میں دل لے کے لگا ہے
جاتے ہیں دل و دلبر ہیں ہم عزم سفر روز

شوق سے لکھیے اگر جانب جاناں کا عہد
ہو کبوتر کی طرح آپ پر افشاں کا عہد

دل نہ دل راہ جس ہو لی ہے وہ آلیں میں
بھیجتے رہتے ہیں بہت عشق کے پیماں کا عہد

پڑھتے ہیں پر سے جو کوئی ہو سو لکھے نامۂ شوق
بھیجا یار کو ابھی ہم آسماں کا عہد

ہوئی ہے کس کے وصل بہار دامنگیر
چلیں چمن سے تو ہو جاتے ہے خار دامنگیر

دریا میں پھینکے لاش کو میری بہا دیا ‏ ‏ ‏ ‏ قاتل نے میرے قتل کا سو بہا دیا

بهارستانِ باغ سخندانی و چمنستانِ گلزار معانی شیخ همدانی المتخلص به مصحفی طبع روانش جدولِ کاسهٔ فصاحت و فکرِ بلندش مسطرِ ریاضِ بلاغت رنگینی کلامش سرخیِ بادهٔ گلستان و سنجیدگی الفاظش چون سنبل بوستان از سحابِ امروهه مولدش اکبرپور که قصبه ایست وطن بزرگانش از قدیم متصل دهلی الحال در شاهجهان آباد به شغل تجارت بسر میبرد اردو دیوان او دو سه جز بسطر در آمده قصیده و غزل و مثنوی همه جور در کلامش بلند است اعراض از تخلص او معلوم میشود که مرد صالح است از برای تمام مثنوی خوب گفته چنانچه این چند شعر قلمی میشود از مثنوی او ست

رکس آئینہ روئے طفلِ حجّام ‏ ‏ ‏ ‏ نہیں جو دیکھے اس کے دل کو آرام
جو دیکھے انگلیاں وہ گوری گوری ‏ ‏ ‏ ‏ ہے جو رستہ پانی کی کٹوری
وہ حسن کے روبرو جو ناگاہ آیا ‏ ‏ ‏ ‏ اُسے حیرت نے آئینہ دکھایا
ملا جب آئینے کو اس نائی ‏ ‏ ‏ ‏ بنائی خط اور کو صفائی
یہ کھینچے خامۂ مو اسکی تمثال ‏ ‏ ‏ ‏ کہ وہ ہے عاشقوں کی ناک کا بال
سنے ہے مصحفی اب تو فی الحال ‏ ‏ ‏ ‏ مذاکر سر کو ہو ہما فارغ البال

من غزلیاته

برہم دل تقریر نہیں پیر و جواں کا ‏ ‏ ‏ ‏ جوں شمع میں عقدہ ہوں ای ہی زباں کا
پیری میں اور بھی ہوئے غافل ہزار حیف ‏ ‏ ‏ ‏ بے اعتبار زندگی ہم کو ہے خواب صبح
گل کترتے ہے قاتل مری فریاد کے آگے ‏ ‏ ‏ ‏ مرتا ہوں اگر کب استاد کے آگے
اکثر رشک کے نکالی تھی میں وال کلفت دل ‏ ‏ ‏ ‏ اب ملک دامن صحرا ہے غبار آلودہ
تلخ ہو لیے میں اس کے مزا ہے کچھ اور ‏ ‏ ‏ ‏ چھیڑ کر گالیاں کھانے میں مزا ہے کچھ اور
مار ڈالا ہے مجھے زلف کی دکھلا کے نٹیں ‏ ‏ ‏ ‏ ہو فاتیہ بھی کہا ہی جا ہے کچھ اور

شکر ہم اس طرح جہاں سے چلے
یا دہی کچھ ہمیں کمال سے چلے

چاہوں مدد کسی سے نہ اغیار کے لیے
بس ہی تو یار کم ہیں دو چار کے لیے

طوبے کے نیچے بیٹھ کے روؤں گا زار زار
حسنا میں تیرے سایۂ دیوار کے لیے

مجذوب ہر سحر وہ مست تجلی صبح سے
پھر رہیں سے سحر ہے رفتار کے لیے

ہمیں کیا لطف ہے منہ دکھا دیا اس یار کا لیے
جہاں وعدہ اُسے عالم سے ہو دیدار کا آ

کیا ہے دل نے مستغنی وصالِ یار سے ہمکو
تصور دل میں نت رہتا ہے اس دلدار کا لیے

گھر اس کا اُس کو ملا آسماں سے
جس نے جہاں میں آن کے مسمار کی ہوس

نشاں قربانی عشاق کی تمہید کرتے ہیں
لگا مہندی کو ہاتھوں میں یہ ظالم عید کرتے ہیں

کہو کس طرح تم سے بحث کریں میں پیچاؤں
تمہارے ہی سخن کی نکتے سب تائید کرتے ہیں

بھڑک اٹھتا ہے شعلے کی طرح ہر گل ادائے بلبل
چمن میں گرتے نالے کی ہم تقلید کرتے ہیں

خط بھی نکلے گا ترے ایک دو دن دو چار میں
عمر کی معلوم ہو گی چاہ دن دو چار میں

اتنا تو مجذوب اس صنم کے قول پر بھولا ہے تو
یاد آوے گا تجھے اللہ دن دو چار میں

آہ میں ایسی تمہیں ڈھونڈی ہے اے مجذوب
سرو میں ہم نے لگیں اشک پھلیاں کھلیاں

عداوت سی تمہاری کچھ اگر ہووے تو میں جا لوں
بھلا تم مہر سے دیکھو اثر ہووے تو میں جا لوں

تمہارا ہے جو عہد و وفا ہے اس کی تم جا لو
مرے بیاں میں کچھ لوچ دگر ہووے تو میں جا لوں

نہ اندیشہ کرو پیارے کہ تب ہی وصل کی تھوڑی
تم اپنی زلف کو کھولو سحر ہووے تو میں جا لوں

اشراف المکتب طلب گار ہو کوئی
دو لگا اُسی کو دل جو طرحدار ہو کوئی

نہ سایہ چمن میں نہ صیاد کے حضور
یارب مری طرح نہ گرفتار ہو کوئی

دیکھوں ہوں نقاب میں میں رخسار گاہ گاہ
حق کا لطف ہے یہ اسرار گاہ گاہ

دھیرے رکھیو قدم دل عاشقاں کی تربت پر — مبادا ہو کوئی تیرا ستمگار دامنگیر

واسطے اللہ کے مت آنکھ دیدۂ تر سے دیکھیں — دل میں برسات کی اور رہ میں خطر ہے درپیش

دل حیراں کی مرے دیکھیے صورت کیا ہو — انتظار آنکھ ہی آٹھ پہر ہے درپیش

کیسے ہی خوب ہوں لیکن حسن کی وہ سوچ آرائش — ہمالیے حسن کی ہوتی ہے یہاں آتی ہی افزائش

ہم کچھ سمجھے ہی ایسا تو مطلب سوچیے کیا ہو — لطف امتحاں سمجھے کبھی اس سے بھی فرمائش

دیکھیے ہیں ہم اس کو گاہ گاہے رہ کے گل — یا الٰہی ہو سلامت چاک دیوار قفس

ہے یہاں داغ جگر ہم سامان کے لیے — جس طرح لالہ کھلا ہو گل چمن کے تلے

آشیاں سدی کی تکلیف مگر ہمکو ہو ں — گر رہیں گے کبھی دیوار گلستاں کے تلے

وجہ اختصاص سابق و لاحق استاں ہمارے پیر لیے عبارت خوش اسلوب جمیں آرا

معانی در ربیت ہر اسلام حیدر التخلص بہ محمد و بہ علیہ السلام او ساداں ہر امجد رفیع
سو واسطہ اللہ تعالیٰ کے اگرچہ در آستانہ لیکن باہر کہ آستانہ آسمانست علو
طلبش با وجود سخندانی بہ خاموشی مربوط و مزاجش بکمال کم گوئی مضبوط الحق سہ

خاموشی کہ داشت از کمال و انشت — آب گہر موج صدا نیست آشنا

گاہ گاہ از غزل و شعر فکر سے ساید حد ایش سلامت دار دار دوست سہ

اشک آنکھ میں ہو عشق سے یا دلیں غم رہے — بہتر ہے وہ حراب جو آتش سے کم رہے

چھوڑے اگر قفس سے تو جا موسم بہار — صیاد نے کہا یہ ترا یا تو ہم رہے

جس میں حسن کے مے جب وہ گل اندام لے آیا — ادھر شیشہ صراحی اور ادھر گل جام لے آیا

عجب قسمت ہے اپنے دل کی یارا نے جس میں — جو کوئی صبح اس کو لیگیا تو شام لے آیا

جو ماں سے جو دل ملا کرے گا — دھڑکا ہے یہی کہ کیا کرے گا

طربنامهٔ طیب جوش نسبه استحقاق در مدح نواب مرزا ولی ارزاده قدرسامی [illegible] عالی
جناب عالیشان خلف جانشین رحمت مآب جناب حضرت [illegible] صدر [illegible] بداد حصه [illegible]
بدیلی اتفاقات واقف الحال معلوم نیست که کجاست از اسباب [illegible] حکم سطر آمده مگر
این چند بیت که در بیعت شادی جناب ممدوح [illegible] جناب [illegible] رقم شده
لیک ثبات گفته چاپ [illegible] می آید [illegible] باره یافته و زبان او [illegible] امیت
خدایش سلامت دارد از وحشت ت

پھر ہوا دل سوختگاں درپئے آزار فلک — متصل چھیڑ کے ہوا سوئے رہتا ہی کے ٹک
ما در کھول دیا ہے کب سیں اپ — دوسرا ہاتھ جو پایا تو [illegible] پاؤ دستک
لشکر عیش سے ہی سرو بیاں تک سرشار — کہ لیا چاہے ہے سپہر کے مکراں [illegible] گرک
حسن کے جلوتیاں بزم جہاں [illegible] میں — [illegible] کے پاؤں پہ کھل
محفل عیش میں بلبل نے مچادی سہرا — گوشۂ باغ میں غنچے نے اٹھالی ڈھولک
عمر دراز کرم کہ ہو [illegible] عمر — [illegible] کہ [illegible] قوم [illegible]
چشم آشوب قیامت سے لکھا وے محضر — صف محشر کو الٹ مارے ہی ہر ایک پلک
شعلۂ حسن کی گرمی سے عرق ریز حسن — دیکھی ہوگی کبھی مہتاب میں موتی کی ڈھلک
قلقل شیشہ یہ کہتا ہی کہ مت بیٹھ خموش — جام مارے ہے صف بادہ کشاں پر چشمک
ساقی شوخ کہے ہی کہ غنیمت ہی وقت — ساغر بزم تو لبریز ہے مت جائے چھلک
شیخ اگر کچھ بھی ہو غیرت کی [illegible] دل [illegible] — ساغر و شیشہ اٹھا [illegible] تو [illegible] ٹیک
حسن [illegible] رشتہ محبت خیال ہی — حسن کی شادی میں [illegible] جمع [illegible] کو جیک
لحظہ [illegible] دل کو جو دیکھو تو ہنگام سرود — [illegible] رہا ہی [illegible] غل [illegible] تک
وہ جو گلگوں سواری کا ہی تیری مخصوص — کیا کہوں وصف بیاں [illegible] ہائے [illegible]
یہ [illegible] لعل [illegible] سحر [illegible] — اس کی مدرس ہی فلک پر یہ مریخ [illegible]

ہر وقت کی طلب سے مرا وا اسے ہر دور
دل مانگتا ہے مجھ سے وہ عیار گاہ گاہ

گرتے ہیں پر خیال وطن جوں کرے ہے یاد
جو کر وہ رقص گل و گلزار گاہ گاہ

طاقت کہاں کہ حال کہے اب طبیب سے
ٹھنڈی بھرے ہے سانس یہ بیمار گاہ گاہ

رسوا تو یہ ہوا ہوں کہ ناصح کی بات کا
کر بیٹھتا ہوں دل میں میں اقرار گاہ گاہ

آوے بھی مسیحا مری بالیں پہ تو کیا ہو
بیمار ایسا اچھا نہیں جس کو شفا ہو

مجذوب ترے ہجر و فکر سے ہوں بے حال
بندہ کبھی ہو بیٹھے ہے رنگ حنا ہو

جور و جفا یہ یار کی دل مت نگاہ کر
اپنی طرف سے ہو وے جہاں تک نباہ کر

مجذوب گر ہے خواہش عشق بتاں تجھے
ایمان و دین نہ دل کو تو پہلے تباہ کر

ہم سے جو جفا غیر سے بر راہ کرے ہے
یوسف تو مرا اور کی اس جا نگہ کرے ہے

زلفوں کی گرہ دے ہے کچھ فائدہ لے یار
ناحق تو مری عمر کو کوتاہ کرے ہے

انتظار ہو تجھ لب کے کرے گردش فلک پر
جیسے کہ ہیں بیٹھے یہ پھر ہوس فلک پر

پھر یا تجھے جو دیکھے سر بام
گردش کو کرے اپنی فراموش فلک پر

تیری ہی ہوس کر رہا ہوں میں سحر ایک دو
ہیں عمر بھر سے ساتھ گیا رحمت ایک دو

چل آئے یہ بیکس ترے مشتاق پھر کہاں
مجذوب سے رہے کوئی صحبت ایک دو

دکھے کو کسی کے عیوب جانتے ہیں
اپنے تئیں کو یارو ہم خوب جانتے ہیں

خاطر میں کیوں لاوے مبر اسحن کہ مجھکو
سودا کا اس کو بتا مجذوب جانتے ہیں

مخصوص علی اصل ایتا ہے ان آباد ست فرخ[1] آش ولتاش کساد میاں جوش معاش
متواضع و با ریاست شاعر بیطرہ یستی جوس تحریر بحر ل اشعار عر اسعد لسا والمتخلص

---

[1] اصل نسخہ میں یہ لفظ ح سے لکھا ہے لیکن صحیح ہاے ہوز سے ہے

دلبر تو مرا کل سے نہیں ناصح مشتاق — آج اور تماشا ہے کہ دلبر میں نہیں ہے
نہیں ملتا ہے تو مجھ سے بت خود کام کس کا — نہ ملتا تھا تو پھر مجھ کو کیا بدنام کس بابت
یوں دیکھتا ہوں زلف سیہ فام کی طرف — گھبرا کے صید دیکھے ہے جوں دام کی طرف
جی چاہے بوسے کو مجھے جی چاہے اور کچھ — دیکھو ہے ایسے سے جھکے تو نام کی طرف
ہوا سرداریٔ منصور کے بولنے سے ظاہر — کہ بعد مرگ بھی عاشق کی سرداری نہیں جاتی
جو چاہے ہوش تو بیہوش ہو جام محبت سے — یہ بیہوشی ہے ایسی جس سے ہشیاری نہیں جاتی

صاحب ہوش و گوش میرزا جان المتخلص بہ ہوش میرزا حضرت والد محمد باسط قدس سرہ خواہر زادہ است جو شعر و دیگر ارشد گروان حضرت رسالۃ بود ابتدای مشق است اگر زمانہ فرصت میدہد کار و کلام چپے در سخن میگوید با فقیر بسیار آشنا است سلامت باش ارو سبت

لیا جس یار سے ہوئے مرا دل — جا لہا ہے اس کو یار اول

مرد بیست متخلص بہ مشتاق از سلک متوسطین مولد وے شاہجہان آباد است اکثر شعرا و دار اطراف شہر مشہور اند با فقیر در بعض آباد ملاقات شدہ است در احاطۂ این بحار مسکن دارد گاہ گاہے در بازار برخورد میشود ظاہرا پیشۂ معلّمی جائے قرار دارد و مشق قرب سعب رسیدہ باشد لیکن با این بزرگی سحر انکار نیست می آید باشد امیاد رفتہ است عوض مصعف مزاج است چند اشعار او بدست آمدہ بود بطور متوسطین میگوید

نہ لباس نہ کچھ جوہر نہ کچھ بسیار ہی دیکھا — ظالم سے جو دیکھا سو ہیں آزار ہی دیکھا
مشتاق کو کیا غم ہے جدا جانے یار د — جب دیکھا اسے ہم نے تو بیمار ہی دیکھا
تو بار رسا تھا آگے بارک مراجیاں بھی — اتو و دو رستہ رفتہ بیداد ہو چلیں ہیں
ہم غمزوں کی اگر جے نہ کی غمخوارگی — جو رضا تری پیارے سند کی بجیا لگی
نہیں اس قدر دل لگانے کی دہشت — جو کچھ ہم کو ہے اس سے ملنے کی دہشت

کیا بیاں جلدی کا اس کی ہو کہوں مرغ دعا | ہاتھ اٹھاتے ہیں گیا فرش سے لے عرش تلک
گر بہ فکر کرے تصویر کو اس کی مصور | قبضۂ وہم سے اڑ جائے ہی لے شدتک

از اہل تعریف است بوده بعد قصیدهٔ مرزا رفیع سودا درین زمین الحق که خوب گفته است نواب ولیشان محبت خان خلف حافظ الملک حافظ رحمت خان متخلص به محبت با وجود اسباب امارت طبع موزون تواضع معروف دارد بعضی اوقات که آن طبع و وسحاق رداں شعر المضمون تازه مائل میشود با صلاح خواجه حسن میاں حسرت مرزا ... اشعار ... ادا ... اکثر با صاحب سخناں ، مال ارزشه خوش حالی صحبت میدارد ارمغان وقت است سلمه الله

آہ اک عمر دل کو جھوٹی تسلی اتم کرتے ہیں | سچ ہو جھوٹ تو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں
مدت اور جو ملے مر بہا ہوا دوس کسی کا | سنتے ہی جھٹکا لے مر ہا ہوش کسی کا
تھا ارادہ تو یہ آئے اٹھ کے ہم تیری طرف | پر کریں کیا جو پڑا ایسا قدم تیری طرف
عمر گو کہ تک محبت کی نگہ سے حسرتیں | مرغ میں بھی دیکھتا ہوں دم بدم تیری طرف
رقعہ سے تیری اتصال ہوا | خوش مرا آج بال بال ہوا
عاشقوں میں مجھے لکھا تو نے | آج بہرہ مرا بحال ہوا
غیر کے گھر قدم رکھا تو نے | دل محبت کا پائمال ہوا
دیکھتے تھے جو کہ ہم عشق اک تجھے دکھلائیگا | کوئی دن میں آپ تو ایسے کئے گو پائیگا
خون ہمارا دل نہیں لاتا تھا گلیوں میں تری | اس کے کوچے میں ترا دل اب تجھی لیجائیگا
کی کس نے دلا تجھ پہ یہ بیداد لعل میں | سنتا ہوں جو ہر شب تری فریاد لعل میں
اس یار سے کچھ مجھکو نہیں شکوہ جفا کا | جو ہے سو یہ ایسا ستم ایجاد لعل میں
کیا دیوے گا کوئی نہیں تعلیم محبت | رکھتے ہیں ہم اس فن کا تو استاد لعل میں
درویش کی جو نی تو تونگر میں نہیں ہے | اکسیر میں جو کام ہے سو زر میں نہیں ہے

سید شجاع الدین دیگرپوری تخلص از سادات دیگرپور است نوکری پیشه
بے لیاقت روزگار در حیدرآباد بسر برد از لشکر قابلیت داشت مردم آن دیار
درایت و قابلیت او در رتبه تعلیم پسر زیر سلطان ابوالحسن تانا شاه
مقرر گشت بعد چندے بهم رسانید امرا حاسدان آن بارا و راتهمت وزیرزاده
متهم ساختند بسیار از شجاعت گریه در بلده سرهند استقامت ورزید چندے
بسر برده برحمت ایزدی پیوست غفر الله له از وست

توڑی اسکے دل کی کسی نے نہ کہہ تھا — حاصل بھلا اس سوں دوالے جو تھا سو تھا

از شعرای قدیم میرزا علی قلی ندیم تخلص متوطن شاہجہان آباد مرد بے بود
بکمال قابلیت شعر فارسی و مرثیه و ریخته خوبی گفت
حاشیه اکثر از هوا سے او مشهور است در محرم اکثر ... از وست

جدائی میں تری ہر ایک کس طرح ملی ہیں — بجائے موج ان ہو آگ کے شعلے نکلے ہیں
سفر عشق کو سے رہ کی نقش کا ر — مرے سیاه تن گئے ہیں یہ اکسر ہے

از ابتدائے ... محمد شاه آبادی تخلص معاصر ... اوائل سلطنت
محمد شاه مرد ... طبع بود اکثر ... طرح ... آورد
و خود ... نگذشت متوطن شاہجہان آباد ... تلاش ... ایهام بسیار
داشت که رائج اوقت موسطان ... از وست

نکلی ... — ... لگا مجھے پھیکا
دیکھ ... تری کمر کی طرف — کھر گیا ... اپنے گھر کی طرف
رکھیو ... دولت اپنے ... کی — ... آپ
تری نگاہ کی گرمی سے اے کماں ابرو — ہمارے سینہ میں تو داغ ہے تیروں کا
... سے — کھولے ہے لب ... سے

ملا نہ ہوں تجھسے مری جان لیکن — ابھی دل میں ہور رکھ چلنے کی دہشت
تمام میری تیرے دل کی ایہ سرو رواں کیدھر — مکاں ہے مرا کیا ہو دہر اے مری جان کیدھر
سمت جانا ہے اشتاق یہ ریخ و تماشا سا — جہاں ہم ہیں بسایاں ہو رکھ آہ و فغاں کیدھر
پاس خاطر ہم عزیزوں کی کہاں منظور ہے — تو تو اپنے بس نہیں پر مہرباں ہو دیکھیے
جس من ہمارے ہی میں مرا کر رتا لطف یار — یہ دل جھڑتوں (ہی) یاں ملک تھوڑی
مارت کا کر اسا ئی ہو — ہم ہیں یار ی پاسا ئی ہو
ابھی ہم سرنگی یہ بھول گئے — [illegible]

ردیف النون

از احوال ملک متقدمین | ناجی از قاضی زادہائے قصبہ اعظم پور بود با ملا
تیمی کمال ربط داشت شعر فارسی میگفت گاہ گاہے ہندی ہم میگفت از تذکرہ
محمد قایم ہمیں یک شعر بدست قلمی پیدا از وست ؎

ہر کس کہ حیات کہ خدا است سر سبد — بیچارہ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے

ناجی تخلص اسمش از دیار دکن است زبان شستہ دیوان خوبے دارد چون
ساقی ریختہ اول از زبان دکن است ساکنین صاحب سخنان این فن معنی شناسان
معر سخن طرز زبان ہر دیار را محبوب میدانند و پیروی معانی میکنند حاصل کلام از
کلام ناجی بوئے مرشدی ہویدا است رحمۃ اللہ از وست ؎

مجھکو سردے بیٹھے ہیں کابل نکو کرو — یعنی آپکے کی یاد سے غافل نکو کرو
ہم دل دیا تمھیں کو لبا روگ ہیں — دل ہاتھ لو مرا مجھے بیدل نکو کرو
کا تو جلا ؤ راکھ کرو راضی ہیں ہم — سب کچھ کرو پر ایک کٹھن دل نکو کرو
اوراں تری ہیں یار ہیں ہیں ترے غلام — اوراں کے ساتھ ناجی کو شامل نکو کرو

متخلص اشعارش کم بہم میرسد مثل مشہور است که الشاذ کالمعدوم وهم فکرستن پایه و
سخن با استادان همسایه حدائق ساحر دار و است

زلف کو کہا پریشاں عقل کی دوری ہے یہ — ہر گرہ میں اس کی دل کی گانٹھ کی پوری ہے یہ
زلفیں ہیں چشم سے عاشق کی دور رہیں — دل ہل رہی ہیں جسم کا بلا [illegible] رہیں
لپٹی ہی جاتی مکھڑے سے مورت رو کے زلف — اتنی بڑی ہوئی ہے یہ درد شور ہیں

میرزا نوراللہ از مردم شاہجہان آباد بود که هر یک فن [illegible] تعلق همسایه آواره
میگشت یعنی کارش سودا کشیده بود دیگر احوالش معلوم نیست اردو است

کبھی تو آ کے مرے دل کے داغ کو دیکھو — یہ یوں جلے ہے کہ جیسے چراغ کو دیکھو

علی نواز خاں میرزا [illegible] که از عمده رفقای عمدة الملک بود [illegible] الحال زنده هیں
شعر خود [illegible] این شعر [illegible] حالش سلامت دارد

بہار آئی مستی اٹھی [illegible] — چمن میں آج ہے بلبل کی [illegible]

خواجه محمد اکرم المتخلص به [illegible] از شاگردان میر تقی است [illegible]
[illegible] آورده [illegible] است

کیا کہیے عرض [illegible] — [illegible] ہے
ہر طرح کی باتیں ہیں [illegible] — [illegible] ہے
آ ہی تو آ [illegible] — [illegible] ہے
کیا [illegible] احوال [illegible] عشق — [illegible] ہے
[illegible] — [illegible] ہے

میر عبدالرسول [illegible] روزگار [illegible] مرد است [illegible]
[illegible] اصلش از اکبرآباد است [illegible] میر [illegible]
اورا در شاہجہان آباد دیده بود [illegible] یاران میر تقی است [illegible]

کرو کرم ای دوستاں پھر ہم کہاں اور تم کہاں
نہیں دیکھ سکتا آسماں پھر ہم کہاں اور تم کہاں

آج تو ناجی سخن سے کر لے اپنا عرض حال
جیسے مرنے کا نہ کر وسواس ہو ناہوسو

غم نہیں گر دلبری سی دل کو لیجاتا ہے وہ
پاس سر کی تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

ستم یہ رقیبوں سے ملتا ہے
تری بھاویں ہی میری اجل ہے

کیا فردا کا وعدہ مجھ سے
قیامت کا جو دن ہے تو کل ہے

ہوا جب آئینے میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منہ دیکھنا کیا ہے

نرگس کہتیں ہیں ہرگز لانا نہیں نظر میں
دیکھی ہیں میں نے پیاری آخر تمہاری انکھیں

مجھکو باتوں میں لگا کر جانے کیا کہہ گیا
لیچلا جب دل کہتیں منہ دیکھتا میں رہ گیا

ڈوب گئے کئی ملک جب کھولی لب دریا پیر
حیف ناجی کو پوچھا کر لہر میں نہ گیا

جو کوئی کچھ کہے پگھل جاوے
شمع رو ہے ہمارا موم کی ناک

نہ پیر بائع نہ ملا نہ میٹھی باتیں ہیں
نہ دل ہمارے کے ایمان مفت جاتے ہیں

ہمیں تو بوسہ نہ دیے کہا نہ کیجے دغا
تمہوں سے وعدہ کیا ہو انہیں چھپالے ہیں

اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہے

تجھکو کیوں کر جدا کروں ایجان
زندگانی بہت پیاری ہے

جان ہے چھوڑا ہے دلبر ہے
پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے

لب جان بخش آگے تیرے سخن
جو مسیحا کا نام لے خر ہے

ان بتوں کو ہم فقیروں سے کہو کیا کام ہے
یہ تو طالب زر کے ہیں اور زر ان کا نام ہے

سخن بس اس بت کا فدا اسکا
جیا ہوگا کوئی سدہ جسد اسکا

پوچھو جو دیکھو وہی عارض خورشید کی جولی
لیا ہے ذرہ ذرہ حسن مہرو ماہ سے کر پیدا

ملہ آوارہ سی گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل
گئی یہ بھی گھڑی کم عمر سے اور تو نہیں جیتا

نادر تخلص مرشد بود در عہد محمد شاہ عمر اللہ در گو شعر بیرون شاہ میانہ بدریت سخن

مگر بعضے حصہ خوب میگوید این غزلش مشہور عالم است

کیا فائدہ جو غیر سے دو دم کنار ہے — ہم سے تو اب تلک وہی دار و مدار ہے
سن دیکھو اُس کے حال میں ولگا میرا دل — مدت سے مجھ میں اور یہ اُس میں قرار ہے
یہ جور اگر اور یہی بیداد رہے گا — تو کاہکو عالم میں کوئی شاد رہے گا
یہ گالیاں دینے کی ترا آنکھیں دکھانا — مجھکو تو لب گور تلک یاد رہے گا
جان بھی اُدھر گئی جس طرف کو وہ مل گیا — میں بھی جاتا ہوں اُدھر جس سمت میرا دل گیا
گر یہیں کہے گا ہم بھی کہیں گے کچھ نہ کچھ — گالیاں دیدی کے عمروں کو بہت تو ہل گیا
آیا نہیں ہے اس کا جو پیغام اب تلک — اس واسطے نہیں مجھے آرام اب تلک
بلبل تجھے ہے صحبت گل اور سیر باغ — ہم کو وہی قفس ہے وہی دام اب تلک
ایسے ہی کچھ نصیبوں کا تا یہ قصور ہے — دربند وہی ہے صبح وہی شام اب تلک
لٹتا ہے جسے ترا یہ جمال آنکھوں میں — ترا ہی مجھکو رہے ہے خیال آنکھوں میں
جمال کر کے نہ دی مو کمر کو روتا ہوں — وہ کھونت رو دی پڑے جس کی بال آنکھوں میں
کس سے لگاویں دل کوئی شہر میں نہیں — اور سچ کہو تو کام یہ کچھ خوب ہی نہیں
کہو دل سے لیکر کوا سے — یاد کرتے ہو یار سچ کہو
گو فرض کیا ہم سے عمر بہت ہوں گے — ہم سا نہ کوئی ہوگا یوں یار بہت ہوں گے
دیکھ آئینہ جاتے ہیں گر سمجھا و بس یاد — تجھسے تو جہاں میں بھی دلدار بہت ہوں گے
تا کی ہے ابھی سے دل تو وعدہ خلافی کا — ایسے تو کبھی آگے اقرار بہت ہوں گے
ایکدن بھی نہ کیا تو نے گذر یہاں ادھر — ہم ترے واسطے یک عمر بسر راہ رہے
اتنا کرتے ہو میاں ہم سے محبت لیکن — دیکھئے دل کے لئے ہم بھی ہی چاہ رہے
حال سنتا ہی نہیں ہے کسی شیدائی کا — باوجود آپ ہی عاشق ہے وہ رسوائی کا
مجھے جو گور میں بھی یاد وہ گلا مرا آئیگا — تو حیران ہوں دل ہاں بھی کس طرح آرام آویگا

سلمہ اللہ الحال احوالش معلوم نیست کہ کجا ست ہر جا کہ ہست سلامت باشد از وست

جو ہی یعقوب یوسف دیکھا مسطور آنکھوں سے — تو اتنا چھوٹ کر مت دل کو جا بے نور آنکھوں سے
ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہی ڈھنگ مجھ بن — سب سو اڑا ہی گل کے گلشن میں رنگ مجھ بن
ہر سمت صد تمنا تڑپے ہی خاک و خوں میں — ہی صحن خانہ میرا میدان جنگ تجھ بن
یاں گل رکھے پھری ہے ساری تو ایسی — ان عاشقوں کے سر پہ پڑتے ہیں سنگ تجھ بن
جی کرتے نثار اُس پہ ڈرد ن محض ہی کہ وہ شوخ — اس کی حرکت سے کہیں بیزار نہ ہو وے
ہاتھ سے اس جامہ زیبوں کی کھلا دیں گے ہم — یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلا دیں گے ہم
کیا ہوا ہم بھی جو دنیا میں نہ با شاد رہے — تو سلامت رہے اور یہ تری بیداد رہے
ہی یہ دنیا میں ہوا جیسے یہ فانوس میں شمع — تیشہ دل میں مرے جوں دم فریاد رہے
انتہا شوق کا پاؤں تو لکھوں ای قاصد — کہیو کچھ حال زبانی جو تجھے یاد رہے
ہم کس جفا شعار کے آفت رسیدہ ہیں — پہنچے نہ آسمان کا ستم جس کی گرد کو

از سلک متاخرین | محمد یار خان نثار تخلص جوانیست مؤدب و متواضع با فقیر بسیار دوستی دارد شنیدم کہ فیض آباد میباید اکثر در فقیر خانہ برد و بمشاعرہ می آمد اگرچہ دران ایام شعر میگفت لیکن گوش دل بر سخنہائے رنگین داشت ہمراہ نواب بیرم خان الحال در شاہجہان آباد مقیم است شنیدہ ام مشق سخن از اصلاح حضرت خواجہ میر درد دارم اتصالہ نمیباید اشعارش مشہور شدہ است سوائے دو سہ بیت از و بگوش نرسیدہ بو مشق است خوب خواہد گفت

آنکھوں سے بحث دل کو آنسو نکال دے ہی — مژہ سے کو جس طرح سی پانی اچھال دے ہی

نعیم اللہ المتخلص بہ نعیم از شاگردان میاں محمد حاتم مردیست متوطن شاہجہان آباد میگویند کہ بسیار بر جوع غلط اسیر شدہ او را ندیدہ است واللہ اعلم دیوان مختصر دارد از کلام او چنین معلوم میشود کہ فکرش سرسری است بعالم اعلیٰ نرسیدہ است

نہ پوچھو عشق میں جوش و خروش دل کی ماہیت
برنگِ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا
شاید کہ اسے حال مرا یاد نہ آیا

ہمت ہے بہار سروِ آزاد
بخشے دولتِ حسن خداداد

جب آیا مست ساقی جام لے کر
گیا بیکارگی آرام لے کر

سجاوں خط ترا کس نے خطا پر
چلا ہے آج فوجِ شام لے کر

ہیں اس کو جوں نگیں کرتا ہوں سجدہ
جو کوئی آتا ہے تیرا نام لے کر

صنم کے لعل پر وقتِ تکلم
رگِ یاقوت ہے موجِ تبسم

ند وار میرے دل کو اے آرام جاں سمجھو
یہ جو کچھ نہیں رہتی سدا لے جہاں سمجھو

زندگی جام عیش ہے لیکن
فائدہ کیا اگر مدام نہیں

جوں گل شگفتہ رو ہیں سخن کے چمن میں ہم
جوں شمع سر بلند ہیں ہر انجمن میں ہم

اکتا رہیں کے بول سخن ورنہ حشر تک
جو برق بیقرار رہیں گے کفن میں ہم

سن کے احوال مرا ناصح مشفق نے ولی
ہاتھ سے ہاتھ ملا درد سے سینا کوٹا

تل میں تل کو ملائے لیتے ہیں
پھر گویا ان تلوں میں تیل نہیں

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گلرو سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

اکتا رہ مری بات اگر گوش کرے تو
ملنے کو رقیبوں کے فراموش کرے تو

ایجان ولی وعدۂ دیدار کو اپنے
ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

دیکھوں ہوں جسے وہ مبتلا ہے
جو ماں کی نگاہ میں ملا ہے

دل چھوڑ کے یار کیوں کر جاوے
زخمی ہے شکار کیوں کے جاوے

ہے حسن ترا ہمیشہ یکساں
جنت سے بہار کیوں کر جاوے

غنیمت بوجھ ملنے کو ولی کے
نگاہ پاک ان کیمیا ہے

باغِ ارم سے بہتر ہے تری گلی ہے
ساکن تری گلی کا ہر آن میں ولی ہے

جو ایسی بیقراری میں جز اُس کی بہیں لاتا　　تو پھرائے نامہ بر کن ن تو میری کام آویگا

میاں امان اللہ معمار المتخلص بہ نثار مردے از مردم شاہجہان آباد است تازہ گو است اکثر الفاظ عمارت را لعمارت کرسی نشیں میکند و کار ریختہ وغزل را جولی در ہر بیت انسر انجام میرساند تا حال در ہمان شہر است ہمیں یک شعرِ او بگوش خوردہ

غیر دروازہ پہ بیٹھا راہ ہی تکتا رہا　　شب کو وہ کوٹھوں ہی کوٹھوں گھر ہمارے آ رہا

از موزونانِ جہاں محمد عسکری متخلص نالاں متوطن شاہجہان آباد است از تازہ گویان آن دیار رہا سجا مسکن دارد، از شاگردان میاں حاتم ست

تھا منتظر کہ یار کا پیغام آ گیا　　قاصد تو آج رو رمرے کام آ گیا

از مردم شرفا و نجبا میر مرتضیٰ سلمہ اللہ المتخلص بہ ندا متوطن دہلی بسیار متواضع آسائے درست طبع موزونے دارد و اکثر بوضع خود میگوید سلامت باشد

صنم کا طاقِ ابرو دل عبادت گاہ جانے ہی　　بڑا کافر ہی تجھانے کو بیت اللہ جانے ہی

ردیف الواو

از سلک متقدمین غفر اللہ لہم درویش خفی و جلی شاہ ولی اللہ المتخلص بہ ولی مشہور و معروف مردے بود از خاکِ گجرات بریک صنمے عاشق شدہ در وقت محمد عالمگیر بہ ہندوستان جنت نشاں آمدہ در خدمتِ شاہ گلشن قدس اللہ سرہٗ استفادہ حاصل نمودہ از توجہ آن بزرگوار مقبول اعلیٰ وادنیٰ گردید تعریفش از احاطۂ تحریر و تقریر بیرون است بنائے ریختہ را چنیں مستحکم نمود کہ الحال از بلندی طاق بہر اقسر ردد چوں دیکھی است اکثر بر ان خود حرف زدہ است ابتدائے ریختہ از وست اوّل اُستادی ایں فن سام اوست تیمناً و تبرکاً نقلم می آرد رحمہ اللہ ست

دل کو گر مرتبہ ہو دریں کا　　دیکھا مفت ہے مہ ریحں کا

بزرگ را به مجالسِ فقرا دیده در عالمِ پیری رحلتش مثلِ ماهی درخشید در لباسِ فقیری شاهانه معاش می‌نمود۔ عالم عالم اکرام و احترامش می‌کردند۔ طبعِ شریفش مائلِ تصوّف بسیار بود چه از فارسی و چه از ریخته همه به تصوف و توحید سطر سطر خود فرموده است عارفی می‌باید که مغزِ کلامش را دریافت نماید قریب دوازده سال شده باشد که به رحمتِ الٰهی پیوست یک رباعی ازو قلمی می‌نماید مشتے نمونه از خروارے غفر الله له اردو ست

در بحرِ محیط غیر مالی کیا ہے — ظاہر ہے جو کچھ ہے یاں نہاں کیا ہے
کر پیاسا ہی تو پی نہ بہا واسطے یار — ماہر تو بحر خاک قتالی کیا ہے

ازسلکِ متاخرین لالہ نول رائے مقبول خاطر ارباب صفا لالہ نول رائے المتخلص به وفا از تذکرهٔ محمد قائم چنان ظاهر گشت که جوانے است خوش خاصه بزیور علم و عمل آراسته هوش و گوش و فهم و ذکا صاحبِ حلم و حیا لطافتِ مزاج از گل زیاده نامِ بلبل دل از دست داده برادرِ خردِ راجه گلاب لعل دیوان مدارالمهام امیرالدوله نواب نجیب خان مرحوم بود لیکن این حزین مصنف الکتاب و عرق مطالعهٔ کتاب طلب هر کمال و دامنگیر حال طبع درد مند داشت عاشق مزاج بود اکثر فارسی و ریخته میفرماید خدا بر عمرش بیفزاید اردوست ؎

کہے ہی کس سے دل احوال اپنا — پڑا ہی یاں ہمیں سنبھال اپنا
ہووے گا دل سے محو ستم یار کب تلک — کیوں ہم سیں یہ جائیگا آزار کب تلک
کہنے لگا وہ سن کے مرا نالہ و فغاں — یا رب جیا کرے گا یہ بیمار کب تلک
کس گل تازہ نے اس باغ میں کی جلوہ گری — ہم درا داغ سے جس کے نہ خبردار ہوئے
پوچھو ہو کیا کہ حال ترا کس طرح سے ہے — کیا جانے ہیں ہو میاں جس طرح سے ہے
ہوتے تو دل سمجھ میں گرفتار ہو گیا — اب چھوٹنا یہ زلف سے دشوار ہو گیا
دیکھا تو دل نے آپ کو مجبور تھا وفا — حاصل کچھ یہ آنکھ میں ناچار ہو گیا

غرور حسن نے تجکو کیا ہی اس قدر سرکش — کہ خاطر میں نہ لاوے تو ترے ہاں گر ولی آوے
آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہی اُس کو — کرتی ہی نگہ حسن تو نازک یہ گرانی
عالم میں تری ہوش کی تعریف میں کی ہی — اب تو نہ کر کلام کہ مجھ پر سخن آوے
ولی اس گوہر کان حیا کی کیا کہوں خوبی — مری گھر اس طرح آتا ہی جوں سینے میں راز آوے
سُن ولی رہنے کو دنیا میں مکان عاشق — کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

ازسلک متوسطین | محمد واحد متخلص بہ واحد اوائل سلطنت محمد شاہ طفلے بود شیرین میگفت در عرس درگزشت متوطن شاہجہان آباد در محلۂ بیجل مسجد سکونت داشت از متوسطان بود از وست ؎

سورج کی بہانت آئینۂ دل صفا کیے — اک قُرص نان پر جو کوئی اکتفا کرے

غنچۂ گلستان سخن میر ابوالحسن صاحب ہمت المتخلص بہ وحشت مردے بود از سلک متوسطین سیرۂ [illegible] از حال مرحوم سپاہی پیشہ بعلاقہ نوکری سرمی برد مشق شعر بمشورۂ مرزا رفیع سودا اسلم اللہ میکرد درایامے کہ مشاعرہ در شاہجہان آباد بخانہ خان آرزو مقرر بود مدتے شد کہ بقضائے الٰہی فوت شد از اہل بود رحمۃ اللہ ؎

قاتل اگر کہے کہ سکتا ہے چھوڑیو — حسرت تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑیو
لگتا ہی مجھکوں آج بیمار اجہاں خراب — سا یاد کہ مرگیا ہے کوئی خانماں خراب
کہیں یہ جھوٹ دیکھا ہی تجھے جس میں ملاتا ہوں — صبا کا تو چلا جاتا ہی اور کہتا ہے آتا ہوں
ایک جاگہ یہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں — ہی صبح حال مرا صبح کہیں شام کہیں

میر ولایت اللہ خان حقایق و معارف آگاہ مقبول درگاہ الٰہ صاحب کمالات واقعیہ و حالات شافیہ مفتخر الاعیان میر ولایت اللہ خان گوہر دریائے سیادت و جوہر تیغ شرافت چراغ بزم ہدایت المتخلص بہ ولایت ابن میر باقی اصلش از خوست است از مریدان حضرت خواجہ جعفر قدس سرہ سدہ در شاہجہان آباد التزام

ہوئی ہے مشتعل میری دلِ بیتاب میں آتش — نہ دیکھی تھی کسی نے اس ملک سیماب میں آتش

میر بہادر علی از یاران میاں حسرت المتخلص بہ وحشت سید زادہ خوش اوقات نیک صفات جوان وضعدار در ریختہ سپہگری استوار اکثر در عنفوانی بطرف گورکھپور بخدمت روزگار بسر میبرد طبع موزونے دارد با فقیر بسیار آشناست بفرمایش یارانِ آن دیار بارہا آمد دیگر باشد مکث کمائی گمہ است حقتعالے سلامت دارد از وست ؎

شبِ وصل کو رو دیئے کہ عجب وہ لیل و نہار تھا — کبھی ہم سے یار کو لطف تھا کبھی مار تھا کبھی پیار تھا

مرا دل ہوا سک ٹیک گیا جگر آہ و نالہ سے پک گیا — تو نظر سے جوں ہیں سرک گیا ہیں اجل سے دوں ہی چار تھا

(ہی) (ہی)

رباعی

جب تک کہ کہیں نہ تھا ٹھکانا دل کا — دشوار تھا اک قدم بھی جانا دل کا

کوچا (کوچہ) ترا دیکھا ہے سو جانے کے لئے — اب لحظہ بہ لحظہ ہے بہانا دل کا

شاہ واقف المتخلص بہ واقف عارف اسرار طریقت و واقفِ رموزِ حقیقت کاشفِ مکاشفات وحدانی سالک مراتبِ وجدانی، اصل شے از شاہجہان آباد داشت در اوائل کہ مشق سخن در عالم مستی و مینا کی داشت بسیار بصفا حرف میزد الحال بسبب فضیلتِ عقاب فکرش بر سپہرِ معانی بلند پرواز شدہ کہ سطرش ہمچو ما پست نظراں می آید از انجملہ ایجہ بفہم میرسید قلمی نماید حقتعالے طائرِ ستایش را چون ہلال از شربالی رو بمد بلند تر گرداند در وقتیکہ بسرکار نواب شجاع الدولہ بہ تہمت نقش نویسی ماخوذ گرفتار شدہ بود دران مقدمہ حسب حال خود این غزل گفتہ ؎

دور آیا ہے کہ ہوں شاہ و گدا پھیرے ہیں — سیکھا پھرے ہیں اور اہل خطا پھرے ہیں

تمام غزل ہمیں طور ادا کردہ است طرز کلامش با نظرِ ناصر علی و جلال اسیر است الحال از فنِ شعر گذشتہ مصروف نحو اند منطق و معانی و رمل و نجوم است خدا بالنصرام رساند با فقیر بسیار دوستی دارد سلمہ اللہ ؎

کچھ غیریت نظر نہیں آتی ہے مجھے کہ آج — لگتے ہیں اس کے کان سے اخبار دمبدم
اپنی ہی چشم کے تئیں تاب نظر نہیں — ورنہ وہ آفتاب کہاں جلوہ گر نہیں
حسن عمل یہ اپنے نہ بھول اس قدر کہ شیخ — واں کے معاملے کی کسی کو خبر نہیں
کس بیچ برق جلوہ کو دیکھا کہ اب ملک — اُن بن ہوا لئیام سے رحم کہں کنش
الفت دل کیا زیادہ ہم سے ہی اغیار کی — ریجھ ہے لیکن نرالی ہی کچھ اپنے یار کی
آنے کا مرے وہ شب کے چرچا — نکلا نہ تمام زور گھر سے
دل کو کہیں ہی جی میں گرفتار سمجھئے — یعنی کسی صنم کے تئیں یار کیجئے
گر مانگتا ہے جی کے تئیں دیجئے وفا — کیا خیر ہے کہ دوست سے انکار کیجئے
رفیق ہر رہ گو ہے دشمن جاں — ملد رہزن کو ہے مالا حرس کا
دکھ نہ دے اس قدر وفا کے تئیں — آخرش تو وہ بھی جاں رکھتا ہے
اپنی غرض کو ہم تو سبھی دکھ سہیں گے لیک — ہوتی ہی گالیوں سے تمہاری زباں خرا
سکہ اپنی انقلاب بخت سے ڈرتے ہیں ہم — بسر گل پر بھی لرزاں ہیں قدم دھرتے ہیں ہم
کل کا وعدہ کر لیا ہے اس نے لے محرم تو کیا — یاں تو جیتا ہی نہیں دل کی (اہی) آج ہی مرتے ہیں ہم
حال دل کو بکے کہوں اس سے وفا عہدوں میں — جی دھڑکتا ہے کہ کوئی نہیں دیوار ہو
راضی وہ ہو کے رات صبح میں محل گیا — عنقا پھنسا تھا دام میں لیکن نکل گیا
میکشوں کے جے میں پاپا بھنگیوں کی بھنگ میں — مل رہا ہے وہ طرح پانی کی ہر اک رنگ میں
شعلہ زن ہے ہمیشہ داغ اپنا — سجھ نہیں جاتا چراغ اپنا
یاں تک از خود رفتہ ہوں کہ مدام — آپ کرتا ہوں میں سراغ اپنا
نہ کشتی پار ہی نہ کر گئی ابھی نہ وار آئی — ہوئے ہیں غرق دریا اس گھڑی جب عشق (وہاں) آئی
ساتھ تجھ سے کی اگر مہر و وفا کی ہم نے — عفو کر عفو کہ اے شوخ خطا کی ہم نے

میر مبارک علی ولد شاہ قدرت اللہ قدرت ہیں پدر خود در مرشد آباد سکونت دارد

سو جھ جس سلوک آہ مجھ سے اس بت کا
یہی ستم ہی ادا کی چال ہے سو اک

ہم تو شب عادہ یر اپنے گھر سے چل کر رہ گئے
صبح ہوتے ہوتے ہم جوں شمع جل کر رہ گئے

اں سے ملنے کا اس کے یاد آتا ہے سماں
اک قدم رکھا تو دس جا گہہ مچل کر رہ گئے

جب تک وہ مقابل بت مغرور رہووے
بیتابی دل کولی طرح دور رہووے

سرگوشی سے جو ساتھے کرتا ہی میری بات
ڈرتا ہوں اسی کا کہیں مذکور رہووے

ر جو لے اختیار ہم سے ہم آغوش ہے
یاد سے واقف تو آج کس کی دامن ہی

مرکے جا تو اگر ہم سے بھی لے یار ملے
عکس سے اپنے بھی پھر آنکھ نہ دوچار رہے

(کی)
سے ملے تو ہوتا ہر یہ دھڑکا ہی مجھے
کہیں مجھ سا نہ کوئی اور گرفتار ملے

واقف سی ملے جو کوئی ٹوکے سے بچے آنکھ
بھولا ہوں راہ پوچھوں ہوں آیا تھا کام کو

لوہں میں بت کو دیری تہ سائی کا
جہاں میں نام نہ لے کوئی آشنائی کا

شی جو اس بھی تابت سمجھے میں آئے
خدا کے واسطے مت نام لے جدائی کا

صد نالہ سا نکا دکرہ درتہ لب ہو
کیا ماجرے کیا آج مرے دل یہ تعب ہی

ر ہو ہر ب کرم ار یہ واقف
اس ابر کے دامن میں نہاں برق غضب ہی

قاصد ہی بھیج سکتا ہی اب ان تک نہ گام اپنا
الٰہی مضطرب ہوں کس طرح بھیجوں پیام اپنا

ب موقوف لکھوی وصل پر تھی اس خط جو کے
کیا سو نکتہ گہہ لے اس کی قصہ ہی تمام اپنا

ام ابھی بھر دل کو چھیڑا جانا نہ گیا
مرے اس تخت سینہ کا مرے سایا نہ گیا

سلا ہٹ کہتے ہیں کہ شوخی ست دو شوخ
مری آنکھوں کے تصور میں سمایا نہ گیا

ہتر جانکاہ کس طرح گذرے
یار بن آہ کس طرح گذرے

تو کہیں مر کہیں بھلا اوقات
ای دلخواہ کس طرح گذرے

صبح پر وصل یار کی ٹھہری
آدھیسر انتظار کی ٹھہری

کیا طرح اس گلی میں کہہ تو صبا
میرے مشت غبار کی ٹھہری

خیال وعدہ ترا لکہ شب سحر میں رہا
تمام رات مری صدائے در میں رہا

جلا نا مجھکو مرے ضبط آہ نے جوں شمع
اٹھا جو شعلہ جگر سے تو پھر جگر میں رہا

چمن سے کون نہیں اپنے جانے کی سنتا ہی
کہ گل کا ایک رنگ آتا ہی اور اک رنگ جاتا ہی

اشک سے آتش دل ہم تو بجھاتے ہی رہے
آہ پر نالے تو اور آگ لگاتے ہی رہے

نقش قالی کی طرح سو کے نہ جو سکے ہم اہ
ٹھوکریں کروں سی تو بہت یار جگاتے ہی رہے
(کر)

کہیو اسے باد صبا واہ میاں واہ میاں
جی سے جاتے رہے ہم اور تم آتے ہی رہے

مانع ہوئے آنے سے جو مجھکو ترے در کے
رویا سر بازار میں سر راہوں پہ دھر کے

جب دیکھئے اس کو ہی حسرت رہی دل میں
جوں نور نظر تک مری آنکھوں سے نہ سرکے

کوئی علم یہ باراں ہی کرامات یہ کوئی
اک رو سیہ ہم میں کہ ادھر کے نہ ادھر کے

دیتے ہی نہیں جان مجھے چشم و دل اس بن
بیگانے کا کیا دوش[لہ] جو دشمن ہوئے گھر کے

صبا کہیو چمن کے عندلیبان غزلخواں کو
کرو تم پیچھے ہم دام میں ہو جائیں بدزباں کو

ڈھلادن آج کا بھی اور نہ آیا تو تو پھر ہم نے
چراغ آہ سے روشن کیا شام غریباں کو

جنت و سایۂ طوبیٰ نہیں درکار ہے مجھے
بس ہے سایۂ یار برا بنا نہ دیوار سے مجھے

ہوس سیر چمن لے تو چلی ہے یاں سے
پر کسی دام میں مت کیجو گرفتار سے مجھے

کبھی ایسا بھی اسے جدا ہو گا
وہ صنم ہم سے آشنا ہو گا

دو روش مجھکو ہی یہی دھڑکا
نہ ملوگے ملو گے کیسا ہوگا

تو بردہ ہوکے نا وفا ہو وے
میں نہ مانوں اگر جدا ہو وے

جب کہ یاد آتا ہی گلشن میں مرا گلرو مجھے
حسرت راہ بیخودی ہوتی ہی گل کی بو مجھے

یہ دل پھر آہ مژگان یار تاں سی لے طرح اٹکا
مجھے جس جا پہ تھا ڈر تھا سو پہلو میں مری کھٹکا

وداع یار سے دل پر ملال ہی سو ہی
زماں سے کہہ کہتا ہی کا جی کا حال جو سو ہی

لہ اصل نسخہ میں "دوست" لکھا ہی "دوش" ہونا چاہیئے

کیا کیا کہا تھا کیوں کے لیا تھا ہمارا نام
قاصد خدا کے واسطے پھر کر بیاں تو

پوچھو وصف سراپا کی کو میری سرو قامت کی
اُٹھا محفل سے وہ اور اہلِ محفل پر قیامت کی

یہ دل پھر آہ مژگاں سناں سے کی طرح اٹکا
مجھے جس خار کا ڈر تھا سو پہلو میں مرے کھٹکا

نہ آیا پھر نظر جیسے گیا جوں عمرِ رفتہ تو
ساجن کی میں گلیوں میں بہت ٹھولا بہت بھٹکا

جگر میں آہ ہے آنکھوں میں نم ہے
خدا جانے یہ کس کا تازہ غم ہے

ان رقیبوں سے گئے گزرے ہیں کیا اے یار ہم
وہ سزاوار کرم ہوویں اور نہ پاویں بار ہم

جو صنم خاطر نہ رکھے عاشقِ رنجور کی
ایسے ملنے سے بھلی صاحب سلامت دور کی

مژگاں تری ادھر کی ادھر پھر کے رد کریں
اس کس کے دل میں دیکھئے ناحق ورود کریں

ہر چند وہ جمال ہے آنکھوں کے سامنے
لیکن کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

تیری نگہ لطف سے وابستہ ہیں یاں ہم
جوں عکس در آئینے میں رہتے کہاں ہم

گہ اٹھتے گہے بیٹھے با ملاقاتوں سے
جوں سایہ جہاں تو گیا ہمدست ہیں ہم

دیارِ عشق میں ٹک دیکھ تو کیا ہے سمجھ واقف
کریں ہیں سہم اس سے ہیں ہیں جس سے ہم واقف

محمد وارث الہ آبادی المتخلص بہ وارث، فقیر او را ندیدہ لیکن از یاران آں دیار شنیدہ کہ مرد لیست طالب علم ریختہ و فارسی میگوید طبع موزونے دارد بجائے تخلص کہ وارث است اکثر بالف ندا خود را یاد میکند یعنی وارثا در ہر مقطع می آرد، از سبب بعد و کم شہرتی اشعارش بگوشم نخوردہ آنچہ میسر آمد نوشتہ شد حالا در شہر خود یعنی بہ الہ آباد مقیم است سلامت باشد از وست ؎

نہ تو ہاں مرے طالع مثال نقشِ قدم
تری گلی میں کوئی گر کے پھر اٹھا بھی ہے

الٰہی خیر ہو قاصد تو جلد آتا ہے
ہمارے خط کا جواب اس نے کچھ لکھا بھی ہے

ہم کو تو زہد کہتے ہو پر آپ شیخ جی
کیا کچھ شکار کرتے ہو ڈاڑھی کی آڑ میں

وارث مٹی ہے کب طلبِ عشق مجھ سی
پیوست ہو گئی ہے مری ہاڑ ہاڑ میں

مت نگڑ اُس سے بس کرای وقت
اتو دار و مدار کی ٹھہری

رو رحراں چمن میں جو دیکھا ہزار کے
اک مت پر پڑے بچھے تلے تنا حسار کے

آوارہ ہو کے دل سے سکیت قرار و صبر
یارب کہاں بسیں گے یہ اُجڑے دیار کے

یاراں ہمتیں و رفیقاں دوستدار
سب آشنا ہیں زندگی مستعار کے

حسب مُند گئی یہ آنکھ تو ایدوست بعد مرگ
بیٹھے ہے پاس کون کسی کے مزار کے

صبا گلشن میں جاویگی تو یہ کہیو بچھو گل سے
تجھے اے بیوفا کیا فائدہ ہے توں بلبل سے

شکیب طاقت و صبر و تواں دیں و دل اپنے
سبھی آوارہ ہو کر اُٹھ گئے تیری تغافل سے

جوں آنکھوں سے ہم جو روئے ہیں
تیری مژگاں کے کانٹے بوئے ہیں

جو صنم تجھ سے دل لگاتے ہیں
سو وہ ہم سے جدا کے کھوئے ہیں

کبھی کبھی جو کرم کی نگاہ کرتے ہو
عرض کہ حال مری دل میں راہ کرتے ہو

ہمارا تھوڑے دنوں میں یہ حال بیجا یا
بھلا رقیب سے کیوں کر نباہ کرتے ہو

کون ڈھب ہے کہ واقف سی ہیں ہیں واقف
وہی نہ جس پہ کرم کی نگاہ کرتے ہو

میں تو لگا تھا سو نیکے دل کو دعا کے ہاتھ
اے آہ چھوٹ گیا یہ کہاں سے جفا کے ہاتھ

سب ہم سے قول وعدۂ دیدار کا ہو کر
مارے ہی میری ہاتھ یہ تب منہ چھپا کے ہاتھ

ہوں کیا اُس کو وعدے کی حقیقت پوچھئے کیا ہو
وہی شام و سحر ہی اور وہی امروز فردا ہی

دقع زندگی کی دوستاں رکھیئے گا کم ہم سے
کہ جوں نقش قدم ٹھٹا نہیں کوئی ستم ہم سے

دحس کی جرمی سے زندگانی اپنی وابستہ
جدا رہتا ہی سو ساعت بساعت دمبدم ہم سے

یار کی باتوں سوا ہم بھی تو رہ سکتے نہیں
دل میں آتا ہی کہ کچھ کہیئے یہ کہہ سکتے نہیں

مرآں ہم سی کیوں ہے تہمت بدگماں تو
ایسا سا اور کو نہ سمجھ میری جاں تو

ل دور کی جُدائی میں مرتے ہیں یا نہیں
دیکھا نہ یہ بھی کر لے مرا امتحاں تو

لے چھڑ گیا ہونا چاہیئے

عمر اللہ ہدایت مخلص می بود یک شعر اردو نگوش خوردہ رحمہ اللہ ؎

ہرگز نہ میری عشق کا سرفاش ہوتا
کرتا نہ اگر آکے میرا پردہ دری رنگ

میر ہینگا شخصے از رسائے دہلی بود مر شخصے تعشق داشت مابین ما در راہ لنگ میکرد طمع موردے داشت گاہ گاہے دو سہ بیت میگفت ازمتا ہیر بود حاسدان و رقیبان محرم عشق ویرا کشتند یک رباعی اردو نگوش خوردہ ہدایت معصرت کما داروست ؎

مری اداسے منہ نہ موڑا دل نے
نیتہ مری زندگی کا توڑا دل نے

کام اُس بت سنگدل سے ڈالا مجھکو
مارا آخر مجھے نہ چھوڑا دل نے

ازمتاخرین میاں ہدایت اللہ شمع انجمن فصاحت و بلاغت المتخلص بہ ہدایت مرد لیست متواضع مؤدب، مسل و محاورہ سد عالی طبع و دردمند، شاعر دلپذیر سخن سنج بے نظیر اصل شے از شاہجہان آباد است در طائفۂ حضرت خواجہ میر درد حسد سے ہمراہ شدلستہ برائے یکدل تخلص کہ شاعر فارسی گو بود در سارس واد دہ بسر بردہ در تعریف سارس مثنوی خوبی گفتہ حالا در خدمت خواجہ میر درد گوشہ نشینی آختیار کردہ بسر میبرد ہدایش سلامت دارد اروست ؎

شہید تیغ ابرو ہے اسیر دام گیسو ہے
ہدایت بھی تو کوئی رورہی تہہ اشکستہ ہے

یاد کرتی ہے زلف کی ہے تہر
پھر گئی دل پہ سانپ کی سی لہر

تری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات
روتے ہی روتے گذری ساری رات

حیرت میں ہوں کہ تری تئیں اے سبزہ صال
ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

کھلا ست تو مری حال کچھ ہدایت سے
تمہاری خو سے شکوہ کبھی کیا ہوگا

مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھی
کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

تم تو فریاد کسی کی نہ وعاں سنتے ہو
اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں تئیں ہو

آئینہ سا ہی لکھ تو داروست
چشم بد دور چشم ماروست

خوبی کلام از کلام ظاہر است اصلاح سخن و بیان بیت ؎

اک نہ سمجھے چاہیے اس سیر کو وارث | عالم کا تماشا جو ہیں اک آن میں دیکھا

غنچۂ گلشن کمالات وفہم میر محمد علی المخلص بہ وہم جوانے است بسیار اہل • اہل دل خوش وضع، نیک خصال، فرزند ارجمند میر تقی المتخلص بہ خیال کہ نثر رایش فردوس آرامگاہ قصۂ بوستان خیال گفتہ است بست و سہ جلد دارد الفصہ تمام عمر دران قصۂ صرف نمود کارے کردہ است کہ بقدر رتبہ سست چون تخلص پدرش خیال بود سا برین تخلص خود وہم کردہ است از سبب فکر روزگار کم باین طرف راغب میشود در استحکام موزون اشعار دہے وشعورے خوب دارد - چون از یاران سدہ است تعریف او بر زبان خود گفتن خوشما ہست بر ہمہ ظاہر است خدا سلامت دارد بیت ؎

جدائی دوستو خاطر ہے اس میرے دل کا | ہوا ہی دشمن جان یار سے سبب دل کا
کچھ اس سے تو متعرض ہو کہ آسکے کا | تری گلی میں تو ہیں پڑ گیا ہی ڈھب دل کا
جا کہے اس سے اتنا اب کوئی | ہے ترے غم سے جان بلب کوئی
صبر و ہوش و قرار و تاب و توان | چل بسے رفتہ رفتہ سب کوئی
مرتے ہیں تب جو پاتے ہیں آرام | ہیں مرتا ہے بے سبب کوئی

حرف الہا

از سلک متقدمین غفر اللہ لہم ہاتم تخلص در دکہن شاعری گزشتہ او ہست دکہن او ہند ولیکن سوں سچا اچھے | اک گھڑی جدا سی برہن کی حظ کی سیج و تاب آچھے

ہاتف تخلص سرار دکہن است او راست ؎

مری انکھاں اور زلف سی کا فر ہوا سارا جہاں | اسلام اور تقوی کہاں رہدا اور مسلمانی کہاں

از احوال متوسطین سید ہدایت علی خان صوبہ عظیم آباد از ابتدای سلطنت محمد شاہ

توحید عشق کی ہوں اثبات کو نہ پوچھو   نافی رہا فنا سے جس نے جپی ہے مالا
یعنی لفظ ما و لا ہر دو نفی است و نفی نفی اثبات می شود۔

احوال **متوسطین** مصطفےٰ قلی خاں یکرنگ در گلشن بہار سخن آب و رنگ دو در چمن گلزار معانی بلبل خوش آہنگ مصطفیٰ قلی خاں المتخلص بہ یکرنگ مرد عمدہ بود در عہد فردوس آرامگاہ سرہ خاں جہاں لودھی در سلک ملازماں بادشاہی منسلک بود معاصر میاں آبرو حدایش بیا مردار وست ـ

ہاتھ اُٹھا جور اور جفا سے تو   یہی گویا سلام ہے تیرا
اس قدر کیا ہی حمایت غیر کی   ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا
خلق یکرنگ کی ہوئی دشمن   جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا
مجھے مت پوچھ یاری اپنا دشمن   کوئی دشمن بھی ہوا ہے اپنی جان کا
اگر آوے میرے گھر وہ پیارا   کروں اُس ماہ کو پتلی کا تارا
بڑا ستم ہوا وہ شوخ یکرنگ   کیا کیوں عشق میں نے آشکارا
حق کہے جو کوئی سو مارا جائے   راستی ہینگی دار کی صورت
وصل اور ہجر اُس صنم کا مجھ پہ یکساں ہو گیا   درد میرا ہی مجھے آخر کو درماں ہو گیا
مجھکو ان لبوں سے توقع تھی مدد کی وقت پر   سر جواں کا تو وہ یکرنگ پیکاں ہو گیا
سار مصلحت ہے یہ جو تم سے   رہا ہوں روٹھ ان دو چار یکرنگ
کیوں تیغ کھینچتے ہو میاں ہم ہیں دم نہیں   یہاں نگہ تمہاری یہ گپتی سے کم نہیں
نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے   میرا صبر و قرار جاتا ہے
گر جبیں سے تو لے صیاد   ہاتھ سے یہ شکار جاتا ہے
چاہتا تھا کہ کہے عشق کی باتیں یکرنگ   کیا کرے ہائے اُسے طاقت گفتار نہیں
برگ حنا اوپر لکھو احوال دل مرا   شاید کبھو تو جا لگی اُس دلربا کے ہاتھ

اے ہدایت ست حوالی کا — کچھ ہوا سمجھ یہ ماجرا روش
صبح تیری نمود ہوئی تیری — حل مسافر کہ دن ہوا روش
موجب صد عیش و عشرت ہم کو تیری دید ہے — مل گئی جس دن گلی تیری اسی دن عید ہے
صدا جاسے صنم آوے نہ آوے — پھر وسا کیا ہے دم آوے نہ آوے
غنیمت ہے کوئی دم سیر گلشن — پھر اپنا یہاں قدم آوے نہ آوے
باتیں اشاروں ہی سے کرتی ہیں انکھڑیاں — بیمار ہیں ہمیں انھیں طاقت جواب کی
گویا کہ تیری ہجر میں میں مر گیا ہوں رات — نعمت وصال ہمیں میرے جواب کی

رباعی

کوچے میں تیرے جو آن کر بیٹھ گئے — یہاں تک روئے کہ جسم تر بیٹھ گئے
جس طرف کو تو نے آنکھ اٹھا کر دیکھا — ماہد جات گھر کے گھر بیٹھ گئے
میں تو کرتا نہیں کوچے سے ترے جانے کو — گر تری اس میں خوشی ہے تو چلا جاتا ہوں

مرزا محمد المتخلص بہ ہاتف شخصے است در تنہا جہاں آباد در عالم درویشی لتعل شعر در رباعی بسر می شد۔ اکثر مخمس تضمین میکند ہمیں یک شعر از و گوشش خوردہ ؎

مت پوچھ ہمنشیں کہ جہاں میں کہاں رہے — دل جس جگہ کہ لگ گیا اپنا وہاں رہے

حرف الیاء

ازسلک متقدمین الحکیم یوس از قدیم ست احوالش معلوم نیست ؎

ہی معطرات ملک صحرا التمام — اس میں اوبہ کوئی گل لو گیا
سو گیا جب سے جگا یا تھا مجھے — بخت میرا جاگ اٹھا تھا سو گیا

اس شعر ہم از قدم است معلوم نیست کہ ازکیست معانی بہ تیغ وارد ؎

میر احمد محبوب روزگار و یار طرحدار میر احمد المتخلص به یار ولد شاه الله یار
متوطن شاهجهان آباد جوانے بود بکمال وجاهت و ملاحت که یوسف ثانی توان گفت
در آن زمان عالمی فریفتهٔ رخ نیکو و آشفتهٔ زلف او بود۔ در وقت احمد شاه
هنگامهٔ حسن او گرم بود و این همه شعرائے متوسطین مانند پروانه دل خود را بر شعلهٔ حسنش
می سوختند و او بر ما بیشتر صحبت میداشت اکثر اصلاح سخن از میر محمد تقی سلمه الله
می گرفت طبع موزونے داشت گاه گاهی دو سه بیت میگفت از کسب عربی تا
صرف و نحو آگاه بود۔ میر ضیا سلمه الله با و نظر الفت داشت چنانچه تا حال هر وقت
یاد او میکند میگرید۔ غرض که درین حوالی از جهان فانی درگذشت رحمه الله۔

اس چمن میں ناتواں میں سب کے اوپر بار تھا — خوش رہو ای بلبل و گل تم کہ میں ہی خار تھا
جائے سنگِ لوحِ تربت نصب کیجو آئینہ — تا کوئی جانے کہ یہ حسرت کشِ دیدار تھا
آفریں ای دستِ گستاخِ محبت آفریں — یہ گریباں ایک مدت سے گلے کا ہار تھا

انعام الله خان شاعر دردمند و حزین انعام الله خان متخلص به یقین ولد
اظهر الدین خان جوانے بود در عهد محمد شاه غفر الله له از تلامذهٔ مرزا مظهر جان جانان
اصلش از شاهجهان آباد است بسیار نازک مزاج و میرزا منش بود۔ صاحب دیوانست
از بسکه اشتهار دارد محتاج تعریف نیست۔ میر تقی در تذکرهٔ خود نوشته است که مشهور
چنین است که میرزا مظهر تمام دیوان گفته داده است خود موزون نیست فقیر این
نمود لیکن میر از تیغ سودا و میر سوز سلمهما الله گواهی را نمیکرد روزے ما با
انعام الله خان رفته برائے امتحان غزلی طرح نمودیم هرچند مبالغه کردیم یک مصرع
موزون نکرد و آنقدر سخن فهمی هم نداشت والله اعلم۔ باشد ما را ازین چه کار۔ متاع
نیک هر دوکان که باشد اشعارش بسیار رنگین و موثر اند سخن او خالی از دردمندی
نیست میگویند پدرش بگناه او را کشت و پاره پاره کرده در دریا انداخت سخن

کیا جانیے وصال ترا ہو کسے نصیب — ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے
نہ تو ملنے کے قابل اب رہا ہے — نہ ایسا وہ دماغ و دل رہا ہے
مت تلوّن اس میں سمجھو آپ سا — مصطفےٰ خاں عاشق یکرنگ ہے
سُنتا نہیں تو بات کسی ہی کی اے سحن — تیرا غرور تجھکو نہ جانوں کر گا کیا
زباں شکر ہے جہدی کا ہر بات — رکھے ہے جو سر وطاہر کرامات
خیال چشم وابرو کرکے تیرا — کوئی مسجد گیا کوئی حرابات
عجب تو بکسی برا ہی کیوں ہر وقت رہتا ہے — مگر غم اے دیوانے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے

حدیث در مرثیہ امام علیہ السلام جوب گفتہ است وآں اینست ؎

رحمی برنگ گل ہیں شہیداں کربلا — گلزار کی نمط ہے بیاباں کربلا
کھائی چلا ہی رحم ستم شامیوں کے ہاتھ — دھو ہاتھ زندگی سے لی نہماں کربلا
ادھر ہی جہاں ہیں کہ اب شامیوں کے ہاتھ — ہے سر بریدہ شمع شبستاں کربلا

یکرو تخلص مردے بود ارشاگرداں میاں آبرو لیکن فکرش عالی معلوم میشود
ہمیں یک شعر ازو شنیدہ ام ؎

ہیں دل پہ میرے داغ ترے ہجر کے لئے — گنتی میں جن کی عمر مری سب بسر گئی

میر عزت اللہ یکدل تخلص سید عالی نسب بود عاشق سحن اکثر با شعرا دوستی
داشت شعر کم میگفت بیشتر بکار مدح و منقبت ائمہ اطہار صلوات اللہ الملک العفار
شوق و ذوق تمام بہم می نمود چنانچہ ایں منقبت مشہور از وست خدا لیس
سلامت دارد ؎

لونگ باغ اِنّما کی قسم — سرو گلزار ھل اتیٰ کی قسم
مر میداں لا فتیٰ کی قسم — میں تو عاشق ہوں مرتضیٰ کی قسم
دل فدا ہوں مجھے خدا کی قسم

بتاں کی مجھ سی خاطر جمع ہے یہاں تک کہ کبھو ہیں
کہاں اس دام سے یہ صید جا سکتا ہے کیا قدرت

عاشق اور معشوق عالم کی سیر کرتے ہیں سب
مجھ سی جو غمخواری کی طرز اور مجھ سی غمخواری کی طرح

کیا مری مژگاں تری کی ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل کی طرح اڑتے ہیں یہ سینے گرد در

جان گوری منہ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور

اے جو اڑ بیٹھیں قفس کے دام پر مقدور ہیں
حیف ہم آگئے نہ پوچھی ابھی بال و پر کی قدر

دل ہمیں کھو کر چلا تھا اپنے جانے کی خبر
پھر ندی آ کر کسی نے اس وداع لے کی خبر

بلبلیں سیم چلی جاتی ہیں باغوں کی طرف
کچھ تو اڑتی سی سنی ہے گل کے آنے کی خبر

سچ کہو اے بلبلو کس باغ سے آتی ہو تم
کچھ بھی ہے ہم کو ہمارے آشیانے کی خبر

آج اس لطف کی دیکھی ہے یہیں سداد کہ بس
سر یہ ایا مرے اس طور سے جلاد کہ بس

کچھ پر و بال میں طاقت نہ رہی نہ چھوٹے
ہم ہوئے ایسے برے وقت میں آزاد کہ بس

تو نہ تھا حیف یہیں ورنہ دوانا ہوتا
آج جس طرح کا دیکھا ہے پریزاد کہ بس

سحر کی ڈوری جو سنتے تھے سو یہ دیکھی لیکن
دل کھنچا جاتا ہے اس زلف پریشاں کی طرف

ناصح سے غم نے مجھ کو کیا تر مار حیف
سو بار پھٹ چکا یہ گریباں ہزار حیف

جاتی ہیں وہ سے مر گئی ہجر کی نفس
کچھ وصل کے نہ سنتے نہ کچھ پایا ہمارا حیف

جلتی ملتوں سو نہ بل ان تیلیا کپڑوں کے ساتھ
جی دھڑکتا ہے مبادا لگ اٹھے دامن کو آگ

جس میں مجھ سی دیو کے لے جانے کا کیا حاصل
دکھا کر گل جنوں کو سوز پر لانے کا کیا حاصل

جمیں ٹالوں کی پھانسی ہی سو وہ ہر گز ہمیں جیتے
جو زلفوں میں پھنسا دل اس کو غم کھا کھا کیا حاصل

دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اس کو کہتے ہیں
پھر اٹھانا دو ناعوں کا قیامت اس کو کہتے ہیں

ہوئی جا یار شیریں کو ہکن کے بعد حسرت کے
وہ کیا تھا زخم تیشہ کا جراحت اس کو کہتے ہیں

لیکن مارا گیا حریم محبت پر رہے طالع
شہادت اس کو کہتے ہیں سعادت اس کو کہتے ہیں

لوگ دن چلو پھر تو دیں عشرت زنجیر کرتے ہیں
دوانا مجھ سا کب جیتا ہے کیوں تدبیر کرتے ہیں

چنین معلوم شد که پدر شش تعلق خاطر با دختر خود داشت بعو ذ باللہ واو این چیزها
نمی‌توانست منکر و برائے اخفائے این حرکت او را شہید کرد واکثر چنین شہادت میدہند
خدا بہتر میداند این چند اشعار انتخاب کردہ قلمی می نماید از وست ؎

ہے ترے داغ سے ہر سینۂ سوزاں میرا — اس ورنگ آگ سے رکھتا ہے گلستاں میرا
روا گر دیجئے اُس کو بھی تو کچھ عیب نہیں — آئینہ سے بھی گیا یہ دلِ حیراں میرا
کبھو یہ تھا کہ ہم پردہ ست معرور روتیا — بُرا جب دیکھتا حال دل رنجور رو دیتا
اگر مرکر بھی میں اُس شوخ کی خاطر نشاں کرتا — خدا جانے وفا میری کی حق میں کیا گماں کرتا
رہا ہیں لے خبر افسوس لذتہائے اسیری کی — جو میں یہ جانتا کنج قفس میں آشیاں کرتا
اُس کو جب خشم و رضا میرا برابر ہو گیا — حیف مضموں روٹھنے کا بھی مکرر ہو گیا
کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کا بند — برگِ گُل کی طرح ہر ناخن معطّر ہو گیا

عجب اتفاق است کہ این شعر توارد شد با شعر آمد رام مخلص کہ ہم عصر او بود
معلوم نیست کہ این معنی در اصل از کیست ؎

باس تمام گشت معطر چو برگ گل — بند قبائے کیست کہ وا میکنیم ما

یقین

اس قدر شرق لہو میں یہ دلِ زار رہتا — جب جاتے تری پاؤں کو سرو کا رہتا
دل میں زاہد کی جو جنت کی ہوا کی ہی ہوس — کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار رہتا
بس گل سے کچھ حجاب ہمیں درمیاں نہ تھا — جس دن کہ یہ بہار نہ تھی گلستاں نہ تھا
ہم قفس سے چھوٹ کے پہنچے جو باغ تک — دیکھا تو اس زمیں میں چمن میں نشاں نہ تھا
ساجہاں میں کوئی کبھی بیوفا نہ تھا — ملتے ہی تیری مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا
کچھ کے ہیں مجھکو یقیں ہے سر اتری — بندہ جو تو بتاں کا ہوا کیا خدا نہ تھا
ہاراستو رشن غنچوں کو بھولی طرح مالی کی — کوئی تیروں کی منہ پر دی بچا سکتا ہے کیا قدرت

خبر لیا وے جنھنے مرغ چمن سے آشیانے کی
اسیروں کو توقع کب ہے پھر گلشن کے جانے کی

گئی گزری مرغ گل ہیں اور سروار اوّل ہیں
بدی فرصت نالے ہیں ہمیں قفس سے جانے کی

دل سے جس نے اپنے پارے مانگی ہو سو جانے
بسے ہیں گالیاں کھا کی اور سالی ملانے کی

مفت تک بازار آ کر لی نہ گر تا ہی مجھے
حی ہی آزاد کر چھوڑے کی گرفتاری مجھے

ہیں جہاں غمخوار ہر گز رہ نہ سکتا تھا کبھی
ان دنوں کرنی پڑی ہے دل کی غمخواری مجھے

رشتہ ان جاوں ساتھ رندان بھی گلستان ہے
ہوا ہے دام ہم کو آشیاں اپنی کی الفت سے

عشق بالی بھی سے بیچ آ سے اثر ہم لے
یہ کیوں اس خاک میں لوٹا تھا گل کو تو ہم لے

نہ روئی ہجر میں پر وصل کو دن جلے آنسو
اسی دن کو لیے رکھتے تھے گویا یہ گہر ہم نے

گئی یہ کہہ کے آنے سے حیران کے بیتر بسمل
پھر ان آنکھوں سے کیوں کر دیکھ سکے گا چمن حالی

جوش آئی ہے تجھ پہ مانند عشق عریاں سے
کیا کیجئے کہاں تک چاک ہم گریباں سے

جو سر بادل یہ دھر دیجے تو راضی ہوں بتاں ہم سے
ولیکن ہائے ہو سکتی ہے یہ جرأت کہاں ہم سے

جو ہٹ کر دیکھی گل کو کف صیاد دو ادھر تھا
ہمارے آہ و نالے چھڑا یا آشیاں ہم سے

یار اگر مطلوب ہے دنیا و عقبیٰ سے گذر
میر ل مقصود ہے دونوں جہانوں سے پرے

حسن معشوق عاشق دلربائی کیا کرے
سدا کی ہے جس نے خو کی ہو خدائی کیا کرے

وصل کی گرمی سے مجھکو ضعف آتا ہے یقین
دیکھئے مجھ ساتھ جو یا کی جدائی کیا کرے

معاوضے میں وفا کی جو یہ جفا ہووے
کہو کسی سے کوئی کیوں کہ آشنا ہووے

یہ سب تو کرتے ہیں دعوای عشق یار کبھو
جو آرمالے یہ آوے تو کیا مرا ہووے

تمنا یک انصاف کراتی بھی کرتا ہے جفا کوئی
کرے گا بعد میر کے کس توقع پر وفا کوئی

گر جا وصل سے گر ہجر میں دیکھو رضا اس کی
محبت میں یقین لیتا ہے نام مدعا کوئی

اس طرح صیاد کب آزاد کرتا ہے ہمیں
بلبلو ڈھونڈو ہمیں جا لو یہ گلستاں پھر کہاں

کرتا ہے کوئی یار و اس رفت میں تدبیر یاں
مرتا ہے یہ دیوانا اسے کھولو در زنجیر میں

یہ گر رہا ہوگا کوئی مجھ سا رگیں پاؤں میں
گریباں آپڑا ہی پھٹ کے گل کی طرح دامن پر

یقیں ہی چلتے چلتے کی خبر کیا پوچھ کر لو گے
پڑا ہوگا دیوانا یا ولا سا کوئی گلخن میں

شکوہ جفا کا یار سے کرنا روا نہیں
مردوں کو اعتراض جدا مر روا نہیں

جب دیکھتا ہوں تنہا تجھکو کسی چمن میں
کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں

پھولوں کی جوش تیسی کرتی ہے داغ دل کو
کیا عیش کر گیا ہے ظالم دیوانہ بن بن

ہم تو حاضر ہیں عشق یار کہاں
جان و حسن جمع ہے قرار کہاں

باغباں در پہ بند کر آخر
ہم کہاں تو کہاں بہار کہاں

اسیران چمن کی نامرادی پر نظر کیجو
بہار آوے تو اے صبا دمت ہم کو خبر کیجو

منہ اپنا نہ دکھا ہو جائے گا دیوانہ
آئینہ کو کہتے ہیں اے سورج پری خانہ

کچھ عمر نہیں باقی ساقی تو شتاب آجا
ڈرتا ہوں چھلک جاوے لبریز ہے پیمانہ

حواس ہیں کس طرح دیکھوں تجھکو سچائی کے ساتھ
جمع آسایش کہاں ہوتی ہے تنہائی کے ساتھ

مصب میں اپنی وفا کو شہر خوباں میں نہیں
کس قدر رقدر ہے یہ جنس نایابی کے ساتھ

گئی شب صول تنکوں دیکھ روئی یار کیا کہئے
زباں حیرت سے ایسی ہوگئی ہے کار کیا کہئے

یقیں کرواتی کی شب جبر دہ بدگماں بولا
یہ دیوانا کچھ اتنا تو نہیں بیمار کیا کہئے

زنجیر میں بالوں کی پھنس جانے کو کیا کہئے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہئے

دل چھوڑ گیا مجھکو دلبر سے توقع کیا
اپنے سے کیا یہ کچھ بیگانے کو کیا کہئے

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
برا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

اس اشک و آہ سے سودا اگر نہ جاوے کہیں
یہ دل کچھ آب رسیدہ ہے کچھ جلا بھی نہیں

یہ آرزو ہے کہ اس بیوفا سے تو پوچھوں
کہ میرے پیر رکھتے ہیں کچھ مزا بھی ہے

مطرب قتل ہی تو سمجھے کیا درنگ ہے
یہ میں یہ تو یہ تیغ یہ سر و حد رنگ ہے

وہ دن گئی کہاں کہ دل آپس میں تھی خوشی
اب یہ جدا ہی اس سے یہ اس سے تنگ ہے

بولی ٹھٹھولی غیر سے ہم کو ستا ستا
ظالم بھلا ستانے کا یہ کوئی ڈھنگ ہے

لطف و کرم سے پاس بلا یا تو اک طرف
احوال پوچھے سے مرے اس کو ننگ ہے

دیکھیں فلک وہ دور دکھائیگا یا نہیں
اس دل میں وصل یار کی کیا کیا امنگ ہے

چھوٹے وہ درد و غم سے جو جی کی گزر گئے
تیری شب فراق میں ہم کیوں نہ مر گئے

گو جی گیا یہ دیکھ لیا تجھکو اک نگاہ
مطلب تھا جو اسے تئیں کام کر گئے

ہرگز نہ کام نکلا کچھ دیر او حرم سے
آخر ہمارا مقصد حاصل ہوا تو ہم سے

مجھکو یقین ہو چکا پیارا وہ دل ربا نہیں
اتنا نہ یار کر ستم مدے کا کیا جدا نہیں

میں نے کہا کہ میری نہ ناحق ادھر کو کر نگاہ
کہنے لگا تو کون ہی تجھ سے میں آشنا نہیں

گل نرگس میں بھونٹ سے
جسم تیرے ہی انتظار میں ہے

——— > [illegible] < ———

حرم کو چھوڑ دل بے طرح بتخانہ پہ چلتا ہے | توقع یار رہنے کی نہیں اُس کو خدا رکھے
خدا سمجھے مرے بے داغوں سے لالہ زار کر دی | یہ خار خشک مگر آگ سے بہار کرے
قیامت آپ پر اُس قد کی لا چکی ہم تو | کہاں تلک کوئی محشر کا انتظار کرے

از سلک متاخرین | ارجمند خان والا مرتبت نواب خان عالیشان حسن علیخان

ولد زین العابدین خان مرحوم برادر اسلام خان بن عقیدت خان ابن نواب بہ رحلت
کرد الٰہی بخوانند بسیار خلیق و باعزا شیمی قدردان وقدرشناس التخلص بہ
یاس اکثر مشورہ سخن با میاں حسرت وارد ہو ذوق است اگرچہ مشق بایں ہمہ
رائے بلند خوب دارد در سواد مال جوانان جزئی است خوش اخلاق کہ عمر عزیز
خود را بدین خوبی صرف نماید از متوسلان مرتبہ ذات عالیہ است این چند اشعار
بطریق یادگار بقلم می آید ؎

عشق نے تیری مجھے خلق میں تشہیر کیا | میری اُلفت نے تری دل میں نہ تاثیر کیا
تھی تلک دی کے خدا یہ تو نہ ہوتا ہرگز | تو نے کیا جانے کیوں یاس کو دلگیر کیا
تو آپ ہی ؎ بس رہیگا جو کچھ گذرا ہجر میں | خدا وہ روز نہ لاوے تری جدائی کا
کسی کو ہجر میں رونا کسی کو وصل میں عیش | میں کیا کہوں ہے تماشا عجب جدائی کا
سخن نے پائی ہے یہ حلاوت سخن کی بیچ | جو بات لطف دیتی ہے اُس کے دہن کی بیچ
ہوتا ہی جاوے گا کوئی اور شہر میں | آوارہ میں تو پھرتا ہوں اپنے وطن کی بیچ

؎ دونوں نسخوں میں یوں ہی ہے اگر آپ ہی مصرعہ کے آخر میں ہو تو موزوں ہو جائے گا

القہر - جو اسرار کسب و سکون اور المامی کی راحت اور حال کے علم ہیں یکساں وا
ہوتے ہیں ان کے سارے آزاد اور دلائل ان کے ... ایک کتاب لکھی ہے ... قیمت ۸/
تاریخ تمدن - مسٹر بکل کی مشہور آفاق کتاب کا ترجمہ ... سے تک تمدن کے
مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے ... ایک بحث گزری اور اصول
اختیار کیا گیا ہے ... اصول کی تائید میں تاریخ عالم ... سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعے
معلومات میں انتہا درجہ کی وسعت پیدا ہوتی ہے ... سرکاری لائبریریوں کے
لئے تجویز کی گئی قیمت حصہ اول عہ حصہ دوم مجلد عہ

فلسفۂ جذبات - کتاب کا مقصد جذبات انسانی کی ماہیت ... علاوہ ہر
ہر ایک کیفیت پر نہایت لطافت اور ... بحث کی گئی ہے علماء کے لئے
اسے نہایت مفید پائیں گے قیمت مجلد ۸/

مقدمات الطبیعات - یہ ترجمہ ہے انگلستان کے مشہور سائنس دان حکیم ہکسلی کی کتاب کا
ترجمہ ہے جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے اس میں مظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب
علم و عمل کا مرقع ہے مبتدیان سائنس اور عام ناظرین کے لئے بہت مفید ہے قیمت عہ ۸/

البیرونی - کمالات وہبی میں ابوریحان بیرونی کا مرتبہ تعریف سے مستغنی ہے وہ چوتھی صدی
کا فاضل ہے مگر بحر علمی اور دقیق النظری میں بیسویں صدی کا محقق معلوم ہوتا ہے ہندوستان
آیا اور ہندوستان کے فلسفہ تاریخ اور مذہب و معاشرت پر ایک بے مثل کتاب لکھی -
البیرونی اس کے حالات زندگی اور کمالات علمی پر مشتمل ہے قیمت مجلد عہ ۸/

فلسفۂ اجتماع - تالیف ہے اور اس کا موضوع نفس اجتماعی یعنی جماعت کے اعمال و قوا
دماغی کی تحلیل و تشریح ہے موجودہ انقلابات میں اس کا مطالعہ دلچسپی اور فائدہ سے خالی
نہ ہوگا اس پر انگلستان و ہند کے علما و اخبارات نے اچھے اچھے ریویو لکھے ہیں قیمت عہ

قاعدہ و کلید قاعدہ۔ مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے
ڈائرکٹر تعلیمات بمبئی نے اپنے صوبہ کے گورنر سے تحریک کی کہ اس قاعدہ کو نصاب میں
داخل کیا جائے جس اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم ہونی چاہیئے اس کی تشریح کے لئے
ایک کلید بھی تیار کی ہے۔ قیمت قاعدہ ۲ر کلید قاعدہ ۴ر

دریائے لطافت۔ ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاء اللہ خاں کی تصنیف ہے اردو صرف
اور محاورات و الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب
نکات درج ہیں قیمت عصہ

طبقات الارض۔ اس فن کی پہلی کتاب ہے تین سو صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل علم
ہیں انگریزی اور اردو داں دونوں کے لئے یکساں طور مفید ہے کتاب کے آخر میں انگریزی
مصطلحات اور اُن کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے قیمت عصہ

مشاہیر یونان و روم۔ پلوٹارک لائوز کا ترجمہ ہے سیرت نگاری اور انشا پردازی
میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے ادبیان عالم ملٹن
شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے وطن پرستی و بے نفسی عزم جوانمردی کی
مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ لبریز ہے ہماری قوم کے ہر نوجوان کے ہاتھ میں اس کا ایک
نسخہ ضرور ہونا چاہیئے۔ دنیا کی تمام مہذب زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

جلد اول غیر مجلد قیمت ۶ر جلد دوم مجلد قیمت ۸ر

اسباق نحو۔ دو حصے ملک کے ادیب کامل مولانا مولوی حمید الدین صاحب بی اے کی تالیف
سے ہیں۔ اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے عربی خواں طلبہ
کے لئے نادر تحفے ہیں قیمت فی رسالہ ۴ر ان سب کتابوں کے ملنے کا پتہ

معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)